خاک ہو جائیں گے تم کو خبر ہونے تک

بیا علی

ابتدائیہ

خاک ہو جائیں گے تم کو خبر ہونے تک کی کہانی اُن لوگوں کے گرد گھومتی ہے جو خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اور پھر اُن میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ خواب اُن کی زندگی اور موت بن جاتے ہیں وہ خود تو تباہ ہوتے ہیں لیکن اپنے ساتھ ساتھ اپنے چاہنے والوں کی زندگیاں بھی برباد کر دیتے ہیں۔

انسان کو خوابوں کو اپنی زندگی میں اتنی جگہ نہیں دینی چاہیے کہ جب وہ ٹوٹ کے بکھریں تو وہ زندہ ہی نہ رہ پائے۔ کیونکہ ہر خواب کی تعبیر ممکن نہیں ہوتی کچھ خواب کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھارتے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے کئی زندگیاں برباد ہوتے دیکھیں ہیں لیکن میں مزید زندگیوں کو برباد ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔ اس سلسلے کی یہ میری ادنیٰ سی کاوش ہے۔

بیا علی

اندھیرے کے سائے دراز ہو کر پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے مگر یہ سائے اس قدر گہرے اور عمیق نہ تھے جس قدر ماضی قدیم میں ہوا کرتے تھے۔ نت نئی ایجادات نے جہاں انسانی طرزِ زندگی اور اردگرد کے ماحول کو بدلا ہے وہاں انسان میں بھی کئی تبدیلیاں رونما کی ہیں۔ رات کی تاریکی میں فقط چاند کے سہارے چاہنے والوں کی پہچان کرنے والا انسان آج لاکھوں کروڑوں برقی قمقموں کی موجودگی میں بھی اپنے اردگرد بکھری محبت کو پہچان نہیں پاتا۔ جہاں انسان نے اور بہت کچھ کھو دیا ہے وہاں دل کی آنکھ سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ اگر فاصلے برق رفتار گاڑیوں سے طے ہونے لگے ہیں۔ کچے راستے پکی سڑکوں میں ڈھل گئے ہیں اور دیوں نے بلبوں کی جگہ لے لی ہے تو جذبے بھی اب لفظوں کے محتاج نظر آتے ہیں۔ آج کے انسان پر تبدیلی اور ترقی کا جنوں سوار ہے اس سے قطع نظر کہ آیا یہ ترقی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے یا منفی وہ بس تبدیلی کا خواہاں ہے۔ اپنی تمام تر کاوشوں کے باوجود وہ بسا اُوقات بے بس دِکھائی دیتا ہے۔ برقی قمقموں کی وساطت سے دن اور رات میں تفاوت ختم کرنے کا جو جتن انسان نے کیا ہے وہ اِس میں کافی حد تک کامیاب و کامران ہے مگر اپنی تمام تر سعی و کاوش کے باوجود تفاوت کی جنگ اِبھی بھی جاری ہے۔ تاریکی اِبھی بھی اپنا تسلط قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ اندھیرا ہی ہے جو اپنے پر پھیلاتے ہی سارا نقشہ بدل کر رکھ ڈالتا ہے۔ تبھی تو آفتاب کی کرنوں کے سائے تلے فراٹے بھرتی جاتیں گاڑیاں رات کی آمد پر سست روی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ سڑکوں پر لمبی لمبی قطاریں ان کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہیں۔ اندھیرا جہاں سواری کو محتاج بناتا ہے تو وہاں سوار بھی کچھ کم بے بس نظر نہیں آتے۔ حادثے کے خوف کے پیشِ نظر احتیاط ہی وہ واحد آلہ ہے جسے استعمال کر کے وہ اس ڈر خوف سے کسی حد تک بچ سکتے ہیں۔ ذرا سی غفلت اور لاپرواہی

جہاں سوار کی جان لے لیتی ہے وہاں سواری کا بھی حشر نشر کر دیتی ہے۔ بے احتیاطی تفاوت کی قائل نہیں ہوتی تبھی تو خاص و عام کو ایک ہی چکی میں پیستی ہے۔

ہر ذی نفس کی طرح شارح بھی ایک سلیبرٹی ہونے کے باوجود پوری طرح چوکس تھا۔ اُسے رات کی اس تاریکی میں ایک محتاط ڈرائیور ہونے کا ثبوت دینا تھا گو سڑک پر آویزاں لیمپ اس اندھیرے کو کچھ حد تک کم کر پائے تھے۔ اس کے موبائل پر بار بار رنگ ہوئی مگر وہ کال ریسیو کرنے سے اجتناب کرتا رہا۔ اس کے ذہن میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ سڑک پر لگے لیمپ بھی اس کی غفلت اور لاپرواہی کے نتیجے میں ہونے والے حادثے کو روک نہیں پائیں گے۔ ایک جانب ٹریفک تو دوسری طرف موبائل کی رِنگ اُسے پریشان کیے ہوئے تھی۔ اس نے ایک دوبار موبائل پر نظر ضرور ڈالی مگر کال ریسیو کرنے کا خطرہ مول نہ لیا۔

مگر جوں ہی وہ رش سے نکل کر کھلی اور کشادہ سڑک پر آیا۔ اُس نے گاڑی ذیلی سڑک پر روک دی۔ گاڑی کے کھڑے ہوتے ہی اُس نے کال ریسیو کی۔ او۔ کے کا بٹن دباتے ہی اس کے کانوں میں بیگم کی آواز گونجی۔ وہ تڑخ کے بولی۔

"آپ کہاں ہیں؟ کچھ خبر بھی ہے کب سے ٹرائے کر رہی ہوں مگر آپ نے تو جیسے میری کال ریسیو نہ کرنے کی قسم اُٹھا رکھی ہو۔ اگر اب بھی آپ فون اٹینڈ نہ کرتے تو......

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔ مگر وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے ساتھ ساتھ شارح پہ اپنے شکوک و شبہات کو بھی عیاں کر گئی تھی۔ گو اس نے زبان سے ایسا کچھ نہ کہا تھا۔ مگر وہ بیگم کی بات اُس کے لب و لہجے سے ہی سمجھ گیا تھا۔ شارح نے بیگم کی بات بڑی تحمل مزاجی سے سنی اور پھر رسانیت سے بولا۔

"سلمٰی اپنے دماغ میں کسی بھی اُلٹی سیدھی بات کو مت لاؤ۔ میں ٹریفک میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔" سلمٰی کراچی کی ٹریفک سے پوری طرح آگاہ تھیں کیونکہ وہ بھی اسی شہر سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر پھر بھی اس نے دل کی بات زبان سے ادا کر کے شارح کو اس بات کی یقین دہانی کروادی کہ وہ واقعی شوہر پر شک کر رہی تھی۔ "کیسے اُلٹی سیدھی باتوں میں ذہن کو نہ اُلجھاؤ پچھلے دس پندرہ منٹ سے ٹرائے کر رہی ہوں تو کیا آپ یہ سارا وقت ٹریفک میں پھنسے رہے تھے......"

شارح نے بیگم کو رسان سے ٹوکا

"تم خود کو ensecure کیوں فیل کر رہی ہو؟"

سلمٰی کے لہجے میں شارح کی بات سن کر نرمی آگئی اور اپنی باتوں پر ملال بھی ہوا مگر

اس نے شارح پر اس کا شائبہ نہ ہونے دیا۔ بلکہ کمال ہوشیاری سے استفسار کیا۔

"کیا مجھے انسیکیور نہیں ہونا چاہیے؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔"

اس نے مستحکم لہجے میں پوچھا۔

"Sure"

"100% sure اگر یقین نہ آئے تو خود آکر دیکھ سکتی ہو۔"

"There is no need, I trust you"

شارح نے تشکرانہ لہجے میں جواب دیا۔

"Thnaks"

"Thanks for What?"

"For trusting me"

اس سے پیشتر کہ شارح خدا حافظ کہتا ملازمہ نے سلمٰی کے قریب آکے کھانا لگانے کے بارے پوچھا۔ سلمٰی چونکہ شارح کے ساتھ کھانا کھانے کی عادی تھی اس لیے اس نے شارح سے گھر آنے کے بارے دریافت کیا۔ تو اس نے ایک ساعت کو کلائی پر باندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالنے کے بعد جواب دیا۔

"Within ten minutes"

شارح کا جواب موصول ہوتے ہی اس نے ملازمہ کو فی الحال منع کر دیا اور خود دوبارہ محوِ گفتگو ہو گئی۔ دس منٹ کا کہتے ہی شارح کو گھر پہنچنے کی جلدی پڑ گئی یہ اسی عجلت کی مرہون منت تھا کہ اس نے بے دھیانی کے عالم میں گاڑی سٹارٹ کر دی۔ بیگم کے ساتھ بات چیت نے اس کے ذہن سے ساری احتیاطی تدابیر کو نکال دیا پھر وہ باتوں میں اس قدر مگن ہوا کہ اسے سامنے سڑک پار کرتی راہ گیر دکھائی ہی نہ دی۔ پھر وہ اتنی اچانک گاڑی کے سامنے آئی تھی کہ دھیان دینے یا نہ دینے کا سوال ہی جنم نہ لیتا تھا۔ اس نے بریک لگانے کی بہت کوشش کی اور اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ گاڑی کے بریک چرچرانے کی آواز بھی خوب گونجی مگر گاڑی کے رکتے رکتے اندھیرا اور اس کی غفلت اپنا کام کر چکے تھے۔ اس حادثے نے اس کو حواس باختہ کر دیا اس نے عجلت میں یہ کہتے ہوئے موبائل آف کر دیا۔ "مَیں بعد میں کال کرتا ہوں۔" یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا کہ وہ ششدر رہ گیا اور یک لخت گاڑی سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ اِدھر سلمٰی شارح کے اس غیر متوقع

روپے پر حیران و پریشان ہوگئی اُس نے یوں اچانک کال ڈراپ کرنے کا سبب جاننا چاہا مگر اس کے بار بار فون کرنے پر اُسے ایک ہی جواب موصول ہوا۔ ناٹ رسپونڈنگ ایٹ دا مومنٹ" آخر تھک ہار کے اُس نے موبائل رکھ دیا۔ شارح اب اپنے سامنے ایک لڑکی کو گرا پڑا دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے ایک لمحے کو یاسیت بھری نگاہوں سے دیکھا مگر اس کے سامنے کا منظر دھندلانے لگا اور آہستہ آہستہ ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا۔ اسے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ درد سے نڈھال تھی اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں شارح اُسے بار بار پکار رہا تھا۔ "آپ ٹھیک تو ہیں نا" مگر اُس کے کانوں میں شارح کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونج رہی تھیں۔ مگر نیم بے ہوشی کے عالم میں اس کی باتوں کا صحیح مفہوم نہ سمجھ پائی۔ اس کا چہرہ خون سے بھیگ رہا تھا۔ خون سر سے بہہ کر پیشانی، آنکھوں اور گالوں تک پہنچ گیا تھا۔

شارح یوں اچانک ایک لڑکی کے اپنی گاڑی کے سامنے آجانے پر حیرت زدہ تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر اسے اپنی بے دھیانی اور غفلت پر ندامت ہو رہی تھی ایک ساعت کو اس نے جائے حادثہ سے فرار اختیار کرنے کا سوچا مگر پھر ضمیر نے ایک لڑکی کو یوں تنہا زخمی حالت میں چھوڑنا گوارا نہ کیا ایک توقف کو سوچوں کے اس سلسلے کو موقوف کیا تو دل و دماغ نے اس کی مدد کرنے کا کہا آخر یہ سارے زخم اُسی کے تو لگائے ہوئے تھے اب ان کا مداوا نہ صرف اس کا اخلاقی و قانونی فرض تھا بلکہ صورت حال کا تقاضا بھی یہ ہی تھا۔ اس نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے اسے ہلایا مگر وہ بے سدھ پڑی تھی۔ اُسے جلد از جلد زخمی کو ہسپتال پہنچانا تھا۔ کیونکہ مزید تاخیر اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ دل کی دھڑکنوں کو اعتدال میں لاتے ہوئے اسے اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اسی لمحے کانوں میں پولیس کی گاڑی کے ہارن کی آواز پڑی۔ مڑ کر دیکھا تو گاڑی کو قریب پا کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا۔ اب گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا اور ایک انسپکٹر اُتر کر اس کے قریب آیا وہ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا مگر نہ تو اُٹھنے کی کوشش کی اور نہ کچھ بیان کرنے کی۔ اس کی نظریں انسپکٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ انسپکٹر تو محض ایک گاڑی کو کھڑا دیکھ کر رکا تھا اسے اس بات کا بالکل بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ ایکسیڈنٹ جیسا فعل سرزد کر چکا ہوگا۔ مگر جب انسپکٹر نے سڑک پر ایک زخمی لڑکی کو بے ہوشی کے عالم میں پایا تو اپنے روائتی انداز میں فرد جرم عائد کر دیا۔

"مار دیا۔ ایک بے گناہ کو اپنی غفلت کی بھینٹ چڑھا دیا۔ تم کیا سمجھ رہے تھے قانون کی گرفت سے بچ نکلو گے مگر شاید تم جیسوں کو علم نہیں قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔...... ہم مجرم کو سات پردوں میں بھی پہچان لیتے ہیں۔ اب میرا منہ کیا تک رہے ہو ہمارے ساتھ

تھانے چلو باقی کی تفتیش وہیں جا کر ہوگی۔"

انسپکٹر نے اسے دیکھتے ہی الزامات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ شارح نے بار ہا لب کھولنے کی جسارت کی مگر ہر بار اُسے ٹوک دیا گیا۔ چند ثانیے کے توقف کے بعد انسپکٹر نے اپنے پاس کھڑے کانسٹیبل سے کہا۔

"رفیق ان صاحب کو ہتھکڑی لگاؤ اور لاش کو اپنی تحویل میں لیکر پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دو ہم مجرموں کی پشت پناہی نہیں کریں گے۔ پھر قتل جیسے جرم کی قطعی نہیں......"

کانسٹیبل نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی گاڑی سے دو تین لوگ اور اتر آئے۔ انسپکٹر نے زخمی کو اس بات کی تصدیق کیے بغیر مردہ تصور کر لیا کہ آیا وہ مردہ تھا بھی کہ نہیں۔ انسپکٹر کے حکم صادر کرتے ہی رفیق شارح کی طرف بڑھا۔ آخر شارح نے ترخ کے کہا۔

"Will you please stop it"

یک لخت سب خاموش ہو گئے اور اس سے قبل کہ انسپکٹر کوئی نیا آرڈر جاری کرتا شارح نے موقعہ غنیمت جان کر سارا قصہ ایک ہی سانس میں بیان کر ڈالا اس کی روداد سنتے ہی انسپکٹر کے لہجے میں لجاجت آ گئی۔

"پلیز میری مدد کریں۔ انہیں جلد از جلد ہسپتال پہنچانا ہوگا پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے مزید تاخیر خطرناک ہو سکتی ہے......پلیز جلدی کریں۔"

شارح کی باتوں نے انسپکٹر کے دل میں خجالت کھینچی پھر اس کے چہرے پر فکر و خوف کے تاثرات دیکھتے ہوئے انسپکٹر کو اپنے رویے پر ندامت بھی ہوئی۔ اس نے فوراً زخمی کو ہسپتال پہنچانے کے لیے ایمبولینس بلوائی۔ چند ہی ساعتوں کے انتظار کے بعد ایمبولینس وہاں پہنچ گئی۔ مگر ان چند ثانیوں میں انسپکٹر نے شارح کے چہرے پر فکرمندی کے اثرات کو زائل ہوتے نہ دیکھا تھا۔ جوں ہی ایمبولینس زخمی کو لیکر نظروں سے اوجھل ہوئی اُسے تھوڑا سا اطمینان ہو گیا۔ اب انسپکٹر نے اپنی توجہ اس کی جانب مبذول کی۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

انسپکٹر کی بات پر شارح چونک گیا اور بدحواس ہو کر پوچھا۔

"کہاں؟"

انسپکٹر نے اپنی بات کو تفصیلاً اس کے گوش گزار کیا وہ انسپکٹر کی بات سن کر مبہوت ہو گیا تھا۔

"آپ کو ہمارے ساتھ ہسپتال چلنا ہے۔ زخمی کا بیان ریکارڈ کیے بغیر ہم آپ کو گھر

جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس میں ہمارا کوئی ذاتی مفاد نہیں بلکہ یہ تو ضابطے کی کاروائی ہے اور اس کو پورا کرنا ہمارا اور آپ کا قانونی فرض ہے...... آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا!"

شارح نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی غفلت کے باعث ایک بہت بڑی غلطی سرزد کر چکا ہے اب اس کی تلافی کے ساتھ ساتھ اُسے ہر طرح کے انجام کا بھی سامنا کرنا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ انجام اچھا ہوتا ہے یا برا۔ انسپکٹر نے جب اُسے چلنے کا کہا تو اس نے خیالات کا سلسلہ توڑ کر گاڑی کی جانب قدم بڑھائے۔

☆

زخمی کو ایمرجنسی میں ایڈمٹ کرنے کے بعد ٹریٹ منٹ جاری تھا۔ فی الحال انسپکٹر کسی بھی کاروائی سے قاصر تھا کیونکہ اُنہیں زخمی سے ملاقات کی اجازت نہ تھی۔ شارح اضطراب اور پریشانی کے منجدھار میں ایسا پھنسا کہ بیگم کو کال کرنا بالکل بھول گیا۔ پھر انسپکٹر نے بھی اُسے باتوں میں اُلجھا لیا تھا۔ وہ انسپکٹر سے محوِ گفتگو تھا کہ موبائل پر رِنگ ہوئی۔ ایکس کیوز کرتے ہوئے جوں ہی اس نے کال اٹینڈ کی تو بیگم نے سوالات کی یلغار کر دی۔

"آپ کہاں ہیں؟ ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچے؟" آخر ہوا کیا ہے؟ آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں؟ جانتے بھی ہیں میں کس قدر پریشان ہوں مگر آپ کو بھلا پرواہ کیوں ہونے لگی۔ کچھ خبر بھی ہے میں کتنی مضطرب تھی مگر آپ کو اس سے کیا؟

ناگواری، خفگی، عتاب اور خشونت کے تاثرات اس کی باتوں سے جھلک رہے تھے مگر شارح نے سب نظر انداز کر دیا کیونکہ قصور اس کا بھی تھا۔ اسی کے پیشِ نظر وہ دھیرج سے بولا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری۔ پریشانی میں مَیں بالکل بھول ہی گیا۔"

اس کے لہجے میں کرختگی کی جگہ رسانیت نے لے لی اور اس نے متذبذب لہجے میں پوچھا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟"

مگر اس سے قبل کہ وہ اپنی بات کی وضاحت کرتا اس کی نظر ایمرجنسی سے نکلتے ہوئے ڈاکٹر پر پڑی۔ مجبوراً شارح کو بات کاٹنا پڑی۔ موبائل آف کرتے ہوئے وہ ڈاکٹر کی جانب بڑھا۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے انسپکٹر کو زخمی کے بارے بات چیت کرتے پایا مگر فی الوقت انہیں بیان درج کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ اتنی تسلی و تشفی ضرور ہو گئی کہ زخمی لڑکی خطرے سے باہر تھی گو زخم گہرا تھا اور خون بھی کافی بہہ چکا تھا۔

"جوں ہی وہ ہوش میں آتی ہیں ہم آپ کو ملنے کی اجازت دے دینگے۔"

اس بات سے شارح کو کافی حد تک اطمینان ہو گیا مگر بیان درج کرنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا اور یہ مرحلہ طے ہونے کے بعد ہی وہ اس پریشان کن صورتِ حال سے نکل سکتا تھا۔

اضطراب نے سلمیٰ کو ایک جگہ ٹِک کے بیٹھنے نہ دیا وہ مسلسل کمرے میں ٹہل رہی تھی مگر نظریں بار بار موبائل کی جانب ہی جاتی تھیں۔ دل میں عجیب وغریب قسم کے وہم اور وسوسے اُٹھ رہے تھے۔ انتظار کرتے پانچ سات منٹ گزر گئے۔ مگر انتظار رائیگاں ثابت ہوا۔ اس سے پیشتر کہ وہ فون کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہناتی دروازہ نوک ہوا۔ دروازہ پر اب اس کی ساس کھڑی تھی۔ سلمیٰ گھبرا گئی مگر جلد ہی اپنے حواس پر قابو پا لیا۔

"امی آپ سب خیریت ہے نا!"

ساس نے جواباً سوال کیا۔

"ہاں سب خیریت ہے مگر میں پوچھنے آئی تھی کیا شارح آ گیا؟"

سلمیٰ نے عمداً جھوٹ بولا۔

"امی وہ آفس میں کچھ busy ہیں۔ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے آپ فکرمند مت ہو۔"

بہو کی بات سن کر تسلی ہو گئی اور وہ دروازے سے ہی پلٹ گئیں۔ سلمیٰ کا دھیان ایک بار پھر موبائل کی جانب گیا نمبر ڈائل کرنے کو فون اُٹھایا تو شارح کی کال آ گئی۔ شارح نے اُسے ساری تفصیل بتائی یہ جان کر سلمیٰ کو پریشانی لاحق ہو گی مگر اس نے شوہر پر یہ بات آشکار نہ ہونے دی۔ بلکہ اسے ریلکس کیا۔

"آپ فکرمند مت ہو انشاءاللہ everything will be allright"

وہ کسی حد تک ریلکس ہو گیا۔ زخمی کے ہوش میں آتے ہی اُنہیں ملنے کی اجازت دے دی گئی۔ جوں ہی شارح انسپکٹر کے ہمراہ اس کے پاس آیا تو اسے اس کی تشویش ناک حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ شارح کو اس کی آنکھوں میں یاسیت، نا امیدی اور دکھ کا ایک سیلاب نظر آیا تھا۔ آنکھوں کے کوڑے جھلکنے کو بے تاب تھے اور پھر آناً فاناً جھلکنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر انسپکٹر کو اس کی جانب سے کسی بھی دھواں دار بیان کی اُمید نہ رہی مگر جلد ہی آنکھوں کے سمندر نے اپنے کنارے سمیٹ لیے۔ تو اُمید کی ایک اور کرن جگمگائی۔ اسی کے سہارے انسپکٹر نے سوال کیا۔

"بی بی اس ایکسیڈنٹ کے بعد کیا بیان درج کروانا چاہیں گی؟"

وہ ابھی بھی بے بس، گھائل اور زخمی پرندے کی طرح بے سدھ اور خاموش پڑی تھی۔

بار بار یہی سوال دوہرایا گیا تو بالآخر اس نے لبوں کو خفیف سے جنبش دی۔

''قصور میرا ہے کسی کا کوئی دوش نہیں۔''

وہ دوبارہ اُسی حالت میں واپس چلی گئی۔ انسپکٹر کے خدشات سچ ثابت ہوئے تو افسردگی انسپکٹر صاحب کے چہرے پر بادل کی طرح چھا گئی وہ معاملات کو اُلجھانے کی کھوج لگا رہا تھا مگر ایسا کوئی سین آن ہوتا نظر نہ آیا تو انسپکٹر نے مزید کریدنے کے لیے پوچھ گچھ کرنا چاہی مگر زخمی کی حالت نازک محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر نے مزید تفتیش کرنے کی ممانعت کی۔ انسپکٹر صاحب کا حربہ بے سود ثابت ہوا لہٰذا اب یہاں رکنا بے کار تھا۔ چنانچہ انسپکٹر صاحب اجازت پا کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ شارح کے تمام تفکرات زائل ہو گئے۔ مگر زخمی کی حالت دیکھ کر اُسے ملال ضرور رہا۔ زخمی کے سر میں درد کی ٹیسیں اُٹھیں تو اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

ڈاکٹر اس کی طرف لپکا نرس بھی قریب آ گئی۔

شارح باہر کھڑا ہو کے ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگا۔ پھر جوں ہی وہ اس کے قریب آیا شارح نے تفصیلاً بات کی اور زخمی لڑکی کو پرائیویٹ روم میں منتقل کرنے کی تاکید کی۔ وہ اپنی کوتاہی کی تلافی کرنا چاہتا تھا اور فی الحال اُسے یہ ہی راستہ دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی ملال اور دکھ کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نے تسلی دی۔

"Mr Shahrey don't you worry. We will take care of her."

''انشاءاللہ صبح وہ خود کو بہت حد تک بہتر محسوس کریں گی آپ اطمینان سے گھر جائیں۔''

شارح نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

''پلیز ان کا خاص خیال رکھیے گا...... بہت خیال۔''

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆

سلمیٰ بڑی بے تابی سے شارح کی آمد کی منتظر تھیں جوں ہی گاڑی کے ہارن کی آواز اس کے کانوں میں پڑی وہ جھٹ سے اُٹھیں اور کھڑکی کے پاس آ کر پردہ ہٹایا شارح اس وقت گاڑی سے باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ کافی حد تک پرسکون ہو گئیں۔ اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی سلمیٰ کے لبوں نے جنبش لی۔ وہ خود کو کافی تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا اس لیے سیدھا بیڈ کی طرف لپکا۔

''شارح سب ٹھیک ہے نا!''

''تھینک گاڈ، سب حل ہو گیا ورنہ آج غفلت اپنا کام کر جاتی اور صبح کا اخبار میری

کوتاہی اور لاپرواہی کی روداد سنا رہا ہوتا وہ بھی مرچ مصالحوں کے ساتھ۔ جانتی ہو، آج تمہاری وجہ سے مجھے کتنا خوار ہونا پڑا۔ ایک تو میری وجہ سے کسی معصوم انسان کو تکلیف پہنچی، دوسرا مجھے بھی بہت بڑی ذہنی کوفت اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔''

سلمیٰ خاموش تھیں چہرے پر شرمندگی کے تصورات بھی نمایاں تھے آخر کو اس سارے قصے میں اس کا جو بہت عمل دخل تھا۔ اس نے ندامت بھری نظروں سے شوہر کی جانب دیکھا اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے شارح نے موضوع بدل ڈالا مگر اسی لمحے دروازہ کُھلا اور دونوں مبہوت رہ گئے میمونہ بیگم بہو اور بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکی تھیں اس لیے اندر قدم رکھتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ کونسی غفلت کام کر جاتی؟ صبح کا اخبار کس خبر کو مرچ مصالحے لگا کر چھاپتا؟ کس کو خوار ہونا پڑا؟ انہوں نے پہلوتہی کرنے کا بہت جتن کیا مگر نا کام رہے۔ میمونہ بیگم اصل صورت حال جاننے پر بضد تھیں۔ بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ سارا قصہ سننے کے بعد وہ بہت برہم ہوئیں۔ ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ اختتام پذیر ہوا تو بیٹے کو غلطی کی تلافی کی تاکید کرنے لگیں۔ ان کی نظر میں کوتاہی کا ازالہ کرنے سے کسی حد تک ملامت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ تاکید و تلقین کے بعد وہ وہاں سے چلی آئیں۔ خلوت نصیب ہوتے ہی سلمیٰ نے کھانے کی بابت پوچھا تو شارح نے نفی میں جواب دیا۔

☆

ہوش میں آتے ہی زخمی نے جسم کا انگ انگ دکھتا ہوا محسوس کیا۔ سر میں بھی درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ آنکھیں کھولتے ہی متحیر نگاہوں سے اطراف کا احاطہ کیا تو خود کو ہسپتال کے کمرے میں پا کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے اُٹھنے کی سعی کی مگر نقاہت اور تھکن کے باعث اپنے اس فعل میں دقت محسوس کی۔ اسی وقت نرس کی نظر اس پر پڑی تو وہ تیز تیز قدم لیتے ہوئے اس کی جانب لپکی اور ناصحانہ انداز میں بولی۔

''آپ لیٹی رہیں۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

اس نے ناتواں سی لرزیدہ آواز میں پوچھا۔

''میں یہاں کیسے؟ میرا مطلب مجھے یہاں کون لایا ہے؟''

نرس نے اسے دلاسا دیا اور پھر اسے بتایا کہ وہ بہت نازک حالت میں یہاں لائی گئی تھیں۔ یہاں اس کا ٹریٹ منٹ کیا گیا اور جب وہ چند ساعتوں کو ہوش میں آئی تو اس نے شارح کو بری ذمہ قرار دیا اسی وجہ سے وہ پولیس کی پوچھ گچھ سے بچ گئے۔ وہ پچھلے تین چار دنوں سے بے ہوش تھیں اور اس دوران وہ باقاعدگی سے اس کی عیادت کو آتے رہے تھے۔ وہ یہ سب سن کر

ورطہ حیرت میں ڈوب گئی اُسے کچھ بھی یاد نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ وہ سوچ کے سمندر میں ڈوب کر سب یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سب دھندلا دھندلا سا تھا کچھ بھی واضح دکھائی نہ دیا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

نرس نے تشویش محسوس کرتے ہوئے اس کی طبیعت کی بابت دریافت کیا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے ٹھیک ہوں کہا۔ معاً شارح اندر داخل ہوا نگاہ پڑتے ہی وہ چونک گئی۔ فوراً نظریں جھکا لیں اور سر کو دوپٹے سے اچھی طرح ڈھانپ لیا۔ اور پھر نرس کے منع کرنے کے باوجود بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ جوں ہی شارح نے ہاتھ میں تھاما بوکے اس کی جانب بڑھایا وہ آنسو کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئی۔ آنسوؤں کی یلغار دیکھتے ہوئے شارح نے کہا۔

”ارے آپ رونے لگیں۔“

اس نے پہلوتہی کی اور رقت بھری آواز میں کہا۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”ضرورت تھی۔ اشد ضرورت تھی۔ پھول روح کو تازگی بخشتے ہیں ان کی خوشبو شادابی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ پھر مریض کے لیے تو یہ زندگی کا پیغام ہوتے ہیں۔“

شارح کی باتوں میں جانے کیا تھا کہ اس کے آنسو مچل مچل کر باہر آنے لگے۔ وہ آنکھیں جھکائے پھولوں کو ایک بے معنی، بے وقعت شے کی مانند دیکھ رہی تھی۔ مسرت، شادابی، تازگی اور خوشبو کے الفاظ اسے کچھ نا آشنا لگ رہے تھے۔

”اب آپ خود کو کیسا محسوس کرتی ہیں؟“

خاموشی کا لبادہ اوڑھے وہ خالی نظروں سے پھولوں کو دیکھ رہی تھی اور آنکھیں بھی چھم چھم برس رہی تھیں۔ شارح نے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔

”بہت بہت شکریہ۔“

”اس نے آہستگی سے کہا۔

”کس بات کا؟“

“For giving me a great favour”

وہ خاموش رہی۔ شارح کو احساس ہوا کہ وہ اس کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔ اسے زبان کے بدلاؤ کا نتیجہ خیال کرتے ہوئے اسے اپنی بات کی وضاحت اپنی زبان میں کی ”میرا مطلب ہے آپ کی حمایت کا، مدد کا۔“ اس نے رقت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

”میں نے نہ تو آپ کی مدد کی ہے اور نہ کوئی حمایت۔ ایک بے بس، لاچار اور بے وقعت شخص کسی کے لیے بھلا کیا کر سکتا ہے۔ وہ تو خود کسی کے رحم و کرم پہ ہوتا ہے...... پھر موت کے متمنی کو عزرائیل سے کیسا شکوہ۔ اُسے تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ اس کے لیے نجات دہندہ بن کر آیا ہے۔“

شارح کو اس کی باتوں میں یاسیت، ناامیدی، غم اور اضطراب جھلکتا نظر آیا۔ اس نے اس کی بابت استفہام کیا۔

”آپ زندگی سے بے زار کیوں ہیں؟“ ہماری زندگیاں صرف ہمارے ہی لیے نہیں بلکہ ہمارے پیاروں کے لیے بھی بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ ہمیں ان کی خاطر جینا سیکھنا چاہیے۔ زندگی جیسے بیش قیمتی سرمائے کو سنبھال کر رکھنا چاہیے۔“

”پیارے۔“ بے تاثر لہجے میں بولی۔

”ہاں، پیارے۔ میرا مطلب ہے ہمارے والدین، بہن بھائی، دوست احباب اور عزیز و اقارب۔“

اس کے آنسو تواتر بہہ رہے تھے۔ اس ٹھاٹھا مارتے سمندر کے آگے کوئی بند بھی کارگر ثابت نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے دل کی کیفیت نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی اور وہ خود کلامی کرنے لگی۔

کچھ اپنی ذات سے خفا ہیں ہم
کچھ ستم حالات نے ہم پہ ہیں کیے
جو مر چکا ہو اپنے ہی لیے
وہ کسی رشتے کی بابت کیا جانے

درد کا طوفان گو اس کے من کی دنیا کو ملیا میٹ کر رہا تھا مگر اس کا شور باہر کی دنیا نے بھی سنا۔ وہ چپ سادھے ہوئے ضرور تھی مگر اس کا چہرہ ایک ہی تاثر کا غماز تھا کہ وہ کسی درد کے ساز چھیڑے ہوئے تھا۔ کوئی روداد سنا رہی تھا۔ شارح نے دریافت کیا۔

”آپ نے کچھ کہا؟“

اس کا سر نفی میں ہلا۔ مگر اس نفی نے اسے مطمئن نہ کیا۔ اچانک اس کا سر درد سے پھٹنے لگا اور پھر ایک گہری ٹیس نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو دباتے ہوئے چیخ ماری تو نرس نے اس کا معائنہ شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر بھی وہاں آ گیا۔

☆

شارح رات کو سونے کے لیے بیڈ پر لیٹا تو اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے اس کی بھیگی آنکھیں آ گئیں۔ اس منظر نے اِسے خیالات اور سوچ کے گہرے سمندر میں غوطہ زن کر دیا۔ قیاس آرائیوں نے اس کے گرد اپنا حصار بنا لیا۔ کبھی وہ ان کا سبب درد کو قرار دیتا، تو کبھی کوئی غم اسے اس کا باعث بنتا محسوس ہوتا۔ بہر حال وجہ جو بھی تھی اس تشویش ضرور لاحق ہو گئی اور اس نے اس کی بابت جاننے کا مصمم ارادہ لیا۔ اُسے یوں سوچوں میں غرق پا کر سلمٰی نے وجہ جاننا چاہی مگر شارح نے ٹال مٹول کر دی۔

"کوئی خاص وجہ نہیں تم سو جاؤ۔"

سلمٰی نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"اب آپ بھی آرام کریں رات کافی ہو چکی ہے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر لائٹ آف کرتے ہوئے لیٹ گیا۔

☆

شارح بیگم کو پیکنگ کی تاکید کرتے ہوئے ہسپتال کے لیے گیراج میں آ گیا۔ اُسے کنسرٹ کے سلسلے میں چند دنوں کے لیے بیرون ملک روانہ ہونا تھا اس لیے وہ جانے سے قبل زخمی لڑکی سے مل کر اس کے بارے جاننا چاہتا تھا تا کہ اُسے اس کے گھر پہنچا کر وہ اس فرض سے بری ذمہ ہو پائے۔ اب تک اسے یہ سب پوچھنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ شارح جب اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بہت بہتر لگ رہی تھی البتہ آنسوؤں کی برسات اُسی طرح جاری تھی۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد اس نے گھر کا اتہ پتہ پوچھا تو وہ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ہو۔

"کوئی فون نمبر......"

اس کے بار بار کے سوال پر اس کے ہونٹوں نے خاموشی کا تالا توڑا۔

"میں...... میں اکیلی ہوں۔ اس بھری دنیا میں، پرہجوم، ہنستی، گنگناتی دنیا میں اکیلی یا شاید میں کھو گئی ہوں۔ ایک امید کے ٹوٹتے ہی سب ختم ہو گیا سب ہاتھ چھوٹ گے۔ میں ٹوٹ کر بکھر گئی جانے کہاں جا گری، جانے سب کہاں رہ گے۔ مجھے کچھ یاد نہیں شائد کسی کو میری کرچیاں بھی سمیٹنے کا موقعہ نہ ملے۔" شارح کو اندازہ ضرور تھا مگر یقین نہ تھا اس حیرت انگیز انکشاف نے اسے حزن و ملال کی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ اب وہ ہچکیاں اور سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ شارح نے تنبیہ کی۔

"آپ روئیں مت۔"

اس نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھ سے کچھ مت پوچھیں، میرا دل"

وہ خاموش ہو گئی جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو۔ شارح نے خود بھی مزید پوچھ گچھ کو ذہن سے نکال دیا۔

☆

یہ صورت حال جہاں شارح کے لیے پریشان کن تھی وہاں اس کے اہل خانہ کے لیے بھی استعجاب کا باعث تھی۔ اب وہ ان کی ذمہ داری تھی۔ اس کی آئندہ کی زندگی کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینا اب ان کا فرض بن گیا تھا۔ میمونہ بیگم نے بیٹے کو کہا۔

"She has done a lot for you. Now, it time to return".

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ سلمٰی نے موضوع بدلنے کو پیکنگ پر نظر ڈالنے کا کہا تو میمونہ بیگم نے بیٹے سے واپسی کے بارے پوچھنا شروع کر دیا۔ وہ ابھی خود بھی نہ جانتا تھا مگر ماں کو اندازاً دس پندرہ دنوں کا کہہ دیا۔ شارح پہلی بار ملک سے باہر نہ جا رہا تھا مگر میمونہ بیگم آج بھی بیٹے کے بارے اتنی ہی فکر مند نظر آتی تھیں جتنی وہ اس کے پہلے سفر کے بارے میں تھیں۔ ساس کی توجہ اس دور اندیشی سے ہٹانے کو سلمٰی نے چائے کی بابت پوچھا اور آمادگی دیکھتے ہوئے کچن میں چائے کا کہنے چلی آئیں۔ بہو کے جاتے ہی ایک بار پھر میمونہ بیگم نے اسے اپنی کوتاہی کا ازالہ کرنے کی تاکید کی۔

☆

ہسپتال پہنچ کر شارح کو نئی خبر ملی۔ ڈاکٹر نے زخمی کو ڈسچارج کر دیا۔ کیونکہ اب وہ بہت بہتر تھی اور گھر جانے کے قابل بھی ہو چکی تھی۔ شارح کا خیال تھا کہ وہ ایک دو روز میں اس کے لیے کسی اچھے سے دارالامان میں رہائش کا بندوبست کر لے گا پھر اُسے وہاں شفٹ کروا دیا جائے گا۔ مگر اُسے اچانک کنسرٹ کے لیے بیرون ملک جانا پڑ رہا تھا اب اتنی جلدی اس کے لیے یہ سب کرنا ممکن نہ تھا۔ پھر یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس بھری دنیا میں اکیلی ہیں اُسے یوں بے سرو سامانی کی حالت میں چھوڑنا، اخلاقی اور انسانی لحاظ سے نازیبا سی حرکت تھی۔ اس وقت جو حل اس کے دل و دماغ میں آیا وہ اُسے گھر لے جانے کا تھا۔ چند دن وہاں رہنے کے بعد وہ واپسی پر اس کی رہائش کا بندوبست کر سکتا تھا۔

شارح نے اسے ساتھ چلنے کا کہا تو وہ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لی۔ سارے

راستے وہ خاموش بت بنی بیٹھی رہی۔ شارح نے خود بھی اس سے کوئی بات کرنے کی جسارت نہ کی۔ اس کا وجود تو گاڑی میں تھا مگر ذہن کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا تبھی تو جب وہ گھر میں داخل ہو گئے اور شارح نے گاڑی سے اُترتے ہوئے اسے منزل کے آجانے کی اطلاع سنائی تو وہ چونک گئی۔ گردوپیش پر نگاہ دوڑائی تو گاڑی ایک خوبصورت گیراج میں کھڑی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے خالی خالی نظروں سے نامانوس ماحول کو دیکھا۔ شارح نے چلتے ہوئے اُسے اطلاع دی۔

''چند روز آپ کو یہیں رہنا ہوگا۔''

وہ ایک ادنیٰ غلام کی طرح سر جھکائے اس کے قدموں کی پیروی کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئی اجنبیت کے احساس نے گیراج سے ڈرائنگ روم تک کے سفر کو بھی اس کے لیے طویل مسافت بنا دیا اسے اپنے پاؤں من من کے محسوس ہوئے تھے۔ ہر قدم لڑکھڑاتے ہوئے آگے اُٹھتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں آکر شارح رُک گیا۔ اس کے قدم بھی جم گئے۔ اِسی اثنا میں ملازمہ وہاں آگئی شارح نے اسے گیسٹ روم صاف کرنے کا کہا پھر اُسے وہاں بیٹھنے کا کہہ کر خود کمرے میں چلا آیا۔

وہ ڈرے سہمے اجنبی کی طرح صوفے پر لپٹی بیٹھی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی شارح نے سلمٰی کو مہمان کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور خود ائیر پورٹ کے لیے نکلنے کی غرض سے چینج کرنے چلا آیا۔ جوں ہی وہ ڈریس اپ ہو کے نکلا سلمٰی نے مہمان کی بابت پوچھا۔

''وہی زخمی لڑکی ہے۔ میری واپسی تک یہیں رہے گی جوں ہی میں لوٹوں گا اس کی رہائش کا بندوبست ہو جائے گا۔ فی الحال میرے لیے یہ ناممکن تھا...... وہ ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں لہٰذا ڈرائیور سے کہہ دینا کہ وہ اسے ایک دو روز ہسپتال لے جائے۔''

''کیا امی جانتی ہیں؟''

شارح کا جواب نفی میں تھا۔ اسے خود بھی علم نہ تھا کہ وہ اسے گھر لے آئے گا مگر سب اتنا آناً فاناً ہوا کہ وہ بتا نہ سکا۔ مگر اس نے تلقین کر دی کہ وہ ماں کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دے۔ اس کے بعد یقیناً انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جب وہ ائیر پورٹ کے لیے نکلنے لگا تو میمونہ بیگم آگئیں مگر اس کی اس موضوع پر ماں سے کوئی بات چیت نہ ہوئی۔ ملازمہ اسے گیسٹ روم تک لے آئی۔ وہ کھڑکی کا پردہ ہٹائے جاتے ہوئے محسن کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی روانگی اس کے لیے کئی قسم کے خدشات کو جنم دے رہی تھی۔ کئی سوالات ذہن میں اُبھر آئے تھے۔ جانے وہ کب آئے؟ اس کی غیر موجودگی میں وہ اس کے اہلِ خانہ کو کیا جواب دے گی؟ وہ کون ہے؟

کہاں سے آئی ہے۔؟ یہاں کیا کر رہی ہے؟ وہ انہی سوچوں میں گم کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی کہ معاً سلمٰی وہاں آگئیں۔

''اچھا تو وہ آپ ہیں؟''

اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا تو عقب میں سلمٰی کو کھڑا دیکھ کر اس کی نظریں اُسی پر جم گئیں۔ سلمٰی کو اس کی نظروں میں اپنے لیے استعجاب نظر آیا مگر اس نے فوراً انہیں جھکا لیا مبادا کہ وہ ان کو پڑھ لیتیں۔ اسے ورطہ حیرت میں ڈوبا دیکھتے ہوئے اس نے ثانیاً کا سلسلہ گفتگو چھیڑا۔

''اچھا تو وہ تم ہو...... کیا نام ہے تمہارا؟''

سلمٰی نے سرتاپاؤں اس کا مشاہدہ کیا سادہ لباس میں ملبوس سر کو دوپٹے سے ڈھانپے وہ اسے کسی متوسط طبقے کی لڑکی لگی تھی مگر اس کی سفید رنگت، ستواں ناک، بے داغ چہرہ، اور سمندر جیسی گہری متورم سرخ آنکھیں اس تاثر کی نفی کر رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ وہ روتی رہی تھی۔ سلمٰی کے سوال کا کوئی جواب نہ آیا تو اس نے ایک بار پھر سوال دوہرایا۔ چند ثانیے کے توقف کے بعد اس کے ہونٹوں نے جنبش لی۔

''جی میرا نام زینب ہے۔''

گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اس نے اگلا سوال پوچھ ڈالا۔

''زخموں کا کیا حال ہے؟''

''زخم...... زخم تو وقت کے ساتھ مندمل ہوتے ہیں میرے بھی وقت کے رحم و کرم پر ہیں۔ فی الحال ہرے ہیں۔''

اسے یوں کھڑا پا کر سلمٰی نے اسے بیٹھنے کا کہا بلکہ اسے آرام کرنے کی تاکید کی اور خود کھانا بھجوانے کا کہہ کر وہاں سے چلی آئیں۔ زینب خود کو تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی طبیعت بوجھل تھی اس لیے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کی جانب بڑھی اور پھر پشت سے ٹیک لگا کر ستانے لگی۔
سلمٰی کو گیسٹ روم سے نکلتے دیکھا تو میمونہ بیگم کو اشتیاق ہوا۔

''کیا کوئی مہمان آیا ہے؟''

''جی امی زینب ہے میرا مطلب زخمی لڑکی آئی ہے۔''

وہ ششدر رہ گئیں مگر ساری صورت حال جاننے کے بعد ریلیکس بھی ہوگئیں۔ زینب آنکھیں بند کیے لیٹی تھی جو اس بات کا تاثر دے رہی تھیں کہ وہ سو رہی تھی مگر اس کا ذہن بیدار تھا جو سوچوں کے سمندر میں موجزن تھا اس سمندر سے اٹھتی لہریں ہر بار جب اس کے ذہن سے

ٹکراتیں تو پانی کا ریلا آنسو بن کر اس کے گالوں پر بہنے لگتا۔ یہ ریلا رخسار نم کرنے کے بعد تکیے کی جانب رخ کرتا اور اس کی نمی اِسے بھگو دیتی۔ ہر قطرہ کئی وہم و گمان کی شکل اختیار کر لیتا۔ وہ خاموش زبان میں سراپا سوال تھا۔ زینب تو شاید خود بھی اس سب کو خود سے چھپانا چاہتی تھی۔ تبھی تو کھلی آنکھوں سے اس ریلے کے بہنے کا منظر دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھی۔ خوبصورت اور دلکش صورت شائد اسی برسات میں بھیگتی رہتی جو دروازہ نوک نہ ہوتا۔ دستک نے ہاتھوں کو جنبش دی اور وہ خود بخود گالوں پر رینگتے ان قطروں کو پونچھنے لگے۔ دستک دوبارہ ہوئی اجازت پاتے ہی ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

اس کے ہاتھوں میں کھانے کا ٹرے دیکھ کر نظر سامنے لگے کلاک پر پڑی جو اس وقت نو بجا رہا تھا۔ وہ تو گمان بھی نہ کر سکتی تھی کہ پچھلے دو گھنٹے یہ برسات برستی رہی ہوگی۔ وقت کی لہر بھی اس کے آنسوؤں کے دریا میں بہہ گئی تھی۔ مگر اس کے اثرات ضرور باقی تھے۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ ملازمہ نے ایک مشکوک نظر ان پہ ڈالی اور پھر کہنے لگی۔

''بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں اگر کچھ اور چاہیے ہو تو بتا دیں۔''

زینب نے تشکرانہ لہجے میں انکار کر دیا۔ اس کے جاتے ہی زینب اُسی حالت میں چلی آئی۔ اشکوں کی رم جھم جاری تھی مگر لب اب بھی خاموش تھے یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان پر پہرے دار بیٹھا رکھے ہوں۔ اور بولنے کی ممانت کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کی دھمکی بھی دے رکھی ہو۔ رات گئے تک وہ اس سمندر میں غوطہ زن رہیں اور پھر نیند نے اسے آغوش میں لے لیا۔ اس کے بھیگے وجود اور ٹھٹھرتے تن کو صرف نیند کی گود ہی پناہ و راحت بخش سکتی تھی۔ اس پناہ نے اسے پرسکون کر دیا۔

☆

نیند کی وادی سے قدم باہر نکالتے ہی اِسے سورج کی کرنیں اپنے رخسار کو چومتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ بن بلائے مہمان کی طرح کسی اجازت کی محتاج نہ تھیں تبھی تو وہ اس کے کمرے میں داخل ہو کر اُسے اپنی آمد کی خبر سنا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی وہ ہی رونق تھی جو کسی مہمان کے چہرے پر آشکار ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں ملازمہ نے دروازہ نوک کیا۔ وہ ناشتہ لیے آئی تھی مگر جب رات کے کھانے کو جوں کا توں دیکھا تو پوچھا۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا؟''

زینب کی جانب سے کسی جواب کو نہ پا کر ٹرے واپس لے جانے کی اجازت چاہی

اور پھر خود ہی رات کے کھانے کی ٹرے اُٹھائے باہر چلی آئی۔

''لگتا ہے مہمان کو بھوک نہیں ستاتی۔ مجھے تو ستاتی ہے مگر اُسے کیوں نہیں۔''

اس گتھی کو سلجھاتا نہ پا کر وہ چلی آئی۔ سورج کی کرنیں بار بار اُسے اُٹھنے کی ترغیب دے رہی تھیں بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیے اور بیڈ سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آگئی اور پردہ ہٹائے باہر لان میں اُگے پودوں کو دیکھنے لگی۔ نظریں گھومتی گھماتی بالآخر ایک پھول کے پودے کے گرد طواف کرنے لگیں۔ کافی دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی اور پھر جب تھک گئی تو واپس پلٹ آئی، اور ناشتے کی ٹرے کو سامنے رکھے بے حس و حرکت بیٹھ گئی۔

☆

فروہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے دیوار پر نظریں گاڑھے اندھیروں میں معلق تھیں۔ اس کے کمرے میں مہیب سناٹا اپنا ڈیرا ڈالے بیٹھا تھا۔ سرسراتی خاموشی اور وحشت ناک تنہائی نے اس کے گرد دائرہ تنگ کر دیا تھا مگر وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے بے بہرہ تھی۔ اِدھر مرتضٰی صاحب اور فضیلت بیگم ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے بیٹی کی آمد کے منتظر تھے۔ مگر فروہ بے خبر تھی اُسے والدین کے ملول، رنجیدہ اور غمزدہ چہرے دیکھائی ہی نہ دے رہے تھے۔ کیونکہ اس کے ذہن و خیال میں کوئی اور صورت اپنا مسکن بنائے بیٹھی تھی۔ فضیلت بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو اس نے بیٹی کو پکارا مگر ہر آواز اس کے کانوں کو چھو کر گزر جاتی تھی کوئی بھی اس کے گوش گزار نہ ہوئی۔ اس بات پر وہ دل گرفتہ ہو کر رہ گئیں۔ پھر تڑخ کے بولی۔

''زندگی پہلے کیا کم تلخ تھی جو باقی اس نے اجیرن بنا دی ہے۔ جانے وقت کس جرم کی سزا دے رہا ہے۔ جانے ہم سے کیا غلطی سرزد ہوگی کہ رب تعالٰی نے ہمیں ایسے حالات سے دوچار کر دیا ہے۔ ہم تو اب طوفانی لہروں کی دوش پر سفر کر رہے ہیں۔''

بات کرتے کرتے فضیلت بیگم مغموم ہو گئیں اور پھر سوالیہ نظروں سے شوہر کی جانب دیکھنے لگیں۔ مرتضٰی صاحب جو اخبار بینی میں مگن تھے بیگم کے الفاظ سن کر دل گرفتہ ہو کر رہ گئے مگر اپنے حزن کو عیاں نہ ہونے دیا۔ اخبار ایک جانب رکھتے ہوئے بیگم کی ڈھارس بندھائی۔

''آپ ہمت سے کام لیں۔ حوصلہ پست کرنے سے کسی بھی مشکل کا حل نہیں نکلتا اور نہ ہی رنج و الم میں کوئی فرق آتا ہے۔ بلکہ یہ بات تو ہمیں مزید دکھوں کے رحم و کرم پر ڈال دیتی ہے...... اس بات کو ذہن نشین کر لیں یہ مشکلیں پریشانیاں اور دکھ تو انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔ جب تک ہم زندہ رہتے ہیں یہ سائے کی طرح ہمارے ساتھ چلتے ہیں اس سے نجات صرف

موت ہی دلاسکتی ہے...... پھر اللہ اپنے بندوں کو آزماتا بھی ہے تا کہ دیکھ سکے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون بھٹک جاتا ہے اس کی آزمائش میں صابر لوگوں کے لیے انعامات ہوتے ہیں۔ کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنتی ہے۔ ہمارے پاس جو مال دولت، اولاد ہے وہ اسی باری تعالیٰ کی ہی تو عطا کردہ ہے۔ اگر وہ اپنے بندے سے اپنی امانت واپس لیتا ہے تو بندے کو شکوہ و شکایت نہیں کرنا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے......صبر اور صرف صبر۔"

"آپ نے بجا فرمایا مگر میں ہمت، حوصلہ اور صبر کہاں سے لاؤں؟"

مرتضیٰ صاحب کو علم تھا کہ بیگم ہمت ہارتی جا رہی تھیں مگر اس بات کا احساس دلانا اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کیونکہ احساس کسی بھی کیفیت کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

"بیگم اگر ہم ہمت ہاریں گے تو فروہ بیٹی کو اُداسیوں کے عمیق سائے سے کون نکالے گا۔ یہ سچ ہے کہ ہم کمزور اعصاب کے مالک ہیں بلکہ ہم کیا سبھی انسان مگر باہمت وہی کہلاتا ہے جو اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے اس سے نبرد آزما ہو اور یہ احساس ذمہ داری ہی انہیں مضبوط اعصاب کا کہلواتی ہے......ہمیں بھی اپنے فرائض کی بجا آوری کرنی ہے، احسن طریق سے۔"

"مگر فروہ کی حالت میرے حوصلوں کو ڈگمگا دیتی ہے میری ہمت دم توڑنے لگتی ہے۔"

مرتضیٰ صاحب نے بیگم کو اس حزن و غم سے نکالنے کے لیے کئی دلائل دیے پھر جیسے اُنہیں اپنے اندر ایک تبدیلی رونما ہوتی محسوس ہوئی۔ اُسے احساس ہوا کہ اب بیٹی کی زندگی کی خاطر اسے بھی شوہر کی طرح اپنے جذبات پر قابو پانا ہوگا چہرے پر چھائے کالے بادلوں کو چھٹنا ہوگا۔ بیٹی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کو خود مسکرانا ہوگا۔ اُن سب کو رب کی رضا پر راضی ہونا ہی پڑے گا بادل نخواستہ یا مسکراتے ہوئے۔ فضیلت بیگم نے شوہر سے عہد کیا کہ وہ یہ سب کرنے کی سعی کریں گی۔ بیوی کی تسلی و تشفی اور دل جوئی کے بعد وہ بیٹی کے پاس چلے آئے۔ کمرے میں داخلے سے قبل مرتضیٰ صاحب نے اپنے تاسف کے تاثرات کو زائل کیا تمام ہمتیں جمع کیں اور نوک کرتے اندر داخل ہو گئے۔

فروہ باپ کی آمد سے بے خبر تھی اس کے قریب براجمان ہوتے ہوئے مرتضیٰ نے ہونٹوں کو جنبش دی۔

"بیٹی اپنا روئے انور اس جانب موڑو۔"

وہ چونک گئی اور پھر باپ کی جانب متوجہ ہوئی۔ مرتضیٰ صاحب کے لہجے میں رسانیت تھی۔

"فروہ بیٹی اپنی بھوک کا نہیں تو کم از کم ہم بوڑھوں کا ہی خیال کر لو۔ رات بھی ہم

بوڑھے بیٹی کی وجہ سے بھوکے سو گئے مگر اب تو ہمت جواب دے گئی ہے۔"

"ابو آپ لوگ ناشتہ کر لیں مجھے فی الحال بھوک نہیں......"

"چلو شاباش اُٹھو جلدی کرو آج میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گا...... بیٹی پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور اگر ان کا علاج نہ کیا تو یہ طوفان برپا کر دینگے۔ عین ممکن ہے پیٹ کی بل سے باہر نکل آئیں۔ اگر ایسا ہوا تو سارے گھر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور میں تو ابھی سے ہر طرح کی مدد سے معذرت کرتا ہوں......سوچ لو اکیلی سب کرنا بہت دشوار ہوگا۔"

مرتضیٰ صاحب مسکرانے لگے تو فروہ کے چہرہ بھی کھل اُٹھا۔ اس کا متبسم چہرہ والد کے الفاظ کی کرامات تھا پھر دونوں باپ بیٹی ناشتے کی میز پر آ گے۔ فروہ چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے بیٹھ گئی۔ ایک دو بار والدین کے کہنے پر ایک سلائس بھی لے لیا۔ اور پھر جب اُس نے اُٹھ کر جانا چاہا تو فضیلت بیگم نے چند ساعتوں کو رکنے کا کہا مگر مرتضیٰ صاحب کا خیال تھا کہ فی الحال اتنی تبدیلی ہی کافی تھی مزید نصیحت یا بات چیت اشتعال انگیزی کا سبب بن سکتی تھی۔

☆

زینب ناشتے کی ٹرے سامنے رکھے گم سم بیٹھی تھی۔ ملازمہ نے اُسے ہسپتال چلنے کا کہا۔ اس کے جاتے ہی زینب نے ہلکا سا ناشتہ کیا اور پھر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ زینب کو یہاں پا کر ملازمہ اُسے لیے پورچ میں آ گئی ڈرائیور پہلے ہی منتظر کھڑا تھا اُن کے آتے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا زینب چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ہسپتال میں ڈاکٹر نے زینب کا معائنہ کیا اور پھر کچھ دوائیاں لکھ دیں اور کل دوبارہ آنے کی تاکید کی وہ تو کچھ نہ بولی البتہ ڈرائیور نے "جی اچھا" ضرور کہا۔ ہسپتال سے واپسی پر اُس نے ایک بار پھر خود کو کمرے میں قید کر لیا۔ اس کی طبیعت ناساز تھی اس لیے سیدھا بیڈ پر آ گئی۔ آنکھیں بند کرتے ہی رم جھم شروع ہو گئی۔ ان میں زخموں کی ٹیسیں کم اور دل کا درد زیادہ تھا۔ وہ ایک اُداس زخمی اور تنہا پنچھی کی طرح گری ہوئی تھی۔ اس برسات میں اس کے دل کا درد بھی برس رہا تھا۔ صرف یہ سوچ اُسے تسلی دیے ہوئے تھی کہ اردگرد کوئی ایسا نہیں جو اُسے اس حالت میں دیکھ رہا ہوگا۔

میمونہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پلک جھپکتے ہی سارا موسم بدل گیا۔ اب نہ تو اس کا چہرہ اُداس تھا اور نہ اشکوں کی لڑیاں ہی جاری تھیں۔ اُنہیں دیکھتے ہی وہ تعظیماً اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی اور اسی کے پیش نظر میمونہ بیگم نے اسے لیٹنے کا اشارہ کیا مگر اسے ایسا کرنا نا مناسب لگ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے خاموشی سے میمونہ بیگم کی باتیں سنتی

رہیں اور جہاں اشد ضروری ہوتا ہنکارا بھرتی یا نفی میں جواب دے دیتی۔ یوں ہی وہ صوفے سے اُٹھیں اور دروازے کے قریب آ کر دوبارہ رُک گئیں۔

''زینب تم کل ڈرائیور کے ساتھ ہسپتال چلی جانا اور جب تک ڈاکٹر کہے علاج جاری رکھنا۔''

زینب نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر اس کے جاتے ہی دوبارہ لیٹ گئی۔

☆

ہر چند کہ فروہ نے پچھلے دو ماہ سے خود کو کمرے نما سلاخوں میں محصور کر رکھا تھا مگر اب وہ اکثر و بیشتر اس زندان سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لینے لگی۔ گو اب وہ پہلی والی فروہ نہ تھی نہ وہ لڑتی نہ جھگڑتی اور نہ ہی اس کا لہجہ کھنک دار تھا اور نہ ہی اب اُسے کسی چیز میں دلچسپی رہی تھی۔ اس گھر میں ایک مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ فروہ جسے ہر وقت کچھ کر گزرنے کا جنوں سوار رہتا اور جو ایک لمحے کو بھی سکون سے نہ بیٹھتی اب ہمہ وقت خاموشی کے سنگ سفر کرنے لگی تھیں۔ فضیلت بیگم کی اب یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اس کی تتلی پھر سے رقص کرتی نظر آئے۔ اس کے آنگن میں قہقہے گونجیں۔ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق، لڑائی جھگڑا اور ناراضگی پھر سے لوٹ آئے۔ مگر یہ مہمان روٹھ گئے تھے اور اس کی منت سماجت بھی ان کی واپسی نہ لا سکی۔ اس کی تمنا اب بھولی بسری یاد بن گئی تھی جو اب کبھی بھی اپنے پہلے جیسے وجود میں نہ آ سکتی تھی۔ اس کا وجود ہر گزرتے دن کے ساتھ منوں مٹی تلے دبتا جا رہا تھا۔ اور اب تو اسے اپنی تمنا آخری سانسیں لیتی محسوس ہو رہی تھی۔

پچھلے دو ماہ میں جو بھی فروہ سے ملنے آیا وہ ان سے اس قدر بے رخی اور بے مروتی سے ملی کہ انہوں نے پلٹ کر اُسے دیکھنے کی جسارت ہی نہ کی۔ اس کی انہی باتوں اور حرکات کی وجہ سے اب وہ بالکل تنہا رہ گئے تھے۔ والدین بیٹی کے رویے پر شرمسار ہوتے مگر وہ اپنے کسی بھی سلوک پر نہ تو پشیمان تھی اور نہ ہی ملال محسوس کرتی۔ کسی کی بھی ناراضگی اب اس کے لیے معنی نہ رکھتی اس کے لیے دنیا ختم ہو چکی تھی اور اس کا نظریہ تھا کہ مرے ہوئے لوگ اور اجڑی ہوئی دنیا جذبوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ زندگی کی لذت، چاشنی اور جذبوں کی قدر و قیمت اپنی وقعت کھو دیتی ہے۔

اسے اب اگر کسی کی ذرہ برابر پرواہ تھی تو وہ اس کے والدین تھے۔ اب وہ اس کی دنیا کے آب و گل تھے۔ اس کی ذات کا پہیہ انہی کے گرد گھومتا تھا اور یہ احساس بھی مرتضیٰ صاحب کی جہد مسلسل کا ثمر تھا۔ ورنہ تو وہ یہ بھی فراموش کر چکی تھی انہوں نے اسے اپنے وجود کا احساس دلایا

تھا۔ فضیلت بیگم تو خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ چکی تھیں مگر مرتضیٰ صاحب تک و دو میں لگے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے درد کو بھولا کر بیٹی کو توجہ دی۔ فروہ کا تلخ لہجہ، ناروا سلوک اور ہتک آمیز رویہ بھی انہیں اس جدوجہد سے باز نہ رکھ سکا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ خاموش ہوتی گئی اور اسی خاموشی میں اس نے والدین کے بارے سوچا اور اب وہ انہی کی خوشی کی خاطر زندان سے قدم نکال کر کھلی فضا میں سانس لینے لگی تھی۔ چند لمحے والدین کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ پہلے ڈائننگ روم اور پھر لان تک آ گئی تھی۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی اور اب وہ یہ امید باندھے بیٹھے تھے کہ وہ جلد ان کی بات سننے کی اہل ہو جائے گی۔ اور اس امید کی موہوم سی کرن مرتضیٰ صاحب کو اس وقت نظر آئی جب اس نے بیٹی کو لان میں ٹہلتے دیکھا۔ کچن میں چائے بناتی بیگم سے کہنے لگے۔

''میں نہ کہتا تھا ہماری بیٹی اچھی ہو جائے گی...... اب انشاءاللہ وہ ہماری ہر بات بھی مانے گی۔''

''انشاءاللہ''

فضیلت بیگم نے شوہر کی بات کی تائید کی۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ ہمت سے کام نہ لیتے تو شاید ایک بار پھر اُنہیں بہت بڑے غم سے دوچار ہونا پڑتا جس کے اب وہ متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ اِدھر مرتضیٰ صاحب کا خیال تھا کہ وہ باہمت نہیں بلکہ انہوں نے تو ایسا بننے کا ڈرامہ کیا تھا مگر یہ الگ بات تھی کہ وہ کامیاب و کامران رہے۔ رب تعالیٰ کے فضل و کرم اور نظر عنایت کا سوچ کر مرتضیٰ صاحب کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ کر فضیلت بیگم نے کہا۔

''ارے یہ کیا آپ کی آنکھوں میں آنسو''

مرتضیٰ صاحب نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور بیگم کی توجہ چائے کی جانب دلائی جو اس وقت کیتلی سے باہر نکل رہی تھی۔

☆

فروہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی بیڈ پر بیٹھی ہاتھ میں میگزین پکڑے وہ ورق گردانی کرنے لگی اسی لمحے دروازہ نوک ہوا تو اس نے بغیر سوال کیے ''ابو آجائیں''۔ کہا کمرے میں داخل ہوتے ہی مرتضیٰ صاحب نے اچنبھے سے کہا۔

''ہماری بیٹی کو کیونکر خبر ہو گی کہ دروازے پر ہم ہیں۔''

فروہ کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

''ابو آپ کے اور امی کے سوا یہاں کون ہے۔امی تو یہاں کا راستہ ہی بھول گئیں ہیں بس آپ ہی ہیں جو میری خبر گیری کو آجاتے ہیں۔''

فضا افسردہ محسوس کرتے ہوئے مرتضٰی صاحب نے موضوع بدل ڈالا۔

''اچھا تو میگزین کا مطالعہ کیا جا رہا ہے......''

''مطالعہ تو نہیں بس سرسری سی نظر ڈال رہی ہوں۔آپ تو جانتے ہیں اب میرا مطالعے کا موڈ نہیں بنتا بلکہ کسی بھی کام کو جی نہیں چاہتا بس خاموش اور تنہا بیٹھنا پسند ہے۔''

''بیٹی موڈ بنتا نہیں بنانا پڑتا ہے......''

فروہ نے متحیر نگاؤں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ابو میں سمجھی نہیں۔''

مرتضٰی صاحب کو اس کمرے کا ماحول سازگار نہیں لگ رہا تھا۔اس گتھی کو سلجھانے کے لیے یہ وقت بھی نامناسب تھا۔اس لیے بیٹی کو آؤٹنگ کی پیش کش کی مگر اس نے ایک بار پھر موڈ کا بہانہ بنا دیا اور اس پیش کش کو ملتوی کرنا چاہا مگر مرتضٰی صاحب کا خیال تھا کہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس طرح اس کے پرسوں پر ملتوی ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔اور پھر جب کام آؤٹنگ کا ہو تو اس کو ٹھکرانا حماقت کے متبادل ہوتا ہے۔آج کا کام سیر کرنا اور آئس کریم کھانا تھا اور اگر اب بھی موڈ نہ بنے تو ایسے موڈ کو گولی مار دینا چاہیے۔

آخر کار وہ قائل ہو گئی۔جاتے جاتے فروہ نے ماں کو ساتھ چلنے کا کہا مگر وہ رضامند نہ تھیں۔اس لیے معذرت کر لی۔

شہر بھر کی سیر و سیاحت کے بعد وہ آئس کریم لیے ریس کورس چلے آئے۔پر ہجوم ماحول فروہ کے لیے کوفت کا باعث بن رہا تھا مگر باپ کی خواہش کے پیش نظر اس نے ان تاثرات کو عیاں نہ ہونے دیا۔مگر دبے دبے لفظوں میں گھر چلنے کی خواہش کا اظہار ضرور کر دیا۔مرتضٰی صاحب بھی بیٹی کے دل کا حال جان گئے تھے مگر انجان بنے رہے۔واک کرتے ہوئے مرتضٰی صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''بیٹی زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت اور اس سے منہ موڑنا ناشکری......تمہارا دکھ ہمارے یعنی میرے اور تمہاری ماں سے بڑا نہیں آخر کار ہم والدین ہیں۔اگر ہم خود کو تمہاری خاطر زندہ رکھ سکتے ہیں تو تم بھی کم از کم بہادر بننے کی اداکاری تو کر ہی سکتی ہو......بیٹی موت کی تمنا یا دعا سے موت خریدی نہیں جاسکتی۔اس کا ایک دن مقرر ہے اور وہ اس دن آئے گی اور اپنے

ساتھی کو ہمراہ لے جائے گی۔اس دن کا سورج پہلے طلوع نہیں ہو سکتا۔زندگی نعمت ہے اس کو گزارو نہ کہ زحمت سمجھو۔یہ بات ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔''

باپ کی جملوں کے سحر نے اس کو اپنے حصار میں لے لیا۔اور وہ بڑی محو ہو کر سننے لگی۔

''زندگی کو گزارنا نہیں جینا چاہیے اور جینے کا مطلب ہے خوش رہنا۔اپنی مرضی و منشا کو عملی جامہ پہناؤ اس بات سے قطع نظر کے دوسرے آپ سے کیا کروانا چاہتے ہیں......خالی ذہن شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے اور تمہیں اسے ایسا بننے سے روکنا ہے۔''

والد کی باتوں کا اس پہ ایسا اثر ہوا کہ اس نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی حامی بھر لی۔

☆

مرتضٰی صاحب اور فضیلت بیگم بیٹی کے لیے پلاننگ کرنے لگے۔کبھی ٹیچنگ کا شعبہ منتخب کرتے تو کبھی سائیکالوجسٹ بنانے کا خیال ان کے ذہنوں میں اُمڈتا۔فروہ ایم۔ایس۔سی سائیکالوجی کے بعد ڈی۔سی۔پی کا ڈپلومہ مکمل کر چکی تھی۔میو ہسپتال اور گنگارام میں سائیکالوجسٹ کے طور پر ایک ایک سال کام کرنے کا تجربہ بھی تھا انہیں اس ڈیپارٹمنٹ میں بیٹی کا روشن مستقبل دیکھائی دیتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے خیالات اور سوچ بچار کو اپنی ذات تک محدود کیے ہوئے تھے وہ بیٹی کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد کر کے اس کی رائے کے منتظر تھے۔فروہ کو نہ تو ٹیچنگ میں دلچسپی تھی اور نہ ہی اب سائیکالوجسٹ بننا۔اس کا خواب رہا تھا کئی دنوں سے وہ اس مسئلے کے بارے سوچ رہی تھی مگر فی الحال کسی بھی حتمی فیصلے پر نہ پہنچ پائی تھی۔کمرے میں بیٹھی وہ میگزین ہاتھ میں لیے ورق گردانی کر رہی تھی کہ اس کی نظر سے ایک ڈزائینر کے ڈریس کا فوٹو شوٹ گزرا اُسے دیکھتے ہی وہ رُک گئی۔اور پھر اسے لیے ٹی۔وی لاونج میں آگئی۔آج اس کے چہرے پر ایک رمق تھی امید تھی اُسے یوں ہشاش بشاش دیکھتے ہی والدین جھوم اُٹھے۔اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے اپنی توجہ اس کی سمت مبذول کرتے ہوئے فضیلت بیگم نے کہا۔

''لگتا ہے ہماری بیٹی کو کوئی بڑی خوشی مل گی ہے۔''

مرتضٰی صاحب نے بیگم کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہی خوشی جو مسافر کو منزل پر پہنچ کر اور پنچھی کو اڑان مکمل کرنے پر ملتی ہے۔''

مگر انہوں نے چند ہی ثانیوں میں اس مسکراتے چہرے، چمکتی آنکھوں اور امید کی جگمگاتی قندیل کو فق ہوتے دیکھا وہ اس تغیر پر حیران رہ گے۔سبب پوچھا تو فروہ نے انکار کر دیا

مگر پھر والدین کے بے حد اصرار پر کہا۔

''ڈریس ڈیزائننگ کا کورس آخر کب کام آئے گا یہ ہی سوچ کر۔

میں ڈیزائنر بننا چاہتی ہوں بوتیک کھولنے کا ارادہ کیا ہے مگر سرمائے کی سوچ کر خاموش ہوں۔ میں یہ نہیں کر سکتی مگر جانے کیوں خیال آ گیا۔''

وہ میگزین اُٹھائے دوبارہ کمرے کی جانب گئی۔ ایک لمحے کو وہ بھی پریشان ہو گئے انہیں اپنی پلاننگ کی فکر نہ تھی بلکہ وہ بھی بیٹی کی طرح سرمائے کی بابت پریشان تھے۔ فضیلت بیگم نے کمرے کی جانب جاتی بیٹی کو روکا اور اپنے پاس بیٹھا کر رسانیت بھرے لہجے میں کہا۔

''بیٹی پریشان مت ہو میرے پاس اس کا حل ہے تمہارے ابو پلاٹ بیچ دینگے۔''

دونوں باپ بیٹی چونک گئے۔ فضیلت بیگم کا خیال درست تھا مگر ان کا دھیان اس جانب گیا ہی نہ تھا۔

''تمہارے ابو جی۔ پی فنڈ نکلوا لیں گے۔''

''مگر امی ابو جی۔ پی فنڈ نکلوا چکے ہیں۔ آپ بھول گئیں اسی رقم اور مکان کو سیل کرنے کے بعد تو ہم یہ اتنا بڑا گھر خریدنے کے قابل ہو پائے تھے۔''

''اوہ میں تو بالکل بھول گئی تھی مگر خیر پلاٹ تو ہے نا وہ ہم نے تمہاری اور (وہ رکی) شادی کے لیے رکھا تھا۔ تم اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرو جب شادی کا وقت آئے گا تو اللہ کوئی اور وسیلہ بنا دے گا۔''

''امی مجھے شادی وادی نہیں کرنی، پہلے سوچ کر کیا ملا۔'' اس نے دھیرج سے کہا

''ایسے نہیں کہتے بیٹی...... اور یہ تم نے پہلے کیا سوچا تھا۔''

فروہ پہلو تہی والے انداز میں بولی!

''مگر امی وہ آپ کا کل اثاثہ ہے میں اسے اپنے تجربے کی نظر نہیں ہونے دونگی...... اگر خدانخواستہ سرمایہ ڈوب گیا تو...... نہیں میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں کچھ اور کرلوں گی۔''

مرتضٰی صاحب اب تک بالکل خاموش تھے مگر اب انہیں لگا کہ انہیں بولنا چاہیے بیٹی کو باپ کی ڈھارس کی ضرورت تھی۔ ہمت کے لیے لفظ چاہیے تھے۔

''بیٹی تجربہ کام کرنے سے آتا ہے جیسے موڈ بنانے سے بنتا ہے۔ تم سرمائے کی فکر مت کرو میں بندوبست کرتا ہوں بس اپنی تمنا پوری کرو۔ ہم نے اس پلاٹ کا کیا کرنا ہے اگر یہ بیٹی کے کام نہ آیا۔ آخر کو یہ سب تمہارا ہی تو ہے ہماری کونسی کوئی اور اولاد ہے جس کے

مستقبل کی ہمیں فکر ہو۔''

''وہ تھینکس ابو...... تھینکس امی۔'' تشکرانہ لہجے میں والدین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

مرتضٰی صاحب نے بیٹی کو گلے لگا لیا۔ مگر اُداسی کی ایک لہر ان سب کے ضرور چہروں پر پھیل گئی۔

☆

زینب اُسی طرح کھڑکی کا پردہ ہٹائے باہر لان میں اُگے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج بھی اس کی نظریں گھوم گھما کر اُسی پھول کے پودے پر جم گئیں۔ وہ اُسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی مگر چند لمحوں کے بعد اس کی آنکھوں میں حسرت کی جگہ محبت نے لے لی۔ اس کی نظروں میں اس کے لیے وہی اُنسیت محبت تھی جو ایک عاشق کی نگاہ میں محبوب کے لیے جنم لیتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں کے سامنے والا منظر دھندلانے لگا اگرچہ وہ کمرے میں کھڑی باہر کے منظر کو دیکھ رہی تھی مگر منظر کے دھندلاتے ہی اس کا دل و دماغ کہیں دور صحرا میں بھٹکنے لگا۔ صحرا کی ریتلی زمین پر اُس نے کئی میلوں کی مسافت طے کر لی۔ تھکان سے وہ چکنا چور ہو گئی تھی اسے اپنا وجود دکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سانس پھول گیا حلق اور ہونٹ پیاس کے مارے خشک ہو گئے وہ بولنا چاہ رہی تھی کسی کو مدد کے لیے پکارنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے حلق سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا۔ لفظ کانٹوں کی طرح اس کے حلق میں اٹک گئے جس کا درد اس کے لیے نا قابل برداشت ہوا تو خواہش کو دل کی قبر میں دفن کرتے ہوئے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس امید پر چلنے لگی کہ شاید کوئی نخلستان نظر آجائے جہاں وہ اپنی پیاس بجھا سکے وہ اسی امید کے سہارے اپنی منزل کی جانب گامزن تھی مگر وہ بھٹک گئی یہاں کوئی نخلستان نہ تھا یا شاید اُسے صحیح سمت کا علم نہ ہوا یوں ہی چلتے چلتے پاؤں میں درد کی ٹیس اُٹھی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی اس کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا تھا۔ لاکھ جتن کیے مگر وہ اسے نکالنے میں ناکام رہی درد کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ بے پناہ ہمت اور حوصلے کے باوجود وہ خود پر قابو نہ پا سکی اور آنکھوں میں ساون برسنے لگا۔ اشکوں کی رم جھم میں اس کا سارا وجود جل تھل ہو گیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی کہ معاً دروازے پر دستک ہوئی۔ گو وہ وہاں موجود تھی مگر ذہنی عدم موجودگی نے اُسے یہاں سے بالکل منقطع کر دیا تھا۔

ملازمہ نے جواب موصول نہ کرتے ہوئے بغیر اجازت ہی اندر آنے کا سوچ لیا اور اندر چلی آئی۔

وہ ابھی بھی اسی پوز میں کھڑی تھی۔ ملازمہ نے آتے ہی بیگم صاحبہ کا حکم سنانا شروع کر دیا اس بات سے قطع نظر کہ آیا وہ سن بھی پائے گی یا نہیں۔

"بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں آپ ڈرائیور کے ساتھ ہسپتال چلی جائیں۔ انہوں نے ڈرائیور کو کہہ دیا ہے وہ آپ کو لے جائے گا۔ آپ جلدی سے آجائیں پورچ میں وہ آپ کا انتظار کررہا ہے۔"

وہ آئی اور چلی گئی مگر زینب اس کی آمد کی طرح اس کی روانگی سے بھی بے خبر تھی۔ یوں کھڑا رہنے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں دُکھنے لگیں نقاہت اور کمزوری کے باعث اس کا وجود کانپنے لگا تو قدم خود بخود اُٹھے اور وہ بے خیالی وخوابی کے عالم میں لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ پر آکے گر گئی۔ مگر وہ اپنے اس سارے فعل سے بے خبر تھی۔ پھر لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ڈرائیور گاڑی کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد کافی دیر سے سٹیرنگ سنبھالے بیٹھا زینب کے آنے کا منتظر تھا مگر جب اس کے آنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو تھک ہار کر خود ہی خبر گیری کو اندر چلا آیا۔

سلمٰی اس وقت میگزین کا مطالعہ کرنے میں محو تھیں صوفے کے قریب آتے ہی اس نے دھیرج سے "بیگم صاحبہ" پکارا مگر وہ اس کی موجودگی کی طرح اس کی آواز سے بھی بے نیاز تھیں جب اس نے دیکھا کہ وہ اس کی آواز نہیں سن پائیں تو والیم ذرا اونچا کیا۔ سلمٰی نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

"کیا بات ہے؟"

"بیگم صاحبہ آپ نے کہا تھا مہمان کو ہسپتال لے کر جانا ہے......"

"تو......"

"میں کافی دیر سے انتظار کررہا ہوں مگر ابھی تک وہ نہیں آئیں یا شاید نازیہ نے اُنہیں اطلاع ہی نہیں دی۔"

"تم رکو میں نازیہ سے پوچھتی ہوں"

سلمٰی نے میگزین صوفے پر رکھتے ہوئے نازیہ کو آواز دی اور پھر جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچی سلمٰی نے اُسے ڈانٹنا شروع کردیا۔ نازیہ نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لیے بولنا چاہا مگر وہ اس کی بات سننے کو تیار نہ تھیں۔ بیگم صاحب کی ڈانٹ سن کر وہ خاموشی سے زینب کے کمرے میں چلی آئی۔ اسے رہ رہ کر زینب پر غصہ آرہا تھا جس کی وجہ سے آج اسے سلمٰی کی جھڑکیاں کھانا پڑی تھیں اُسے کوستے ہوئے جب وہ کمرے میں آئی تو زینب کو بیڈ پر سوتا ہوا پاکر اسے حیرت کے ساتھ خفگی بھی ہوئی وہ دل گرفتہ ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ زینب کی بند آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا جاری تھا۔ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے منہ بسور کر بولی۔

"آپ کو بیگم صاحبہ بلارہی ہیں۔ آپ جلدی سے اُن کی بات سن لیں۔"

کوئی جواب نہ پا کر اس نے اپنی بات دوہرائی مگر نتیجہ اب بھی وہی تھا۔ وہ یہ سمجھی کہ زینب سو رہی ہے لہٰذا واپس آگئی مگر سلمٰی نے اُسے ڈانٹا کہ وہ اُسے جگانے کی بجائے منہ اُٹھا کر واپس کیوں چلی آئی۔

"تمہیں اُسے جگانا چاہیے تھا ڈرائیور کو ہسپتال سے واپسی پر میرے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ پھر ہسپتال والے یہ تھوڑی انتظار کرینگے کہ کب ہمارے پاس فرصت ہوتی ہے۔ جاؤ اُسے جگاؤ......اور ہاں اُسے ساتھ لے کر آنا۔"

نازیہ اب تو اور بھی طیش میں آگئی آخر کو زینب جو اس کی تذلیل کا سبب بن رہی تھی اب اس نے ذرا تلخ لہجے میں اُسے چلنے کا کہا مگر زینب کے کانوں میں اس کا ایک بھی لفظ نہ پہنچ پایا۔ نازیہ نے ہاتھ سے اس کو جھنجھوڑا مگر وہ ساکت تھی۔ اب اس کے دل میں خفگی کی جگہ حزن و ملال نے لے لی۔ عتاب زائل ہوگیا اور وہ گھبراہٹ کے عالم میں بھاگی بھاگی ڈرائنگ روم میں آئی جہاں سلمٰی میگزین کے مطالعے میں محو تھیں۔

"بیگم صاحبہ............بیگم صاحبہ۔"

اسے یوں گھبرایا ہوا دیکھ کر سلمٰی کو تشویش ہوئی اور جب نازیہ نے زینب کی بے ہوشی کی خبر سنائی تو وہ حیرت واستعجاب بھرے لہجے میں بولی۔

"بے ہوش......مگر کیسے؟"

اس کے اس سوال کا نازیہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا زینب کے یوں اچانک بے ہوش ہونے کی خبر سن کر سب عجیب مخمصے کا شکار ہوگئے۔ سلمٰی، نازیہ اور ڈرائیور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے زینب کے کمرے میں چلے آئے۔ مگر جب سلمٰی نے زینب کی بند آنکھوں سے برستے آنسو دیکھے تو نازیہ کو ڈانٹنے لگیں کہ اس نے خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیا اچھی خاصی زینب پر بے ہوشی کا لیبل لگا کر اُسے حواس باختہ کردیا۔ سلمٰی کے لہجے میں خشونت کے تاثرات نمایاں تھے۔ نازیہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"بیگم صاحبہ زینب واقعی بے ہوش ہے میں نے خود جھنجھوڑا تھا مگر کوئی ردعمل نہ پا کر میں آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ خود انہیں بلا کر دیکھ لیں یہ کوئی جواب نہیں دینگی۔"

نازیہ پہلے ہی زینب کے بارے اپنے جذبات پر نادم اور شرمسار تھی۔ اسے اپنی سوچ پر غصہ آرہا تھا۔ اور وہ یہ جانتی تھی کہ چند ہی لمحوں بعد سلمٰی بھی اس کی طرح تاسف کا شکار ہوں گی اسی لیے تو وہ سلمٰی کو یقین دہانی کروانا چاہتی تھی کہ وہ سچ بول رہی تھی۔ اس کے اسرار پر سلمٰی نے

زینب کا نام پکارا مگر کوئی جواب نہ پا کر استعجاب بھرے لہجے میں بولی۔

’’آنسو اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ جاگ رہی ہے مگر پھر یہ ہماری بات کیوں نہیں سن پا رہی۔‘‘

’’بیگم صاحبہ میں بھی یہ ہی سمجھی تھی مگر یہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔ آپ انہیں ہسپتال لے چلیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘‘

سلمیٰ نے زینب کی نبض کا معائنہ کیا وہ بہت آہستہ چل رہی تھی۔ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ڈرائیور کو ہسپتال کے لیے گاڑی نکالنے کا کہا۔

☆

سلمیٰ نازیہ کے ہمراہ پریشانی کے عالم میں ٹہل رہی تھیں۔ یہ سوچ اس کے اوسان خطا کیے ہوئے تھی کہ اگر خدانخواستہ زینب کو کچھ ہو گیا تو وہ موردِ الزام ٹھہرائی جائیں گی۔ کیونکہ یہ سب اس کی کوتاہی کا نتیجہ تھا۔ شارح کے بے حد تاکید کرنے کے باوجود اس نے اس کی خبر گیری نہ کی۔ ایک بار سرسری حال احوال دریافت کرنے کے بعد دوبارہ یہ تک پوچھنا گوارا نہ کیا کہ آیا وہ کس حال میں ہے۔ آخر کو وہ ان کی محسن تھی اُسے اس صورت احسان کا بدلہ نہیں چکانا چاہیے تھا۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے ضروری نہیں کہ آپ کا کسی کے ساتھ خون کا رشتہ ہی ہو تو آپ اس کی خیر خبر لیں۔ بیمار کی عیادت کرنا تو ویسے ہی سنت رسول ﷺ ہے مگر وہ یہ سب بھول گئی تھیں۔

پھر اُسے یہ سوچ کر اور زیادہ شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس نے نازیہ کی بات پر بھی اعتبار نہ کیا۔ بلکہ اُسے ڈانٹ کر کہا کہ وہ زینب کو اُٹھا کر لائے اُسے یہ تک خیال نہ آیا کہ وہ کس قدر درد میں مبتلا تھی۔ اُس کی حالت دیکھتے ہوئے بھی یہ ہی گمان کیا کہ وہ سو رہی تھی۔ زینب کے آنسو اُسے اس بات کی دلیل دے رہے تھے کہ وہ سخت تکلیف میں تھی مگر کسی نے اس سے پوچھنا تک گوارا نہ کیا۔ حزن و ملال کے جذبات نے سلمیٰ کی طرح نازیہ کو بھی اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ وہ بھی مالکن کی طرح اپنے تلخ رویے لب و لہجے اور دل میں زینب کے لیے اُٹھنے والے عتاب پر پشیمان تھی۔ مگر اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’بیگم صاحبہ انشاءاللہ زینب جلد ہوش میں آجائیں گی۔‘‘

سلمیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ گھنٹوں بعد زینب کو ہوش آگیا مگر ڈاکٹر نے فی الوقت اُنہیں اس سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ مگر اس کی کیفیت کی بابت پوچھنے پر ڈاکٹر نے سلمیٰ کو بتایا۔

’’یہ کسی بہت بڑے ذہنی صدمے سے دو چار ہیں اور اس بے ہوشی کی وجہ دکھ اور صدمے کے علاوہ کثرت گریہ بھی ہے۔‘‘

ڈاکٹر نے اس کا سبب جاننا چاہا مگر سلمیٰ وثوق سے کچھ نہ کہہ سکتی تھیں کیونکہ ابھی وہ اس کے بارے میں زیادہ نہ جانتی تھیں۔ زینب ہوش میں تو آ گئی مگر اس کی دلی و دماغی کیفیت ویسی ہی تھی۔ آنکھیں بھی اُسی طرح نم تھیں۔ کمرے میں موجود نرس نے اشکوں کی بابت پوچھا تو وہ خاموش رہی۔ سلمیٰ کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ آخر وہ کونسا صدمہ ہے کہ جس نے اس کی یہ حالت کر دی تھی اسے ان کے گھر آئے ابھی دو دن ہوئے تھے۔

اور اس دوران اسے بے پناہ سوچ و بچار کے باوجود بھی کوئی ایسا واقعہ آیا نہ آیا جو اس کے لیے کوفت یا دکھ کا باعث بنا ہو۔ پھر یہ سوچا کہ آخر اس کا اس گھر سے کوئی تعلق یا رشتہ بھی نہیں جس کی بنا پر وہ یہاں کے خوشگوار یا ناخوشگوار ماحول کا اس قدر اثر لیتی۔ آخر میں وہ اس فیصلے پر پہنچی کہ یہ یقیناً اپنے عزیزوں کے بچھڑنے کا غم تھا جس نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔

☆

زینب کی طبیعت کے بحال ہوتے ہی ڈاکٹروں نے اُسے گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ ہسپتال میں قیام کے دوران اس نے ڈاکٹروں کو اپنی اس کیفیت کے بارے کچھ نہ بتایا بلکہ وہ جب بھی اس سے کوئی سوال کرتے وہ بن کوئی جواب دیے خالی خالی، پتھرائی آنکھوں سے سامنے دیکھنے لگتی۔ چپ تو جیسے اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔ کسی کے کسی بھی سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ آخر ڈاکٹروں اور نرس نے اس سے پوچھنا ہی چھوڑ دیا۔ نازیہ اور سلمیٰ نے بھی کریدنے کی کوشش کی مگر پھر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انہوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ زیادہ پوچھ گچھ اسے مزید ذہنی تکلیف دے سکتی تھی۔ برین، ہیمرج کا باعث بن سکتی تھی۔ کیونکہ وہ جتنے زیادہ سوالات کرتے وہ اتنی زیادہ اشکبار ہو جاتی۔ گھر آنے کے باوجود اس کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ کسی کی موجودگی اسے کانٹے کی طرح چبھتی مگر وہ منہ سے کچھ نہ کہتی اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کے عکاس تھے کہ وہ تنہائی چاہتی تھی۔ کسی کے قدموں کی آہٹ کو سنتے ہی وہ آنکھیں موند لیتی اسے اس حالت میں دیکھتے ہی قدم اُسی طرح لوٹ جاتے تھے۔

سلمیٰ تو پہلے بھی کم ہی اس کے کمرے کا رخ کرتی تھیں میمونہ بیگم کو بھی فرصت نہ تھی البتہ نازیہ ضرور اس کے کمرے کے چکر لگاتی اس کی بیماری کے دوران بھی اس نے زینب کی بڑی

دیکھا بھال کی حالانکہ زینب کی حتمی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ کسی کو اس کی وجہ سے زحمت نہ ہو مگر نازیہ خود اس کا خیال رکھتی تھی۔ وہ جب بھی اس کے پاس آتی زینب اُسے ممنون نظروں سے دیکھتی تھی مگر زبان اس کی خاموش ہی رہتی تھی۔ نازیہ یہ سب اپنے ملال کو رفع کرنے کا سوچ کر آئی تھی، اور اب اس کے دل میں زینب کے لیے محبت کی موہوم سے کرن بھی چمکنے لگی تھی۔ اور وہ ہمہ وقت اس کی خدمت گزاری کو تیار رہتی مگر زینب اُسے کوئی زحمت ہی نہ دیتی جس کا وہ اس سے شکوہ بھی کرتی مگر اس کی زبان کو اب بھی تالا ہی لگا ہوا تھا۔

کمرے میں مقیم زینب اشکبار نگاہوں سے سامنے دیوار کی جانب دیکھتی رہتی تھی۔ نقاہت اور کمزوری کے سبب چلنے کی سکت تو نہ تھی اس لیے بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی رہتی تھی۔ سوچوں کا تانا بانا جاری تھا۔ اس کا صرف ذہن تھا جو پتھر کا نہ تھا ورنہ تو اُسے اپنا سارا جسم پتھرایا ہوا لگتا تھا۔

نازیہ کچن کے کاموں میں مصروف تھی اس لیے اُسے وہاں زینب کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ پھر وہ بھی اتنے دبے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوئی کہ اگر نازیہ کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو اس کی موجودگی نہ جان پاتا۔ پھر نازیہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ یہاں آجائے گی کیونکہ ابھی اسے ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک دو روز ہی گزرے تھے۔ ان ایک دو روز میں نازیہ کو یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا۔ کہ وہ کم از کم تین چار روز سے قبل یوں آزاد گھومنے پھرنے کے قابل نہ ہو پائے گی۔ زینب کو ویسے بھی گیسٹ روم میں قید رہنے کی عادت بھی ہو چکی تھی۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی سوائے ہسپتال جانے کے اس نے کمرے سے باہر قدم تک نہ نکالا تھا۔

برتن دھوتے دھوتے اچانک جو نازیہ کی نظر دروازے میں کھڑی زینب پر پڑی تو گھبرا گئی فوراً برتن سینک میں رکھا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ اس کی جانب لپکی اور اسے تھامتے ہوئے بولی۔

''آپ یہاں ...... کچھ چاہیے تھا تو مجھے بلوالیا ہوتا یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے بھی آپ کی صحت ابھی پوری بحال نہیں ہوئی اگر خدانخواستہ چکر آجاتا اور کوئی چوٹ ووٹ لگ جاتی تو......''

بات کرتے ہوئے وہ زینب کا ہاتھ تھامے اسے سٹول تک لے آئی۔ اسے بیٹھاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا۔

''آپ کو جوس لا کر دوں...... اب ذہنی کیفیت کیسی ہے؟ بسا ٹھیک تو ہے نا!''

زینب خاموش تھی اگرچہ وہ اُس کی ہر بات سن رہی تھی یا کم از کم اس کی آواز اس کے کانوں تک جا رہی تھی مگر وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اس کی باتوں کا کیا جواب دے۔ سوجھ بوجھ سے

عاری زینب خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو میں نہیں جانتی میں تمہارے سوالوں کا کیا جواب دوں۔ نازیہ ایک بار پھر سینک کی جانب آگئی۔ برتن دھوتے ہوئے وہ ناصحانہ انداز میں بولی۔

''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے......''

لفظ آرام نے اس کی آنکھیں بھیگو دیں دل بے اختیار کہہ اٹھا ''تم ٹھیک کہتی ہو مجھے آرام کرنا چاہیے مگر میں ایسا نہیں کر پا رہی۔ مجھے آرام و سکون چاہیے دائمی اور ابدی مگر یہ انسان کے بس میں کہاں بلکہ کچھ بھی تو انسان کے بس میں نہیں۔ سب اس ذات باری تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ سب اس کی مرضی و منشا کے مطابق ہوتا ہے اور جب تک اس نے میرے نصیب میں جاگنا لکھا ہے میں جاگتی رہوں گی اور جب دائمی نیند کا حکم آجائے گا میں خاموش کسی ادنیٰ غلام کی طرح اس کا حکم بجا لاؤں گی۔ اس نیند کی آغوش تک کی مسافت جانے کتنے کٹھن و دشوار گزار راستوں اور طوالت پر محیط ہے میں بے خبر ہوں بالکل بے خبر۔''

زینب دل کی آواز سن رہی تھی تو نازیہ اپنی باتوں میں محو تھی۔ برتن دھونے کے بعد وہ چائے بنانے لگی۔ سلمیٰ نے اسے چائے بنانے کا تو کب سے کہا تھا مگر کچن کی صفائی میں وہ بالکل ہی بھول گئی۔ اب جو اچانک خیال آیا تو جھٹ پٹ اس کام کو نمٹانے کا سوچا۔ اس کے تیزی سے چلتے ہاتھوں اور بوکھلائے ہوئے لہجے سے زینب کو اندازہ ہو گیا کہ اس نے کوئی کوتاہی کر دی تھی۔ اسے بہت سے کام نمٹانے تھے ڈرائنگ روم کی صفائی، سلمیٰ کے روم کی ڈسٹنگ، میمونہ بیگم کے کپڑوں کی دھلائی اور جانے کیا کیا وہ یہ سب سوچ سوچ کر ہی ہلکان ہو رہی تھی۔

''لاؤ میں چائے بنا دوں......''

زینب کی زبان سے اس جملے کے نکلتے ہی نازیہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اور مستحکم لہجے میں بولی۔

''اتنے سارے کام ہیں تو کیا ہوا میں آپ کو تکلیف تھوڑی دونگی...... پھر آپ بیمار بھی ہے اور اس گھر کی مہمان بھی......''

مالی کو پودوں کی دیکھ بھال کی تاکید کرتے ہوئے سلمیٰ کو اچانک یاد آیا کہ اُسے تو چائے پینا تھی۔

''یہ نازیہ بھی نا کسی کام کی نہیں کب سے ایک کپ چائے کا لانے کو کہا تھا مگر ابھی تک نہیں آئی۔ مالی بابا آپ ذرا اس پودے کی کانٹ چھانٹ کریں میں ذرا نازیہ کو دیکھوں۔''

وہ جی بی بی کہتا ہوا اپنے کام میں لگ گیا اور سلمیٰ لان سے اندر آ گئی اس کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی نازیہ۔ جلدی سے چائے کپ میں انڈیلتی اور زینب کو یہ کہتے ہوئے باہر چلی آئی کہ "میں ابھی آئی۔" نازیہ کے جاتے ہی زینب دل کی دھڑکن کو معمول پر لانے کی سعی کرنے لگی وہ ہمیشہ سلمیٰ کی آواز سنتے ہی اس کیفیت سے دوچار ہو جاتی تھی۔ سٹول پر ایستادہ وہ بہت محویت سے سلمیٰ کے قدموں کی آہٹ سن رہی تھی جواب آہستہ آہستہ دور جاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ سلمیٰ نے نازیہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں اس کی کاہلی کے بارے تنبیہ کی۔ جس کو اس نے خاموشی سے سن لیا۔ اور آئندہ کے لیے معذرت بھی کر لی۔ جب وہ کچن میں لوٹی تو زینب کو سبزی کاٹتے ہوئے پایا "آپ کام کرنے لگیں۔ آپ یہاں ملازمہ نہیں مہمان ہیں مہمان......"

زینب نے رقت بھری آواز میں کہا۔

"کون جانے کون کیا ہے؟"

وہ زینب کی بات نہ سمجھ پائی اس لیے اس کی طرف استعجاب بھری نگاہوں سے دیکھا مگر اس کے کھوئے، گم سم چہرے نے اس کا ذہن سوال سے ہٹا کر اس کے پیچھے چھپے مہیج پر ڈال دیا۔ اور وہ قیاس آرائیاں کرنے لگی۔ سبزی کاٹتے ہوئے زینب کا ذہن بھی سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا۔ "اگر ہم اپنی جگہ، اپنا مقام اور حیثیت پہچان لیں تو بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ جن کا نتیجہ بالآخر دکھوں کی صورت ہمارے سامنے آتا ہے وہ اپنا مقام پہچان چکی تھی اس لیے جلد از جلد اس پر بیٹھنا چاہتی تھی تاکہ دوسرے کے احساس دلانے کی اذیت سے بچ سکے۔

نازیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اس کے خوب صورت و دلکش چہرے پر دکھ کی لہریں نمایاں تھیں زینب اس کی موجودگی سے بے خبر کام میں مصروف تھی۔ آج وہ زینب کو ایک منفرد و جدا لڑکی کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔ وہ تو پہلے دن ہی اُسے الگ تھلگ سی لگی تھی مگر اب اس کا گمان یقین کا روپ دھارے اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ وہ اس سے بہت سے سوالات پوچھنے کی خواہشمند تھی مگر جھجک گئی۔ انہیں پس پشت ڈالتے ہوئے وہ بولی۔

"اگر آپ کہیے تو میں ڈرائیور سے کہہ دوں وہ آپ کو ہسپتال لے جائے۔"

"مگر کیوں؟"

زینب کے اس سوال نے اسے عجیب مخمصے میں ڈال دیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں پھر آپ کے زخموں کی مرہم پٹی بھی تو کروانی ہے۔"

"مرہم پٹی......زخم......" وہ جیسے اُلجھ گئی ہو۔

"میرے زخم......ان کی مرہم پٹی وقت کے پاس ہے ڈاکٹر کے پاس نہیں۔ میں یہ درد سہنا چاہتی ہوں شاید یہ درد ہی میرے لیے نجات دہندہ ہو۔"

زینب آج پہلی بار اتنا بولی تھی اس کی زبان سے ادا ہونے والا ہر جملہ نازیہ کو ورطہ حیرت میں ڈال رہا تھا۔ وہ جیسے بھول بھلیوں میں پھنس گئی ہو۔ اس کا ہر سوال ہر سادہ اور عام سا سوال بھی ایک پیچیدہ جواب میں اس کے سامنے آتا تھا۔ زینب نے سبزی کاٹ چکنے کے بعد اس سے نئے کام کی بابت پوچھا اور اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی وہ چائے والے برتن دھونے لگی۔ وہ یہ سب اپنے کرب سے چھٹکارا پانے کو کر رہی تھی۔ اس کی تکلیف اب اس کی بساط سے باہر ہو چکی تھی۔ اذیت ایک کانٹے کی طرح اس کی روح کو چھلنی کر رہی تھی مگر وہ اب بھی اسی کرب کا شکار تھی۔ بالآخر وہ دل ناصبور کو لیے کچن سے لان میں چلی آئی۔ نازیہ نے ہاتھ پکڑنے کا کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ لان میں وہ اُسی پودے کے پاس آن کر کھڑی ہو گئی۔ کچن سے جھانکتے ہوئے نازیہ اس وقت مزید تشویش کا شکار ہو گئی جب اس نے زینب کو گلاب کے پھول کے قریب ہاتھ لے جاتے ہوئے دیکھا مگر اس سے بیشتر کہ اس کی انگلیاں پھول کی پنکھڑیوں کو چھوتیں اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

☆

رات کو کوارٹر میں سوتے ہوئے نازیہ کے کانوں میں دستک کی آواز پڑی۔ کوئی بہت آہستہ آہستہ دروازہ نوک کر رہا تھا۔ پہلے پہل تو اس نے اسے اپنا وہم سمجھا مگر جب مسلسل یہ عمل دوہرایا گیا تو اس نے گھبرا کر کمرے کی لائٹ آن کی۔ دیوار پر لگی گھڑی بتا رہی تھی کہ اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے۔ وہ مزید گھبرا گئی۔ اتنی رات گئے کون ہو سکتا تھا یہ سوال اُسے پریشان کرنے لگا۔ کیونکہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ تھی کہ کوٹھی سے کوئی بھی نہیں آیا ہو گا۔ اسے یہاں رہتے ہوئے دو سال ہو گئے تھے اور ان دو سالوں میں وہ گھر کے افراد کی عادات سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ پہلے تو اس گھر میں شارح اور اس کی والدہ ہوتے تھے اب کوئی آٹھ نو ماہ قبل شارح کی شادی ہو جانے کے بعد سلمیٰ بیگم بھی آ گئی تھیں مگر وہ ان کی عادات سے بھی واقف ہو چکی تھی۔ میمونہ بیگم تو رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آیا کرتی تھیں اور اس کے بعد نازیہ جب دودھ کا گلاس دینے ان کے کمرے میں جاتی تو وہ مطالعے میں مصروف ہوتیں۔

دودھ کا گلاس پکڑنے کے بعد وہ اُسے جانے کا کہہ دیتیں اور دوبارہ ڈسٹرب کرنے سے منع کرتی تھیں۔ شارح اکثر کنسرٹ کے سلسلے میں ملک سے باہر رہتا تھا اور جب پاکستان میں ہوتا تو بھی تو اُسے کسی قسم کی کوفت نہ اُٹھانا پڑتی کیونکہ اس کی مصروفیات اسے زیادہ وقت گھر پر نہ گزارنے دیتی تھیں سلمیٰ بھی اسے زیادہ تکلیف نہ دیتی۔ وہ یہاں اپنے والدین سے دور اکیلی رہتی تھی مگر اسے کسی بات کا ڈر خوف نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے اس کی ماں یہاں کام کیا کرتی تھیں اور اسی وجہ سے وہ بیٹی کو یہاں اکیلا چھوڑ گئی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اس کی بیٹی یہاں محفوظ ہے اس کی عزت کو کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اب بوڑھی ہو چکی تھیں اس لیے گھر کا کام کاج کرنا مشکل ہوتا تھا۔ پھر اس کا شوہر بھی بیمار رہنے لگا تو دونوں میاں بیوی نے گاؤں جانے کا سوچ لیا۔ اب وہ وہیں رہتے تھے بس کبھی کبھار بیٹی سے ملنے آ جایا کرتے تھے۔ اس کا بھائی اسی شہر میں فیکٹری میں کام کرتا تھا مگر وہ یہاں نہیں آتا تھا۔

یہ ہی سوچ کر اس کی پریشانی اور بڑھ گئی دروازہ ابھی بھی نوک ہو رہا تھا۔ وہ اِسی شش و پنج میں تھی کہ اس کے کانوں میں آواز آئی۔

''نازیہ دروازہ کھولو......''

اسے یہ آواز جانی پہچانی سی لگی تو دل کی دھڑکن تھوڑی سی معمول پر آ گئی۔ وہ دبے دبے قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچی تو اس کے کانوں میں دوبارہ وہی جملہ گونجا وہ پہچان گی یہ زینب کی آواز تھی مگر زینب اتنی رات گئے یہاں کیوں آ سکتی تھی۔ اس سوال نے اسے تھوڑا سا پریشان ضرور کیا۔ اس نے یقین دہانی کے لیے دروازے پر دستک دینے والے کا نام پوچھا تو ''میں زینب ہوں۔'' کا جواب پا کر سکھ کا سانس لایا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اس کے سامنے زینب کھڑی تھی۔

''آپ یہاں اتنے رات گئے۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا!''

یہ بات اس نے زینب کی حالت کو دیکھتے ہوئے کہی تھی۔

''ہسپتال جانا ہے......آپ کو بیگم صاحبہ کو کہنا چاہیے تھا۔ ڈرائیور ان کی اجازت کے بغیر آپ کو لے کر نہیں جائے گا۔ چلیں خیر آپ اندر آئیں میں بیگم صاحبہ کو جگاتی ہوں۔''

''اس نے زینب کا ہاتھ تھام کر اُسے چارپائی پر بیٹھاتے ہوئے کہا۔ اب وہ کمرے سے باہر جانے لگی تو زینب ڈبڈباتی آنکھوں اور گلوگیر آواز میں بولی۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔''

وہ رک گی۔

''کیا آپ مجھے پناہ دے سکتی ہیں؟''

نازیہ اب اس کی آنکھوں میں ٹمٹماتے آنسوؤں کے قطروں کو گالوں پر رینگتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

نازیہ کی متحیر نگاہیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ یوں اس کی آمد پر نہ صرف ششدر تھی بلکہ اضطراب اور بے چینی کا بھی شکار ہو گی تھی۔

''کیا تم مجھے یہاں رہنے کی اجازت دو گی؟''

اس نے سوال دوہرایا تھا۔ وہ بدحواسی میں بولی۔

''ہوں!''

زینب نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

''میں آپ کے کمرے میں رہنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور......'' مگر وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

''میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گی۔''

اب نازیہ نے اپنی بات کی وضاحت کرنا لازم سمجھا۔

''آپ کی موجودگی میرے لیے ناگوار نہیں......مگر آپ مہمان ہیں۔ ایک مالک کی میرا یہ بوسیدہ سا کوارٹر آپ کو وہ راحت نہیں پہنچا سکے گا۔''

''میں مہمان نہیں...... میں......''

وہ رُک گئی۔ اس کے لہجے میں لجاجت تھی اسے بھانپتے ہی نازیہ نے انتہائی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے کمرے میں رہائش پذیر ہونے کی دعوت دے دی بلکہ اسے اس بات کا بھی قوی اطمینان کروایا کہ وہ اس کے لیے مہمان کی حیثیت ضرور رکھتی تھی اور وہ اس کی اسی طرح خدمت کرے گی۔ اس شش و پنج سے نکلتے ہی نازیہ کو زینب کا ہذیانی انداز اور آگ کی طرح تپتا سرخ چہرہ دیکھائی دیا نازیہ نے جو اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بخار سے تپ رہی تھی۔ تب اُسے یاد آیا کہ زینب کا ہاتھ تھامتے ہی اسے اس کا بدن تپتا ہوا محسوس ہوا تھا مگر استعجاب میں اس کا دھیان اس جانب ہی نہ جا سکا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

''آپ کو تو سخت بخار ہے۔''

''نہیں......ایسی تو کوئی بات نہیں میں تندرست ہوں۔''

اس نے یقین دہانی کروائی مگر زینب کا چہرہ اور لہجہ اسی تاثر کا غماز تھا اس لیے نازیہ نے اب اُسے آرام کرنے کا کہا۔

''آپ آرام کریں میں بخار کی کوئی دوا لاتی ہوں۔''

''مجھے کسی دوا کی ضرورت نہیں......اس تپش نے تو میری روح کو تسکین بخشی ہے۔''

''آپ کو کھانے کو کچھ دوں۔''

''فی الوقت میں سونا چاہتی ہوں۔ تم پہلے ہی میری وجہ سے بہت پریشان ہو رہی ہو۔ میں مزید کسی تکلیف کا باعث نہیں بننا چاہتی......تم آرام کرو۔''

چار پائی پر دراز ہوتے ہی زینب نے آنکھیں موندھ لیں۔ نازیہ نے اس کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے مزید گفتگو سے اجتناب کیا۔ اب وہ اپنے سونے کا انتظام کرنے لگی کمرے میں دو چار پائیاں موجود تھیں مگر وہ تنہا ہونے کے باعث صرف ایک ہی کا استعمال کرتی تھی دوسری وہ ماں کی آمد پر کام میں لاتی تھی۔ اس نے اب اُسے اپنے لیے بچھایا جوں ہی وہ لیٹی زینب کے بارے خیالات نے اس کو آن گھیرا۔

''زینب نے تو رات کو بھی کچھ نہ کھایا تھا۔ جب میں کھانے کی ٹرے لیے گیسٹ روم میں گئی تھی تو یہ کہتے ہوئے مجھے جانے کا کہہ دیا کہ آج مجھے بھوک نہیں۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہ مانیں۔ جانے کیوں انہیں بھوک نہیں لگتی۔''

نازیہ کو ٹرے واپس لاتے ہوئے ایک دو روز قبل جب سلمٰی نے دیکھا تو اس سے اس کا سبب جان کر وہ خود زینب کے روم میں چلی آئیں مگر زینب نے انہیں بھی ہچکچاتے لہجے میں یہ ہی کہا تھا کہ اُسے واقعی میں بھوک نہیں۔ پھر سلمٰی نے بھی یہ سوچ کر اصرار نہ کیا کہ اُسے اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے مگر اسے اتنا ضرور کہہ دیا کہ بیماری کی حالت میں بھوکا رہنا بستر پر طوالت کا باعث بن جاتا ہے۔

نازیہ کو یہ بات اچھی طرح یاد آ رہی تھی کہ وہ جب سے اس گھر میں آئی تھی کبھی بھی پیٹ بھر کے نہ کھایا بلکہ زیادہ تر فاقہ کشی ہی کرتی تھی۔

''جانے ان کو کیا غم ہے......اے میرے پروردگار ان کا غم غلط کر دے ورنہ یہ حالت زینب کی سانسوں کی ڈور توڑ کر ہی دم لے گی......''

خود کلامی کرتے ہوئے نازیہ کو یاد آیا کہ اس کا غم اپنوں کی جدائی تھا ہمیشہ کی جدائی جسے وہ چاہتے ہوئے بھی وصل میں نہیں بدل سکتی تھی کیونکہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ پھر وہ

خود کو ملامت کرنے لگی کہ اس کا غم جانتے ہوئے بھی یہ سوچ رہی تھی کہ جانے زینب کو کیا دکھ تھا۔

''نازیہ تم خود سوچو اگر وہ روئے بھی نہ تو کیا کرے......لگتا ہے اس بیچاری کے زخم ابھی ہرے ہیں جدائی کو زیادہ عرصہ نہیں بیتا تبھی تو آنکھیں برستی نظر آتی ہیں۔''

یوں ہی سوچوں میں غرق اس کی آنکھ لگ گئی۔ زینب جو شاید اسی بات کی منتظر تھی اس کے سوتے ہی اپنی آنکھیں کھولے چھت کو گھورنے لگی۔ اس کے من میں یہ خواہش پر تول رہی تھی کہ کاش وہ اس کے پار دیکھ پائے۔ مگر آنکھ اسی قدر بے بس تھی جس قدر وہ مستقبل کو دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھی۔ انسان کو یا تو ماضی میں رہنا ہوتا ہے یا حال میں مستقبل ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی نظروں سے اُوجھل ہی ہے۔

اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا چہرہ بھی سرخ تھا، آنکھیں اس جلتی آگ پر برس کر اِسے بجھانے کی سعی کر رہی تھیں مگر آگ ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ اب تو درد سے اس کا سر بھی پھٹنے لگا۔ اس وقت اس کی شدید خواہش تھی کہ کوئی اس کا سر دبا کر اسے اس کرب و تکلیف سے نجات دلا دے مگر وہاں کوئی اپنا نہ تھا جس سے وہ یہ التجا کر پاتی۔ نازیہ کو وہ تکلیف دینا نہ چاہتی تھی۔ جب قوت برداشت جواب دینے لگی تو ہاتھوں سے اسے دبایا مگر اس کے کپکپاتے ہاتھوں میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ اسے اس کرب سے نجات دلا سکتے۔

منہ سے ہائے ہائے کی آوازیں نکلنے لگیں۔ جس کو اس نے دبانے کی بہت کاوش کی تھی مگر اب وہ ناکام ہو چکی تھی۔ پیاس سے اس کے ہونٹ اور حلق خشک ہو گئے۔ پانی کی شدت سے طلب ہونے لگی مگر اُٹھنے کی ہمت کہاں تھی۔ وہ پہلے ہی گیسٹ روم سے کوارٹر تک کا فاصلہ بمشکل طے کر سکی تھی۔ کئی بار راستے میں قدم لڑکھڑائے تھے دو تین بار تو وہ ستانے کو بیٹھی بھی تھی۔

گو گیسٹ روم میں اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی نہ تھی بلکہ وہ شاہانہ انداز میں رہ رہی تھی مگر یہ آسائش اس کے لیے راحت کا سبب نہ بن سکی تھی۔ وہاں کا آرام وہ بستر جانے کیوں اُسے کانٹوں کی طرح چبھتا تھا کمرے میں جب بھی وہ نظر اُٹھا کر دیکھتی خود کو کانٹوں پر لوٹتا ہوا پاتی۔ آج کرب اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ مجبوراً وہاں سے چلی آئی وہ تو شاید یہاں کبھی بھی نہ رہتی مگر وہ چاہتے ہوئے بھی شارح کو انکار نہ کر پائی تھی۔ یہاں بھی اُسے تسکین نہ مل پائی تھی مگر شدت میں کسی حد تک کمی واقع ضرور ہو گئی تھی۔ پھر بخار نے بھی اس کے حواس قائم نہ رہنے دیے تھے۔ پیاس نے ایک بار پھر اسے اپنے دائرہ حصار میں لے لیا اُسے قریب ہی پانی کا گلاس نظر آیا۔ جو شاید نازیہ نے اپنے پینے کو رکھا تھا۔ وہ روز ہی یوں پانی کا ایک گلاس رکھ لیا کرتی تھی

تا کہ نیند میں ٹکراتی نہ پھرے۔ زینب نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس اُٹھایا۔ پانی پیتے ہی اسے جیسے سکون آ گیا ہو۔ اب ایک بار پھر وہ چارپائی پر دراز ہوگئی۔

☆

زینب صبح نازیہ سے پہلے بے دار ہو چکی تھی۔ اس بے چینی نے کہا کہ نازیہ، سلمیٰ یا میمونہ بیگم کو اس کے یہاں آنے کے بارے نہ بتادے اُسے سونے نہ دیا پھر بخار نے بھی اسے بے خوابی کا شکار کر رکھا تھا۔ جاگتے ہی جب نازیہ کی نظر اس پر پڑی تو استعجاب بھرے لہجے میں بولی۔

''آپ جاگ گئیں۔''

''نازیہ میرے بارے کسی کو کچھ نہ بتانا...... چند دنوں کی بات ہے شارح...... (وہ رک گی جیسے کسی یاد نے اسے گھیر لیا ہو)...... شارح صاحب کے آتے ہی میں چلی جاؤں گی۔ اب میں گیسٹ روم میں رہنا نہیں چاہتا''

نازیہ نے اُسے تسلی دی کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گی بلکہ اُسے یقین تھا کہ کسی کو اس کی عدم موجودگی کا علم بھی نہ ہوگا۔ مگر وہ اس وعدے کے عوض اپنی ایک شرط منوانا چاہتی تھی۔ شرط کا لفظ سنتے ہی اس نے اس کے بارے جاننا چاہا تو نازیہ نے کہا۔

''ناشتہ کرنا ہوگا اور دوا بھی کھانا ہوگی۔ میں جانتی ہوں آپ نے رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا دوپہر میں بھی صرف کھانا کھانے کا دکھاوا ہی کیا تھا...... دیکھیں اگر آپ کھائیں گی نہیں تو نقاہت و کمزوری بڑھتی جائے گی اور بخار کم بخت بھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔''

زینب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب نازیہ کوارٹر سے باہر چلی آئی لان میں مالی اپنے کام میں مصروف تھا۔ ڈرائیور بھی گاڑی دھونے میں لگا ہوا تھا۔ کچن میں آ کر وہ ناشتہ بنانے لگی۔ تھوڑی دیر میں میمونہ بیگم اور سلمیٰ ناشتے کی ٹیبل پر آ گئیں۔ ناشتے کے دوران ساس بہو شارح کی آمد کے بارے محو گفتگو رہیں۔ نازیہ اضطراب کے عالم میں کچن میں چکر لگا رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر ان ساس بہو کا قیام اُسے گھنٹوں پر محیط لگ رہا تھا۔ حالانکہ اُنہیں وہاں آئے ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے۔

''جانے آج انہیں کیا ہو گیا ہے اُٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔ روز تو بس ناشتے کو ہاتھ ہی لگاتی ہیں اور آج لگتا ہے سارا دن یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اے اللہ میں کیا کروں۔ جانے اور کتنی دیر بیٹھیں گی۔''

اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''زینب بے چاری نے رات سے کچھ نہیں کھایا...... مجھے انہیں دوا بھی دینا مگر ناشتے کے بغیر...... نہیں...... نہیں...... میں ناشتے کی ٹرے لے کر کوارٹر میں جاؤں گی تو بیگم صاحبہ پوچھیں گی تم ٹرے کو کوارٹر میں کیوں لے جا رہی ہو...... میں کیا کروں؟''

اُنہیں باتوں میں مگن دیکھ کر وہ ان کے قریب آ گی اور استفسار کیا۔

''بیگم صاحبہ کچھ اور چاہیے تو نہیں۔''

''نہیں۔'' کا جواب پا کر اُس نے کچن کا رخ کیا۔ وہ تو انہیں احساس دلانے گئی تھی کہ اب انہیں اُٹھ جانا چاہیے مگر انہوں نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ آخر اس کے اس سوال کا مقصد کیا تھا۔ اس لاپرواہی پر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ پیشانی شکن آلودہ ہوگی۔ اس عتاب میں کمی لانے کو خود سے ہمکلام ہوئی۔

''نازیہ خفگی سے بہتر ہے تم ٹرے تیار کر لو تا کہ جوں ہی وہ اُٹھیں تم نکل جاؤ...... اب تم ان کے انتظار میں وقت ضائع کر رہی ہو پھر ناشتہ تیار کرنے میں...... نہیں پاگل، ناشتے کی ٹرے تیار کرنے میں بعض اوقات تم بھی بڑی احمقانہ باتیں کرتی ہو۔ ناشتہ تیار ہے پھر بھی کہہ رہی ہو ناشتہ تیار کرلو۔''

وہ جلدی جلدی ناشتے کی ٹرے تیار کرنے لگی۔ فرصت کے لمحات نے ایک بار پھر اسے پریشان کر دیا۔ کئی بار ذہن میں خیال آیا کہ اُن کے سامنے ہی ٹرے اُٹھائے اور کوارٹر کو چل دے مگر پھر اس خیال نے کہ اگر انہوں نے اس کی بابت پوچھ لیا تو کیا جواب دے گی اس کے قدموں کو روک دیا۔ ایک بار پھر دانستہ طور پر ان کے قریب چلی آئی مگر اسی لمحے شارح کا فون آ گیا۔ سلمیٰ نے سلام دعا اور حال احوال کے بعد موبائل ساس کو تھما دیا۔ میمونہ بیگم نے مختصر سی بات کی۔ اب موبائل سلمیٰ کے حوالے تھا۔

''جی سب خیریت ہے مگر آپ اس قدر پوچھ گچھ کیوں کر رہے ہیں۔''

I don't know. But I am feeling, something is wrong there.

سلمیٰ متانت سے بولیں۔

"There is nothing wrong."

''شارح نے استفسار کیا''

"Sure"

''Sure'' کہتے ہوئے سلمیٰ موبائل لیے ڈائننگ ٹیبل سے اُٹھ گئیں۔اسی لمحے میمونہ بیگم بھی وہاں سے چلی آئیں۔ ڈائننگ ٹیبل سے ساس بہو کے اُٹھتے ہی نازیہ کے غصے سے تمتماتے چہرے پر متانت پھیل گی۔وہ تیز تیز ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے چلی آئی ٹرے اُٹھائی اور انہیں قدموں کے ساتھ کوارٹر کا رخ کرلیا۔مگر جب وہ وہاں پہنچی تو زینب آنکھیں موندھے ہوئے تھی۔اُسے دیکھتے ہی نازیہ خفیف سی ہوگی۔

''زینب تو سوگئی ہیں۔آخر میں نے بھی تو آنے میں دیر کردی......مگر اس میں میرا بھی کوئی قصور نہیں......''

اس کے آخری فقرے پر زینب نے آنکھیں کھول دیں۔

''آپ جاگ گئیں......چلیں اب اُٹھ کر جلدی سے ناشتہ کرلیں تا کہ میں آپ کو دوا دے سکوں۔''

زینب نے جواباً سوال کرڈالا۔

''تم نے کسی سے میری موجودگی کا تذکرہ تو نہیں کیا؟''

''ارے نہیں...... جب تک آپ نہ چاہیں گی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔''

زینب اُٹھ کر بیٹھ گئی۔نازیہ نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ دی اور پھر اس کی چارپائی کے قریب کرسی گھسیٹتے ہوئے اس پر براجمان ہوگی۔زینب نے ٹرے پر پھیلے رومال کو ہٹایا۔

''اتنا زیادہ ناشتہ......''

''میں اپنے لیے بھی یہیں لے آئی ہوں تا کہ آپ کے ساتھ مل کر ناشتہ کرسکوں......''

''چلو شروع کرو......''

دونوں ناشتہ کرنے لگیں۔

''میں تو کب کا آنا چاہ رہی تھی۔مگر آج تو بیگم صاحبہ اُٹھنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں......وہ تو شاید اب بھی نہ اُٹھتیں جو شارح صاحب کا فون نہ آتا۔''

زینب یکلخت آزردہ ہوگئی مگر اس کی اُداسی نازیہ سے پوشیدہ تھی کیونکہ اس نے اس کے چہرے کو نہ دیکھا۔بات کرتے کرتے وہ خود بھی کسمسا کر رہ گی۔زینب کے چلے جانے کے خیال نے اُسے پریشان اور بے قرار کردیا تھا۔

''کیا آپ چلی جائیں گی؟''

زینب اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دے سکیں بلکہ زیادہ انہماک سے ناشتہ کرنے

لگی۔اس خاموشی نے نازیہ کو اضطراب میں مبتلا کردیا۔اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ سوچنے لگی۔

''یہ بھلا کیا جواب دینگی......ان کے ہاں یا ناں سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے۔''

☆

زینب سینک کے پاس کھڑی برتن دھو رہی تھی طبیعت کے ذرا سنبھلتے ہی اس نے نازیہ کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا۔نازیہ تو چاہتی تھی کہ وہ آرام کرے مگر اس کا خیال تھا کہ اس کا بستر پر طویل قیام بھی اس کی صحت بحال نہ کرپائے گا۔اس لیے یہ کوشش بے سود تھی۔ بلکہ اس کی ذہنی اذیت کو بڑھا دیتی تھی۔زینب نے اس سے عہد لے رکھا تھا کہ وہ کسی کو اس کے بارے نہ بتائے گی کہ وہ اس کے ساتھ رہ رہی ہیں یا اس کے ساتھ کام کاج کرتی ہیں۔وہ خود بھی بہت احتیاط برتتی تھی۔اس کا زیادہ وقت کچن میں گزرتا تھا کیونکہ یہاں سلمیٰ یا میمونہ بیگم کی آمد متوقع نہ ہوتی تھی۔باقی ماندہ کام نازیہ کے سپرد تھے۔وہ تو کوشش کرتی تھی کہ کچن کا کام بھی خود ہی کرے مگر زینب اسے روک دیتی تھی۔وہ کہتی تھی۔

''بس تم ٹیبل لگانے کی ذمہ داری سنبھال لو۔اس کام کے کرنے میں کوئی عار نہیں مگر میں نہیں چاہتی کہ کوئی یہ جانے۔''

نازیہ اثبات میں سر ہلا دیتی تھی۔ویسے تو دونوں میں بات چیت کم ہی ہوتی تھی اور اگر نازیہ گفتگو کا سلسلہ چھیڑتی بھی تھی تو اس کی بے خبری کو دیکھتے ہوئے خاموش ہوجاتی پھر انہیں بات چیت کرنے کا موقعہ بھی کم ہی میسر آتا تھا کیونکہ سارا دن وہ کام کاج میں لگی رہتی تھیں۔اور جب وہ کوارٹر میں لوٹتیں تو زینب نماز قرآن پڑھنے لگ جاتی اور نازیہ نیند کی وادی میں سفر کرنے لگتی۔ برتن دھوتے ہوئے اُسے چکر آنے لگے اس سے قبل کہ وہ گرتی سہارا لیتے ہوئے سٹول کے قریب آگئی معاً نازیہ کچن میں داخل ہوئی اُسے یوں بیٹھا دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب لپکی۔

''زینب آپ ٹھیک تو ہیں نا!''

اس نے بہت کم اسے بیٹھے دیکھا تھا اس لیے گھبرا گئی زینب کو بخار تھا مگر اس نے اپنی بیماری کو ہمیشہ کی طرح پوشیدہ رکھنے کی سعی کرتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔بس کسی خیال نے گھیر لیا تھا سوچا بیٹھ جاؤں کہیں بے دھیانی کے عالم میں گر ہی نہ پڑوں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں!''

اس بار وہ خاموش رہیں۔ نازیہ کی نظر سینک پر پڑی تو وہاں تھوڑے سے برتن دیکھتے ہوئے اس جانب چلی آئی اور برتن دھونے لگی۔

"آپ آرام کریں برتن میں دھوئے دیتی ہوں۔"

زینب نے چاہا کہ اُسے ایسا کرنے سے روک دے مگر وہ جانتی کہ اب اس میں کھڑا ہونے کی سکت باقی نہیں رہی تھی اس لیے اسے منع نہ کیا۔

☆

بریانی کھاتے ہوئے سلمٰی کو ذائقے میں واضح فرق محسوس ہوا۔ وہ پچھلے تین چار روز سے اس فرق کو محسوس کر رہی تھیں مگر کوئی توجہ نہ دی۔ آج بریانی کھاتے ہوئے تو وہ نازیہ کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکی۔

"نازیہ آج بریانی تو کمال کی بنائی ہے۔ لگتا ہے تم نے دل لگا کر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"میمونہ بیگم نے بھی بہو کی بات کی تائید کی۔ ستائشی جملے سنتے ہی نازیہ جو پاس ہی کھڑی تھی بے ساختگی سے بولی۔"

"یہ بریانی زینب نے بنائی ہے۔"

غیر ارادی طور پر کہے گے اس جملے نے اسے زینب کے ساتھ کیے گئے عہد کی یاد دلا دی تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گی۔ سلمٰی نے عتاب سے اس کی طرف دیکھا تو وہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔

"کیا کہا تم نے؟"

"جی...... جی......"

"ہاں...... ہاں بولو......"

ڈرتے ڈرتے اس نے زبان کھول دی۔ پہلے تو سلمٰی نے اس کی کلاس لی پھر میمونہ بیگم اس کی خبر لینے لگیں۔ کسی نے بھی اس کی بات کو سننا گوارا نہ کیا۔ وہ اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھیں۔ کچن میں سٹول پر ایستادہ زینب اس ساری صورت حال سے بے خبر خیالوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ ترخ اور مرعوب آواز پر وہ ہڑبڑا گئی۔ ایک ساعت کو جو اس پر غور کیا تو معاً وہاں چلی آئی۔ سلمٰی کے عتاب نے نازیہ کی آنکھیں آب گو کر دیں وہ سر جھکائے خاموشی سے کھڑی تھی۔ زینب کے وہاں آتے ہی سلمٰی نے استفسار کیا۔

"زینب کیا تم اپنی مرضی سے کام کاج کرتی ہو۔"

اس نے ہنکار بھرا تو وہ حیرت زدہ رہ گئیں وہ تو نازیہ کو قصوروار ٹھہرا رہی تھیں مگر اب حقیقت کو کھل کر سامنے آجانے سے خفیف ہو کر رہ گئیں۔ زینب نے نازیہ کی پوزیشن کلیئر کر دی تھی۔

"یہ بے قصور ہے غلطی میری ہے میں نے ہی اسے منع کیا تھا۔"

وہ نظریں زمین پر گاڑھے بول رہی تھی۔ میمونہ بیگم نے معاً نازیہ کو کچن میں جانے کا کہہ دیا۔ زینب کی بات مکمل ہوئی تو سلمٰی بولیں۔

"تم یہاں ملازمہ نہیں مہمان ہو۔"

"جی مہمان دو یا تین روز کا ہوتا ہے مجھے زیادہ دن بیت گئے ہیں۔"

سلمٰی لاجواب ہو گئیں تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ زینب ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں آخر وہ کب تک اس کا بوجھ برداشت کر سکتے تھے۔ میمونہ بیگم کا بھی یہ ہی خیال تھا۔ اس لیے از راہ مروت پوچھا۔

"تم یہ مجبوراً تو نہیں کر رہی ہو۔ میرا مطلب ہے تم یہ سب کیے بنا بھی شارح کی آمد تک رہ سکتی ہو......"

"جی میں مرضی سے کر رہی ہوں......"

"تو ٹھیک ہے۔ سلمٰی اگر زینب کی یہ ہی خواہش ہے تو جیسے اس کی مرضی۔"

"زینب تم کچن کا سارا کام سنبھال لو۔"

ساس کی بات مکمل ہوتے ہی سلمٰی نے اپنا حکم صادر کر دیا اور وہ بہت بہتر کہتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔

☆

ڈرائنگ روم کی صفائی کے بعد نازیہ سلمٰی کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دروازہ نوک کرنے پر سلمٰی نے اندر آنے کا کہا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی نازیہ نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ آپ نے بلوایا تھا۔"

"ہاں......"

سٹول پر براجمان سلمٰی اب اُٹھ کر بیڈ پر آگئی اور نازیہ قالین پر بیٹھ گی۔

"جی بیگم صاحبہ......"

"مجھے تم سے زینب کے بارے بات کرنا ہے۔"

"جی......"

"اس کے بارے پوچھنا ہے۔"

"پوچھیں......آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟"

"زینب کیسی لڑکی ہے؟"

"بہت اچھی......"

"تمہاری اس کے ساتھ دوستی ہے۔"

"جی وہ تو میری سب سے اچھی دوست بن گئی ہے۔"

"پھر تو اس نے تمہیں اپنے بارے بھی بتایا ہوگا......"

"میں نے کئی بار پوچھا مگر وہ یہ ہی کہتی ہیں کچھ بتانے کو بچا ہی نہیں تمہیں کیا بتاؤں......بہت دکھی ہے بچاری۔"

"تمہاری اُس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"وہ بہت کم گو ہیں اور ویسے بھی ہمیں زیادہ بات چیت کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ سارا دن وہ اپنے کام میں لگی رہتی ہے اور میں اپنے کام میں اس جب رات کو کوارٹر میں جاتی ہے تو وہ نماز قرآن پڑھنے لگ جاتی ہے اور میں انتظار کرتے سو جاتی ہوں۔ مگر زینب کی کھوئی کھوئی نظروں اور اُداس چہرے کو دیکھتی ہوں تو اس بات کا شائبہ ہونے لگتا ہے وہ بہت دکھی ہے۔"

"وہ اس دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔"

"مگر بیگم صاحبہ مجھے لگتا ہے انہیں کوئی اور دکھ ہے۔"

"کیسا دکھ؟"

"مجھے نہیں پتہ......"

سلمٰی نازیہ کی باتوں سے یہ جان گئی تھی کہ زینب اس کے ساتھ رہائش پذیر تھی مگر وہ پھر بھی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔

"تو کیا زینب تمہارے ساتھ رہتی ہے؟"

اُس نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

"اور نہیں تو کیا؟"

وہ جیسے اس سعادت پر فخر کر رہی تھی۔ سلمٰی نے لاشعوری طور پر سوال کر ڈالا۔

"کب......سے؟"

"پیر......منگل......بدھ......جمعرات آج جمعہ ہے تو یہ کل ملا کر ہو گئے پانچ دن۔ مگر بیگم صاحبہ لگتا ہے وہ برسوں سے میرے ساتھ رہ رہی ہو۔"

سلمٰی خود کلامی کرنے لگی۔

"من ڈے...... ہاں من ڈے کو ہی کھانے کے ذائقے میں تبدیلی آئی تھی۔ مگر سنڈے تک تو وہ کافی بیمار تھی۔"

وہ اپنے سوچ پر شرمندہ تھی کیونکہ نازیہ کو یہاں بلوانے کا مقصد ہی یہ کہنا تھا کہ وہ زینب کو اپنے ساتھ رکھ لے مگر وہ خود ہی یہ سب کر لے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"Salma you are thinking it looks awkward that a Servant stays in a guest room."

"بیگم صاحبہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

نازیہ کے سوال پر سلمٰی اپنے ملال کو پوشیدہ رکھنے کوتوصفی انداز میں بولیں۔

"زینب ایک سمجھدار لڑکی ہے۔"

اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"جی بیگم صاحبہ......"

اُلجھے دماغ کے ساتھ سلمٰی نے اسے جانے کا کہا مگر جب وہ دروازے کے قریب پہنچی تو سلمٰی نے اسے رکنے کا کہہ دیا اور پھر ایک توقف کے بعد بولیں۔

"اس بات کا ذکر زینب سے مت کرنا۔"

"کس بات کا؟"

ان کے درمیان کافی لمبی بات ہوئی تھی اس لیے نازیہ نے یہ سوال کیا تھا۔ اس وضاحت سے سلمٰی کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ وہ اس کی سوچ کو نہیں پڑھ سکی اس لیے کہا۔

"ساری گفتگو کا......"

"جی بیگم صاحبہ......آپ فکر نہ کریں۔"

اس کے کمرے سے نکلتے ہی میمونہ بیگم نے اسے بلوالیا۔ اس کے استفسار پر وہ بولیں۔

"زینب سے کہو میرے لیے چائے بنا دے۔"

"جی اچھا!"

وہ کچن میں چلی آئی۔ زینب پہلے ہی چائے بنا رہی تھی۔ لہٰذا فوراً چائے لیے میمونہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی۔

☆

جوں ہی سلمیٰ اور میمونہ بیگم کو زینب کے کوارٹر میں منتقل ہونے کی خبر ملی زینب نے کچن تک محدود رہنا چھوڑ دیا تھا۔اب وہ نازیہ کے ساتھ بھی کام کاج کرواتی تھی اور مالی بابا کے ساتھ بھی۔کیونکہ اب وہ آزادانہ طور پر گھوم سکتی تھی۔مگر اس کی بے نیازی برقرار رہی تھی۔نظریں اب بھی جھکی اور دل و دماغ کھویا کھویا سا رہتا تھا۔آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے ضرور ٹمٹماتے تھے مگر رخسار پر نہ رینگتے۔

یوں تو وہ کچن میں زیادہ وقت گزارتی تھی مگر میمونہ بیگم کے کام کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہو گیا تھا۔کیونکہ میمونہ بیگم کا خیال تھا کہ وہ بڑی دلجمعی سے کام کرتی تھی سلمیٰ بھی اس کے سلیقے کو سراہتی تھی اس لیے وہ اپنے زیادہ کام اُس سے کروانے لگی تھی مگر نازیہ کو یہ سب اچھا نہ لگتا تھا کیونکہ جب بھی اس نے زینب کا بازو پکڑا جسم کو بخار کی زد میں پایا تھا۔اس لیے وہ طیش میں آ جاتی تھی۔

''زینب تم نے خود کو اذیت پہنچانے کی ٹھان رکھی ہے......آخر تم آرام کیوں نہیں کرتی۔''
وہ وضاحت دینے کی کوشش کرتی مگر وہ شکن آلود چہرے کے ساتھ اس کے لفظوں کی تردید کر دیتی۔

''ہاں......ہاں تم ٹھیک ہو......تبھی تو جسم تپتا رہتا ہے آخر تم خود پر ظلم کیوں ڈھا رہی ہو؟''
زینب بے بس ہو جاتی لہٰذا وہاں سے چلی آتی۔نازیہ اب اس سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی اس لیے بلا جھجک دل کی بات کہہ دیتی۔کیونکہ جب بھی وہ آپ کہہ کر بات کرتی تھی زینب فوراً ٹوک دیتی۔

''مجھے آپ نہ کہا کرو ہماری حیثیتیں اور مقام برابر ہیں۔''
اب نازیہ بھی تکلف نہ برتتی تھی۔نازیہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ وہ اور نہیں تو کم از کم سلمیٰ کا کام خود سر انجام دے کیونکہ سلمیٰ کی مرعوب آواز پر وہ ساری جان سے لرز کر رہ جاتی۔پھر جلد ہی یہ خوف رنج و الم میں بدل جاتا اور وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو جاتی۔زینب کی یہ کیفیت اسے مجبور کرتی کہ وہ جانے آخر اس کی وجہ کیا ہے اس نے کئی بار استعجاب بھرے لہجے میں پوچھا۔
''زینب تم بیگم صاحبہ کی آواز پر یوں کھو کیوں جاتی ہو۔ان سے ڈرنے کی وجہ کیا ہے مانا کہ وہ مشہور شخص کی بیگم ہیں ہماری مالکن ہیں مگر ڈرنے کے لیے یہ جواز کافی نہیں......میں بھی تمہاری طرح ملازمہ ہوں مگر میں خوفزدہ نہیں ہوتی۔''
نازیہ کو اپنے ہر سوال کی طرح اس کا بھی کوئی جواب نہ مل پاتا مگر نازیہ کو اس کی سرخ

آنکھوں میں آنسوؤں کے چھوٹے چھوٹے قطرے ضرور دکھائی دیتے تھے جو برس تو نہ سکتے لہٰذا ننھے ننھے کٹوروں میں رینگنے لگتے تھے۔

☆

ٹیبل پر ناشتہ لگانے کے بعد نازیہ کچن کی طرف مڑنے لگی تو شارح کو سلمیٰ اور میمونہ بیگم کے ہمراہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف آتا دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ایک ساعت کو رُک کر غور سے شارح کو دیکھا اور پھر تیز تیز ڈگ بھرتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔زینب حسب عادت اِردگرد سے بے نیاز کام میں مصروف تھی۔اس کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے ہولے سے بڑبڑائی۔
''زینب شارح صاحب آ گئے ہیں......کیا اب تم مجھے چھوڑ جاؤ گی؟......مجھے چھوڑ کر مت جاؤ......میں تمہارے ساتھ کی عادی ہو چکی ہوں یہ اس لیے نہیں کہہ رہی کہ تم نے میرا بوجھ بانٹ لیا ہے بلکہ تم مجھے اچھی لگتی ہو......''
وہ کچھ نہ بولی بلکہ خاموشی سے اس کی باتیں سننے لگی۔
''کیا تم یہاں سے جانے کے بعد کبھی نہ ہو گی مجھے،اس گھر کو یاد نہ کرو گی......کاش! ایسا ہو جائے کہ شارح صاحب اچانک پھر بیرون ملک چلے جائیں اور دو تین ماہ بعد لوٹیں تا کہ تب تک اُنہیں تمہارے بارے یاد نہ رہے اور تم ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جاؤ......میں نے ٹھیک کہا نا......!''
وہ چاہتی تھی کہ زینب اس کے ساتھ رہے اس کے جانے کا سوچ کر اس کے دل میں ہول اُٹھ رہے تھے اسی فکر، رنج و الم کو زائل کرنے کو قیاس آرائیوں میں محو مسلسل بولے جا رہی تھی اس بات سے قطع نظر کہ یہ سب نہیں ہو سکتا تھا۔مگر اُسے اس کے برعکس زینب کے چہرے پر فکر و حیرت کی کوئی پرچھائی دکھائی نہ دی۔
زینب شارح کی آمد سے باخبر تھی اس لیے اس کی طرح ورطہ حیرت میں بھی نہ ڈوبی تھی۔رات کو جب وہ کوارٹر میں لوٹی تو نازیہ جلد ہی سو گئی۔مگر زینب کو نیند نہ آ رہی تھی اس لیے خاموشی سے دروازہ کھولے باہر لان میں اُسی پھول کے پودے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔جسے وہ گیسٹ روم سے دیکھا کرتی تھی آج بھی اس کی آنکھوں میں اس کے لیے وہی پیار تھا وہ محو حیرت و محبت تھی کہ اس کے کانوں میں گاڑی کے ہارن کی آواز پڑی۔
زینب کو ہارن کی آواز مانوس لگی تھی اس لیے تیزی سے پودوں کی آڑ میں چلی آئی۔ہارن کی آواز بلند ہوئی تو چوکیدار نے جلدی سے مین گیٹ کھول دیا پھر گاڑی پورچ میں آ کر رک گئی۔فرنٹ ڈور کے کھولتے ہی شارح گاڑی سے اُترا۔ایک لمحے کو رک کر ڈرائیور سے کچھ کہا

اور پھر اندر چلا گیا۔ شارح کے جاتے ہی ڈرائیور نے ڈگی کھولی اور سامان نکالنے لگا جس سے زینب نے اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً سامان کے بارے ڈرائیور سے بات کر رہا تھا۔ ڈرائیور کے جاتے ہی وہ بھی کوارٹر میں چلی آئی۔

زینب کو سوچوں میں ڈوبا پایا تو نازیہ نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا، جس پر وہ بولی۔

"کیا ہوا؟"

"زینب اتنا کچھ ہو گیا اور تم اب بھی پوچھتی ہو کیا ہوا؟......"

نازیہ یکدم رنجیدہ ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اُداسی کو دیکھتے ہوئے زینب نے پیار اور دلاسے کے انداز میں اس کے گال تھپتھپائے اور پھر خاموشی سے سینک کی جانب آ گئی۔ نازیہ سارا دن تفکرات میں غرق رہی حتی الامکان سعی کی کہ کوئی ایسا حل مل جائے جس سے زینب کے یہاں سے جانے والا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے مگر اس کی بساط میں کوئی بھی حل نہ تھا اس دن زینب کچھ دیر پہلے ہی کوارٹر میں چلی آئی۔ جب نازیہ لوٹی تو اُسے سوچوں کے سمندر میں غرق پایا۔

"لگتا ہے زینب کو بھی یہاں سے جانے کا دُکھ ہے......"

دروازے میں کھڑی وہ خود کلامی کر رہی تھی مگر جب زینب کو اپنی موجودگی کے احساس سے غافل پایا تو اس میں احساس بیدار کرنے لگی خود اس کے پاس آ بیٹھی۔ زینب کی گہری اور کھوئی ہوئی آنکھوں نے اس کے رنج و غم کو مزید بڑھا دیا۔ حتیٰ کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تسلی و تشفی کے لیے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبانے لگی تو اس کے جسم کی حدت نے جدائی کے غم کو یکدم کافور کر دیا۔

"ارے تمہیں تو تیز بخار ہے۔"

زینب نے ہذیانی انداز میں جواب دیا۔

"نہیں تو......"

نازیہ کی آنکھیں یکدم انگارہ ہو گئیں اور زبان شعلے اُگلنے لگی۔

"آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟...... ڈاکٹر کے پاس نہ جانے میں کیا راز ہے۔ تم نے اپنا دماغ بھی خراب کیا ہوا ہے اور میرا بھی۔ جانے تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو کسی بات کا تم پہ اثر ہی نہیں ہوتا...... اگر تمہارا یہی حال رہا تو جلد ہی خالق حقیقی سے جا ملو گی۔"

نازیہ جہاں اس کی صحت کی فکر میں گھلی جا رہی تھی وہاں زینب اتنی ہی لاپرواہی برت رہی تھی۔ نازیہ کو اس کے چہرے پر تفکر جیسا کوئی تاثر دکھائی نہ دیا۔ اُسے لگا کہ زینب کو اس بات

سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زندگی جیسی قیمتی دولت گنوا بیٹھے گی بلکہ اُسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے گنوانا چاہتی تھی۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"آخر تم زندگی سے ناراض کیوں ہو؟ مانا! کہ تمہیں زندگی میں بہت دکھ ملے ہیں تمہارے پیارے بچھڑ گئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم خود کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالو۔"

زینب دھیرج سے بولی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں......"

"ایسی ہی بات ہے...... چاہے تم مانو یا نہ مانو......"

زینب اس کے پارے کو نیچے لانا چاہتی تھی کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے غم میں گھلے۔ اس لیے اس کی توجہ ہٹانے کو دوسرا موضوع چھیڑ ڈالا۔

"تم کہاں رہ گئی تھی؟"

"کہیں نہیں بس شارح صاحب کے آنے تک سلمٰی بی بی نے رکنے کا کہا تھا۔"

"تو کیا وہ آ گئے......"

"ہاں...... تبھی تو آ پائی ہوں...... نیند سے گر رہی تھی مگر رکنا تو تھا نا!"

"کل تمہاری جگہ میں رک جاؤں گی تم سو جانا......"

"تو کیا تمہیں نیند نہیں آتی......"

اُسے خاموش پا کر خود ہی بولی۔

"تمہیں کہاں نیند آتی ہے...... مجھے تو لگتا ہے تم سونا ہی بھول گئی ہو۔"

کیوں میں نے صحیح کہا نا!

اس کے ہونٹوں نے کوئی جنبش نہ کی تو سلسلہ گفتگو جاری رکھنے کو خود ہی بول پڑی۔

"زینب کتنا اچھا ہو جو تم یہاں رہ جاؤ...... تمہیں تو نیند آتی نہیں لہٰذا رات تک تم کوٹھی میں رہ لیا کرو گی اور میں دو گھڑی آرام کر لوں گی۔ تمہاری طرح ان بڑے لوگوں کو بھی نیند نہیں آتی...... میں بھی کتنی پاگل ہوں اُنہیں تو نیند آتی ہے اگر رات دیر سے سوتے تو بیدار بھی کوئی فجر کے وقت تھوڑی ہوتے ہیں وہ تو تم ہو جو اذان کی آواز کان میں پڑتے ہی بستر چھوڑ دیتی ہو مبادا اس کے کہ رات سوئی بھی تھی یا نہیں۔"

"......بس میں نے سوچ لیا ہے میں صاحب جی سے بات کروں گی۔"

زینب نے اس کو فہمائش کی۔

"تم کچھ مت کہنا...... کیونکہ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ ویسے بھی میں بہت معمولی ہوں میری خاطر......"

نازیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم میرے لیے معمولی نہیں......"

اب زینب جواب دیئے بنا لیٹ گئی نازیہ پہلے ہی اپنے بستر پر جا چکی تھی۔ لیٹتے ہی اس نے آنکھیں موندھ لیں مگر نازیہ چارپائی پر بیٹھی پلان بنانے لگی تھی کہ وہ کس طرح اُسے یہاں روک سکتی تھی۔ کبھی ہاتھ جوڑ کر منت وسماجت کرنے کی اداکاری کرتی تو کبھی آنکھوں میں آنسو بھر کر اس کے یہاں رُکنے کے بارے دلائل دیتی تھی مقصد میں کامیابی کی امید روشن لیے وہ لیٹ گی اور پھر جلد ہی اس کی آنکھ لگ گی۔

☆

صبح کوٹھی میں آتے ہی نازیہ نے اپنی نظریں شارح پر جما دیں تھیں وہ جہاں بھی جاتا وہ چپکے چپکے اُسے دیکھتی رہتی تھی تا کہ اگر وہ کہیں اکیلا نظر آ جائے تو وہ بات کر سکے۔ آخر کار اُسے یہ موقعہ میسر آ ہی گیا۔ آفس کے لیے جب وہ پورچ میں گیا تو وہ زینب سے نظر بچا کر اس کے پیچھے چلی آئی۔ شارح فرنٹ ڈور کھول رہا تھا کہ وہ پاس آ کھڑی ہوئی۔

"صاحب جی مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

شارح نے لاپروائی سے پوچھا۔

"بولو کیا بات ہے؟"

"وہ صاحب جی......" وہ ہکلائی۔

"تم شام میں بات کر لینا فی الحال میں جلدی میں ہوں۔

"نہیں صاحب جی مجھے ابھی بات کرنی ہے......"

"تمہیں پیسے ویسے کی ضرورت ہے تو جا کر اپنی بیگم صاحبہ سے لے لو......"

"جی مجھے پیسے کی ضرورت نہیں......"

اس بات پر وہ ورطہ حیرت میں ڈوب گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس سے زیادہ اہم بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"بس صاحب جی میں آپ کے پانچ منٹ لوں گی۔"

"بولو...... کیا بات ہے؟"

"میری آپ سے درخواست ہے بلکہ اسے میری منت سمجھ لیں......"

"جلدی بولو......"

"صاحب جی آپ زینب کو یہاں رہنے دیں......"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ میرا اس کے بغیر دل نہیں لگتا......"

شارح سٹپٹا کر رہ گیا۔

"تو یہ بات کرنا تھی تمہیں۔"

"جی صاحب جی...... اگر آپ زینب کو یہاں سے لے جائیں گے تو پھر میرا بھی گاؤں واپسی کا انتظام کر دیں۔"

نازیہ نے بے دھڑک کہہ دیا جس پر شارح متحیر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مگر بات کو ٹال کر بولا۔

"فی الحال تم جاؤ اور اپنا کام کرو اس کے بارے فیصلہ بعد میں کیا جائیگا۔"

وہ خاموشی سے پورچ سے واپس چلی آئی تھی شارح گاڑی کا سٹیرنگ سنبھالتے ہوئے بولا۔

"بالکل پاگل ہے...... زینب بھلا یہاں کیسے رہ سکتی ہے۔"

☆

دو دن زینب کے جانے کے بارے کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ نازیہ پوری طرح الرٹ ہو کر اپنے گرد و پیش کا معائنہ کر رہی تھی مگر اُسے کہیں سے بھی خطرے کی کوئی بو نہ آئی۔ سلمٰی، میمونہ بیگم حتیٰ کہ شارح نے بھی کوئی بات نہ کی جس سے اُسے پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ خطرہ ٹل گیا اب وہ شانت ہو سکتی تھی اس کی ساری سوچیں اور فکریں کافور ہو گئیں اور اس نے سکھ کا سانس لیا۔ زینب کو اُداس دیکھتے ہی اس کے پاس چلی آئی اور شوخی سے بولی۔

"دیکھا زینب میں کامیاب ہو گی۔ پتہ نہیں تمہیں یہ بات بتانا چاہیے یا نہیں...... مگر چلو بتائے دیتی ہوں...... میں نے شارح صاحب سے تمہارے بارے بات کی تھی اس لیے اُنہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اسے کہتے ہیں...... ہمت مرداں مدد خدا...... اگر میں بھی تمہاری طرح ڈری سہمی رہتی تو آج آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہوتی...... زینب اس ڈر خوف سے نکل آؤ ورنہ زمانہ تم سے تمہارے حصے کی خوشیاں بھی چھین لے گا......"

"کیا لفظ بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جذبے کسی زمرے میں نہیں آتے......"

اس نے استعجاب بھرے لہجے میں پوچھا تو نازیہ نے جواب دیا۔

''ہاں لفظ......لفظ ہی سب کچھ ہوتے ہیں جذبوں کو کون دیکھتا ہے۔بس جس کی زبان سے جو ادا ہوا دوسرا صرف وہ ہی سن اور سمجھ پاتا ہے۔اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ آیا اس کے لفظوں میں جذبوں کی آمیزش تھی بھی یا نہیں...... ہر جذبہ لفظوں کا محتاج ہوتا ہے صرف لفظوں کا......اس لیے تم بھی کہہ ڈالو جو تمہارے دل میں ہے۔کیا تمہارے دل میں کوئی بات ہے؟''

اس کی انکوائری پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اچھا میں سلمٰی بی بی کے کمرے میں جا رہی ہوں......''

اُس کے جاتے ہی زینب اس کی باتوں پر غور وغوض کرنے لگی۔نازیہ جس سرشاری کے عالم میں سلمٰی کے کمرے کی طرف آئی تھی وہ چونچالی اور بشاشت یکدم کافور ہوگی۔جب اس کے کانوں میں شارح کی آواز پڑی۔

''وہ سلمٰی میں نے زینب کے لیے ایک اچھے سے دارالامان کا بندوبست کرلیا ہے انشاءاللہ ایک دوروز تک اُسے وہاں بھجوادونگا۔''

''آپ نے یہ سب کب کیا......میرا مطلب ہے ابھی آپ کو آئے تین چار روز ہی تو گزرے ہیں۔''

''وہ کسی کام کے کرنے کو یہ کیا کم دن ہیں؟''

''نہیں......مگر''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی شارح نے سلسلہ گفتگو دوبارہ جوڑا۔

''پہلے ہی کافی دن بیت چکے ہیں۔''

اس کے لیے اب ایک منٹ بھی وہاں گزارنا مشکل ہوگیا تھا لہٰذا دروازہ کھولنے کی بھی جسارت نہ کی اور باہر سے ہی پلٹ آئی۔تو اس کا ذہن سوچوں و تفکرات کے گرد گھومنے لگا۔زینب نے انہیں بھانپ تو لیا تھا مگر اس کی بابت دریافت نہ کی آخر کار نازیہ خود ہی دل کی بات زبان تک لائی۔

''وہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے۔''

نازیہ کا جملہ سنتے ہی ایک ساعت کو اس کے کام کرتے ہاتھ رک گئے مگر جلد ہی اس نے اس کیفیت پر قابو پالیا اور اسی طرح کام میں محو ہوگی۔نازیہ بھی منہ لٹکائے اپنے کام میں لگ گی۔

☆

سلمٰی نے شوہر کو کنونس کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانا تو اس نے استفسار کیا۔

''کیا وہ یہاں نہیں رہ سکتی؟''

''وہ یہاں کیوں رہے؟''

''وہ یہاں کیوں نہیں رہ سکتی؟''

''تم سب اُسے یہاں رکھنا کیوں چاہتے ہو؟''

وہ چونک کر بولیں۔

''کون سب؟''

''ایک روز پہلے نازیہ بھی مجھ سے یہ ہی کہہ رہی تھی کہ صاحب جی زینب کو یہاں رہنے دیں۔ورنہ مجھے واپس بھجوادیں......''

''ٹھیک ہی تو کہتی ہے......''

''تم ہم اس کی مرضی کے بغیر اُسے یہاں پابند کرنے کا اختیار نہیں رکھتے......''

''اگر اُسے کوئی اعتراض نہ ہوتو......''

''وہ رضامند نہ ہوگی اور پھر ماما کو بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔''

''آپ ماما کی فکر نہ کریں......زینب کو بھی اعتراض نہیں۔''

"let's see"

☆

کھانے کے دوران شارح نے ایک بار پھر زینب کی رہائش کا بندوبست ہوجانے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''ماما زینب کا بندوبست ہوگیا ہے......''

اس سے قبل کہ میمونہ بیگم بیٹے سے کچھ کہتیں شارح کے موبائل پر رنگ ہوئی اور وہ کسی سے محو گفتگو ہوگے۔ادھر کچن میں نازیہ غصے سے تلملا رہی تھی۔اس کا خون کھول رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کوئی چیز اُٹھا کر دے مارے۔لہٰذا باتوں سے ہی خود کو تسکین دینے کی سعی کرنے لگی۔دل کا غبار نکالنے کو تند و تیز لہجے میں بولی۔

کیا ہو جاتا جو تمہیں یہاں رہنے دیتے مگر ان بڑے لوگوں کے مزاج بھی بڑے نرالے ہوتے ہیں......گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ......ابھی کل ہی کی تو بات ہے صاحب جی کو تمہارے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہ تھا اور آج کتنے آرام سے کہہ رہے ہیں ماما زینب کی

رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔ بھلا تم کونسا ان پر بوجھ بنی ہوئی ہو سارا دن اپنی جان کھپاتی ہو اور اس کے عوض صرف دو وقت کی روٹی ہی تو کھاتی ہو...... مفت کی ملازمہ مل رہی ہے مگر پھر بھی اعتراض ہے۔

زینب چپ چاپ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی اس کی خاموشی اس کے طیش کو اور ہوا دے رہی تھی آخر اس نے زینب کو بھی اس کا نشانہ بنا ڈالا۔

''آخر تم کچھ بولتی کیوں نہیں ...... کیا یوں ہی گونگی بن کر عمر گزار دو گی کل کلاں کو کوئی بھی ایرا غیرا تمہاری زندگی کا فیصلہ سنا ڈالے گا تو کیا بت بنی رہو گی۔''

زینب اس کے پیشانی پر پھیلی شکن کو رفع کرنے کو ملائمت سے بولی۔

''فیصلے یہاں نہیں اوپر آسمان پر ہوتے ہیں۔ یہاں تو صرف ان پر عمل درآمد کیا جاتا ہے...... انہیں عملی جامہ پہنا کر حقیقت کا روپ دیا جاتا ہے...... ہم تم کون ہوتے ہیں بولنے والے کسی بھی فیصلے کو سنانے والے۔''

وہ چڑ کر بولی۔

''ایک تو میں تمہارے اس صبر و تحمل سے بڑی تنگ ہوں۔''

پھر یکدم ہی اس کے لہجے کی ترشی زائل ہو گی

''مگر تم بھی سچ ہی کہتی ہو۔''

پھر شکوہ کرنے لگی۔

''ویسے زینب تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ پہلے بھی تم کونسا ہمارے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہو یہ تو میں ہی ہوں جو تمہارے لیے ہلکان ہوتی رہتی ہوں ...... تم یہاں سے چلی جاؤ گی تو آنکھیں میری ہی برسیں گی تم سکون میں آ جاؤ گی ...... ہم ...... یعنی میں تمہاری لگتی ہی کیا ہوں؟''

اس نے سرد آہ بھری پھر رونے لگی اس کی آنکھوں میں پھیلی نمی کو دیکھتے ہی زینب بھی رونے لگی۔ اس کے آنسو میں بے بسی، لاچاری نمایاں تھی اسے دیکھتے ہی نازیہ کو اپنے رویے پر ملال ہونے لگا۔

''زینب میں تو مذاق کر رہی تھی تم تو سچ مچ رونے لگی...... میں بہت بُری ہوں نا! مجھے معاف کر دو...... میں بھول گئی تھی کہ تم بھی ہماری طرح بے بس و مجبور ہو...... جس کی نہ کوئی رائے ہوتی ہے نہ کوئی مرضی بلکہ اس پر جو تھوپ دیا جائے اُسے وہی کرنا ہوتا ہے...... چاہے وہ بشاشت

سے کرے یا خفگی سے۔''

زینب کو گلے لگاتے اُسے دلاسا دینے کے علاوہ وہ اپنے لفظوں سے اپنے رویے کا ازالہ کرنے کی بھی سعی کر رہی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جذباتیت میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی اس کا کفارہ لازم تھا۔ میمونہ بیگم بھی خلاف توقع بیٹے کو رضا مند کرنے کی کوشش میں تھیں۔ سلمٰی ساس کی زبان سے زینب کے لیے ستائش و پسندیدگی کے الفاظ سن کر ہکا بکا رہ گئی یہ امید نہ تھی۔ سلمٰی کو اب اپنا ایک حمایتی مل گیا۔ مگر یہ ساری صورت حال شارح کی فہم و فراست سے بالاتر تھی۔ وہ اس رطب اللسانی کے پیچھے چھپی حقیقت کو جاننے کا اشتیاق رکھتا تھا۔

''ماما آخر آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟''

بیگم نے توضیحی انداز میں کہا۔

''بیٹا زینب ایک سمجھدار اور سلیقہ مند لڑکی ہے...... دیکھو تو سارے گھر کو کیسے مینج کر رکھا ہے۔ اس پورے ایک ماہ میں اس نے مجھے یا سلمٰی کو کسی شکایت کا موقع نہیں دیا...... پھر یہ بھی تو سوچو ایک دو سال میں نازیہ گاؤں چلی جائے گی اس کی ماں نے اس کا رشتہ طے کر دیا ہے تب بھی تو ہمیں کسی نہ کسی ملازمہ کی ضرورت پیش آئے گی ...... جب ہمیں کل تک وہ دو کرنا ہے تو کیوں نہ آج ہی عقلمندی کا ثبوت دیا جائے۔''

"you are right Mama but think for a moment we don't force her."

شارح کے سامنے حقیقت آ چکی تھی اس لیے وہ زینب کا عندیہ چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا آپ زینب سے پوچھ لیں۔''

میمونہ بیگم نے زینب کی رضا مندی جاننے کی حامی تو بھر لی مگر اس کے باوجود ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ انہی کے ہاں رہے۔ میمونہ بیگم نے زینب کو بلوا بھیجا زینب معاً چلی آئی۔ زمین پر نظریں جھکائے وہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی ہو گئی۔

''زینب آپ کیا چاہتی ہیں؟''

مگر اس سے قبل کے وہ شارح کے سوال کے جواب میں لب کشائی کرتی میمونہ بیگم نے اُسے آئندہ کے حالات سے آگاہی دینا ضروری جانا۔

''زینب فیصلہ تمہیں کرنا ہے مگر میں اتنا ضرور کہوں گی کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہیں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا...... ٹھیک ہے شارح نے تمہارے لیے جس ادارے کا

بندوبست کیا ہے وہ یقیناً اچھا ہی ہوگا مگر وہ پھر بھی غیر محفوظ ٹھکانا ہی ہوگا گھر جیسا تحفظ ملنا مشکل ہے......تم خوبصورت ہو جوان ہو کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ......تم مجھے سادہ اور بھولی بھالی سی لگتی ہو۔ کراچی کا ماحول کافی بگڑ چکا ہے تنہا اور جوان لڑکی بعض اوقات غلط ہاتھوں میں چلی جاتی ہے......پھر تم مجھے پڑھی لکھی بھی نہیں لگتی کوئی بھی تم سے کچھ بھی کروا سکتا ہے......"

سلمٰی نے بھی ساس کی باتوں کی تائید کی۔

"ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں......تم اچھی طرح سوچ کے فیصلہ کرنا......"

"آپ لوگ اُس بیچاری کو بھی تو بولنے کا موقعہ دیں......"

شارح نے سلمٰی کی بات کاٹتے ہوئے زینب کو بولنے کا موقعہ فراہم کرنے کو کہا اس لیے وہ خاموش ہوگئیں۔ اب ان کی نظریں زینب کو دیکھ رہی تھیں۔ ساس بہو اس کی زبان سے ہاں سننے کی خواستگار تھیں کیونکہ اس میں ہی ان کا فائدہ پنہاں تھا۔

"ہاں ہاں آپ بولو......"

شارح نے اس کے ہونٹوں کی جنبش کو دیکھتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کو کہا تا کہ وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر سکے۔

"آپ کی ناں کی صورت میں بھی ہمیں کوئی افسوس نہ ہوگا۔"

زینب نے ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر شارح کو دیکھا اور پھر فوراً نظریں جھکا لیں۔

"میں یہاں رہنا چاہتی ہوں......اگر آپ سب کو اعتراض نہ ہو تو......"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں یہاں کام کرنے کا معاوضہ ملے گا، کھانا، لباس اور چھت بھی میسر ہوگی تنخواہ بھی ملے گی۔"

زمین پر نظریں پیوست کیے زینب ہکلا کر بولیں۔

"مجھے......بس......سر......چھپانے کو......چھت چاہیے۔"

میمونہ بیگم نے زینب کو مزید کہنے سننے کا موقعہ ہی نہ دیا۔

"زینب تم جاؤ......بیٹا یہ بھلا کیوں پچھتائے گی ایک بے سہارا کے لیے محفوظ ٹھکانے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔"

سوچوں میں غلطاں زینب کچن میں چلی آئی نازیہ اُسے دیکھ کر والہانہ انداز میں آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔

"زینب میں بہت خوش ہوں اتنا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی......آج پرسکون نیند سوؤں

گی......شکر ہے خدا کا اس نے میری تنہائی کا بندوبست کر دیا ورنہ کوارٹر نما قید سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی......اگر کبھی دل چاہتا تھا کہ کسی سے بات کروں تو دیواروں کے سوا کوئی نہ ملتا تھا مگر اب......اب"

اس نے زینب کو خود سے پیچھے ہٹایا اس کے چہرے کو بڑے پیار و محبت بھرے انداز سے دیکھا اور پھر اُسی والہانہ انداز میں اُسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی خوشی آج بیان سے باہر تھی۔ اسی بشاشت کے عالم میں اس نے زینب کا ماتھا چوم لیا۔ زینب کے فیصلے سے سبھی خوش تھے۔ نازیہ کو اپنی تنہائی کی ساتھی مل گئی تھی۔ سلمٰی اور میمونہ بیگم کو ایک فرمانبردار ملازمہ جو ہمہ وقت ان کا حکم بجالانے کو تیار رہتی تھی۔ البتہ شارح کو یہ احساس ضرور ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے محسن کے ساتھ زیادتی کر دی ہے۔

احسان کا بدلہ محسن کو گھر کی ملازمہ کی صورت میں ادا کرنا پڑا اُسے غیر مناسب اور غیر اخلاقی لگا۔ شارح کو زینب سے آنکھ ملاتے ہوئے خجالت محسوس ہوتی تھی۔ وہ یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے گھر والوں نے اس کے طویل قیام سے تنگ آ کر اُسے ملازمہ بنا لیا تھا۔ مگر سلمٰی نے اس کے شکوک وشبہات زائل کر دیے۔

"زینب اپنی مرضی سے یہ سب کر رہی ہے۔ ماما نے روکا، میں نے منع کیا مگر وہ نہ مانی......ویسے وہ کافی سمجھدار ہے وہ جانتی ہے کہ یہاں وہ اطمینان وسکون سے رہ سکتی ہے اس کی عزت وآبرو محفوظ ہے تبھی اس نے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

شارح کو اطمینان ہو گیا اور ملال بھی جاتا رہا ورنہ تو اُسے احسان فراموشی کا ٹیکا اپنے ماتھے پر سجا دکھائی دینے لگا تھا۔ جو اُسے پریشان کیے ہوئے تھا۔ اُسے اپنی قد آور شخصیت چھوٹی دکھائی دینے لگی تھی۔

☆

ہاتھ میں پن پکڑے، نظریں اور سر کاپی پر جھکائے فروہ ہوم ورک کر رہی تھی۔ اس کے اردگرد بیڈ پر کتابیں اور کاپیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اپنے گردوپیش سے بے خبر وہ اپنی تمام تر توجہ ہوم ورک پر مرکوز کیے ہوئے تھی تا کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو جس کی وجہ سے اُسے کٹنگ کرنا پڑے۔ وہ ہر لفظ کو بڑی خوبصورتی اور صفائی سے لکھ رہی تھی۔ اُسے اس بات کی ہرگز پرواہ نہ تھی کہ اگر وہ یوں ہی ایک ایک لفظ کو لکھنے لگی تو اُسے سارا ہوم ورک نمٹانے میں بہت سا وقت درکار ہوگا۔

فروہ کا یہ روزمرہ کا معمول تھا کہ سکول سے لوٹتے ہی وہ یونیفارم چینج کرتی، منہ ہاتھ

دھوتی، کھانا کھاتی اور پھر بیگ اُٹھائے سیدھا اپنے روم میں چلی آتی۔ لائٹ آن کرتے ہی سارا بیگ بیڈ پر اُنڈیل دیتی اور خود ان کاپیوں کتابوں کے درمیان بیٹھ جاتی۔ سب سے پہلے اس کی نظر ہمیشہ ڈائری پر پڑتی اُسے اُٹھاتی بڑی اطمینان کے ساتھ اس کا بغور مطالعہ کرتی اور پھر جو ہوم ورک اسے سب سے مشکل اور لمبا لگتا اُسے سب سے پہلے کرنے کو ترجیح دیتی۔ وہ ہر کام کو ڈیسنڈنگ آرڈر میں کرنے کی عادی تھی۔ آج بھی وہ میتھ کا ہوم ورک کر رہی تھی کیونکہ اُسے یہ ہی سب سے لینتھی لگا تھا۔

سکول کا کام نمٹانے کے بعد وہ گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹاتی لیکن اگر سکول کا برڈن معمول سے زیادہ ہوتا تو ماں کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی وہ کسی قسم کی مدد کو آمادہ نہ ہوتی تھی۔ فضیلت خود بھی کوشش کرتیں کہ وہ اس پر کسی کام کی ذمہ داری نہ ہی ڈالے۔ سکول کے کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ اکثر خود کا خیال رکھنا بھی بھول جایا کرتی تھی۔

سکول میں امتحان شروع ہونے والے تھے جس کی وجہ سے کل سے ٹیسٹ سیشن بھی شروع ہو رہا تھا۔ اس لیے آج وہ یونیفارم چینج کرنے کے فوراً بعد اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ کھانا کھانا تو درکنار وہ تو منہ ہاتھ دھونا بھی بھول گئی تھی۔ فروہ اس بات کو بخوبی جانتی تھی کہ وہ ایک ایوریج سٹوڈنٹ ہے اُسے محنت کی سخت ضرورت تھی۔ اگر وہ محنت نہیں کرتی تو کامیابی حاصل کرنا مشکل ہو سکتا تھا۔ یہ اس ریئل سٹک اپروچ کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ خوب محنت کرتی تھی اور آج جو وہ خود کو بھولی ہوئی تھی تو اسی بنا پر۔ سکول سے واپسی پر جب اس نے ڈائری کھولی تو ایک لمحے کو سوچا جانے وہ یہ سب کر پائے گی بھی یا نہیں مگر فوراً دماغ میں خیال آیا کہ ایک محنتی انسان کے سامنے پہاڑ بھی کنکر ہوتا ہے اسی سوچ نے اسے ریلکس کر دیا۔ ڈائری کو پڑھتے ہوئے فکر کے جو تاثرات اس کے چہرے پر پھیل گئے تھے وہ اب زائل ہو چکے تھے اور وہ بڑے انہماک اور تسلی سے اپنا کام کر رہی تھی۔

فاریہ جوں ہی کھانا لیے دروازے کے قریب پہنچی تو بہن کو محو پا کر غصے میں آ گئی۔ قدم وہیں رک گئے پیشانی شکن آلودہ ہوئی تو آنکھیں بھی انگارہ بن گئیں۔ مگر جلد ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔ فاریہ کو جب بھی غصہ آتا تھا تو وہ اس کو فوراً ہی کنٹرول کر لیا کرتی تھی۔ اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کسی کو اذیت نہ پہنچائیں۔ جوں ہی خود پر کنٹرول پایا کمرے میں چلی آئی۔ بیڈ کے قریب آ کر ٹرے بہن کے ہاتھ میں تھمانے سے قبل کاپی اور پن اس کے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف رکھ دیا اور پھر ٹرے تھماتے ہوئے بولی۔

''یہ..... لو آپی۔''

جوں ہی اس کی زبان سے آپی لفظ ادا ہوا فروہ نے ایک ساعت کا توقف کیے بغیر اس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو فوراً جان گئی کہ وہ اس سے خفا تھی۔ گو اس نے کچھ ایسا نہ کہا تھا کہ جس کو سن کر کوئی کہہ سکتا کہ وہ ناراض تھی مگر اس کا صرف آپی کہہ دینا ہی فروہ کو اس کی خفگی کا پتہ دے رہا تھا۔ بے شک فروہ فاریہ سے بڑی تھی مگر چونکہ دونوں بہنوں میں صرف ایک ڈیڑھ سال کا فرق تھا اس لیے فاریہ نے اُسے کبھی آپی نہ کہا تھا۔ یہ صرف اُس صورت میں ہوتا جب وہ اس پر برہم ہوتی۔ آج اس کی برہمی آشکار ہو رہی تھی۔ مگر فروہ اس خفگی کا سبب نہ جان پائی تھی اس لیے استفسار کیا۔

''کیا بات ہے تم غصہ کیوں ہو رہی ہو؟''

اس نے ذرا سی تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''میں..... میں..... نہیں میں غصہ نہیں ہو رہی۔''

''بتاؤ فاریہ..... کیا بات ہے؟''

اس کے لہجے میں ترشی آ گئی۔

''مانا! کہ تم بہت محنتی اور ریسپونسیبل سٹوڈنٹ ہو..... مانا! کہ تم نہیں چاہتی کہ ٹیچرز تمہاری انسلٹ کریں..... مانا! کہ امی ابو کے سامنے اچھا بننا چاہتی ہو۔ مگر تم کیونکر بھول جاتی ہو کہ ایک صحت مند جسم میں ہی ایک صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ پہلے ہی دبلی پتلی سی ہو اگر کھاؤ گی نہیں تو رہی سہی صحت بھی گر جائے گی اور یہ سب نہ کر پاؤ گی جو کرنا چاہتی ہو۔''

''زیادہ تقریر نہ کرو..... میں بھول گئی تھی۔''

فروہ نے لاپرواہی سے کہا اور دوبارہ کاپی پن پکڑ لیا۔

''بس کھانا پینا ہی بھول جایا کرو.....''

اس نے غصے سے کہا تو فروہ نے جواب دیا۔

''آج ہی بھولی ہوں.....''

''مگر فروہ جی امی نہیں بھولتیں..... وہ پریشان ہو رہی تھیں کہ ان کی کمزور بیٹی ابھی بھوکی ہے وہ تو خود آنا چاہ رہی تھیں میں نے ہی منع کر دیا سوچا خود ہی تمہاری کلاس لوں.....''

''تم نے بتانا تھا کہ آج کام زیادہ ہے۔''

فروہ نے وضاحت پیش کی مگر وہ مطمئن نہ ہوئی۔

"اگر پانچ منٹ کھانے کو دے دو گی تو کوئی حرج نہ ہوگا......"

"میں تمہاری طرح ذہین نہیں لہٰذا وقت ضائع کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"بس......بس زیادہ اموشنل نہ ہو......میرا دماغ بھی تمہارے جتنا ہی ہے......"

فاریہ نے دیکھا کہ وہ اب بھی کھانا کھانے کی بجائے کام میں مصروف تھی اس پر پھر غصہ آ گیا۔

"کھانا کھالو پھر چاہے پڑھتی رہنا......"

فروہ جانتی تھی کہ اب وہ اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑے گی جبکہ وہ کھانا نہ کھا لے گی لہٰذا کاپی پن بیڈ پر رکھا اور منہ ہاتھ دھونے باہر چلی آئی۔ فروہ کے جاتے ہی اس نے ٹی۔وی کا سوئچ آن کر دیا۔ جب وہ لوٹی تو بہن کو ٹی۔وی دیکھنے میں مصروف پا کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم نے ٹی۔وی آن کر دیا......اب تم اپنا وقت یوں برباد کرو گی۔ پھر رات کو جب ڈائری دیکھو گی تو خود بھی پریشان ہو گی اور مجھے بھی ٹنس کرو گی......"

"تب کا تب دیکھا جائے گا......"

فروہ نے اس کی بات کاٹ دی

"اب کیوں نہ دیکھا جائے؟"

فروہ نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانی۔ لہٰذا اس کے ساتھ سر کھپانے کی بجائے کھانا کھایا اور پھر اپنے کام میں محو ہو گی۔ پی۔ٹی۔وی پر اس وقت ڈرامہ ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا۔ ڈرامہ چونکہ دلچسپ نہ تھا لہٰذا بیس پچیس منٹ بعد خود ہی ٹی۔وی آف کر دیا مگر مورد الزام بہن کو ٹھہرا دیا۔

"لو تم خوش ہو جاؤ میں نے ٹی۔وی آف کر دیا ہے۔ خود کو پسند نہیں اس لیے کسی کو بھی دیکھنے نہیں دیتی......فروہ تم چاہتی ہو جو تم پسند کرو وہ سب پسند کریں۔"

"میں نے کب ایسا کہا؟"

"ابھی کہا نہ تھا یوں اپنا وقت برباد کرو گی۔"

"وہ تو میں نے تمہارے بھلے کو کہا تھا......"

"اپنی مرضی کو میرا بھلا کہہ رہی ہو۔"

"اچھا! بابا مجھے معاف کر دو......دیکھو شوق سے دیکھو۔"

"اب میں نہیں دیکھوں گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

فروہ نے مزید بحث کرنا مناسب نہ جانا۔ واقعی فروہ کو ٹی۔وی میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ البتہ فاریہ فاریہ بہت شغف رکھتی تھی۔ فروہ کو فلم پسند تھی اور وہ بھی پرانی پاکستانی فلم۔ فلم کے متعلق اس کا خیال تھا۔

"فلم میں تین خوبیاں ہونا لازم ہے......نمبر ون فلم پاکستانی ہو......نمبر ٹو فلم پرانے دور کی ہو......نمبر تھری فلم بابرہ شریف کی ہو۔"

اگر یہ تینوں خوبیاں ایک جگہ اکٹھی ہو جاتیں تو وہ اپنا ضروری کام چھوڑ چھاڑ کر بھی فلم بینی کرتی تھی۔ فلم چونکہ ویک اینڈ پر لگتی تھی اس لیے آج تک اس کے کسی کام کا کوئی حرج نہ ہوا تھا۔ سینما وہ جاتی نہ تھی نہ تو ان کے گھر کا ماحول ایسا تھا اور نہ ہی وہ خود سینما جانا پسند کرتی تھی۔ پھر کیبل کا بھی کوئی چکر نہ تھا اس لیے پی۔ٹی۔وی پر جو فلم لگتی وہ ہی وہ دیکھتی تھی۔ اس لیے اسے کوئی دکھ یا ملال نہ تھا کہ اُس کے اس شوق کی وجہ سے اس کے کسی بھی کام میں حرج ہوا تھا۔

فاریہ نے بہن کو محو پایا تو منہ بسورتے ہوئے خود بھی اس کی تقلید کرنے کا سوچا۔ چونکہ وہ کمرے میں پڑھنے کی غرض سے تو نہ آئی تھی اس لیے بیگ لانے کے لیے اُسے کمرے سے باہر آنا پڑا۔ سکول سے واپسی پر اس نے بیگ صحن میں چارپائی پر ہی رکھ دیا تھا اب وہ صحن میں آئی بیگ اُٹھائے جب کمرے کی طرف جا رہی تھی تو فضیلت نے پوچھا۔

"فروہ نے کھانا کھا لیا......"

"جی امی......"

"تم اب بیگ اُٹھائے جا رہی ہو اتنی دیر سے کیا کر رہی تھی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا تو فضیلت خود ہی بولیں۔

"جاؤ اب جا کر پڑھو......"

وہ کمرے کی طرف چلی آئی اور فضیلت نے صحن کا رخ کیا۔ کمرے میں آ کر بیڈ پر تھوڑی سی جگہ بنائی اور بیگ وہاں رکھ کر بیٹھ گی۔ سب سے پہلے ڈائری نکالی اور پھر جوں ہی سرسری سا جائزہ لیا تو پریشان ہو گی۔

"کام تو زیادہ ہے میں کیسے کروں گی......فی الحال رہنے دیتی ہوں"

ڈائری بیگ میں رکھ دی اور خاموشی سے بیٹھ گئی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی پھر جب فروہ کو اب بھی مصروف پایا تو دوبارہ خیال آیا کہ کچھ کیا جائے اب ذہن میں ڈائری میں لکھے ہوم ورک

کو دوہرانے لگی۔

"میتھ یا سائنس ...... نہیں دونوں نہیں اُردو کا نہیں وہ بھی نہیں ...... انگلش ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔ میں کیا کروں میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا......"

وہ فروہ سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر اسے مصروف پا کر کوئی بھی بے تکی بات کرنا اُسے غیر مناسب بھی لگا تھا اب اس کے ذہن میں خیال آیا۔

"کیوں نہ مشورہ ہی لے لیا جائے ...... یقیناً فروہ کو غصہ نہیں آئے گا" بلکہ مزید کچھ سوچنے کی بجائے فروہ سے استفسار کیا۔

"کونسا ہوم ورک کر رہی ہو۔"

"سائنس کا......"

"باقی سب کر لیے کیا؟"

"فی الحال میتھ کا ہی ختم کر پائی ہوں......اب سائنس کا کر رہی ہوں وہ بھی ختم ہونے والا ہے......"

اس کی بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ فاریہ نے سوال کیا۔

"اس کے بعد کونسا کرو گی؟"

"جو ان دونوں کے بعد مشکل محسوس کروں گی۔"

"اچھا!...... میں کونسا کروں؟"

"جو تمہارا جی چاہے......"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم بتا دو......"

"کیوں سمجھ نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب کیوں سمجھ نہیں آ رہا......بس نہیں آ رہا تو نہیں آ رہا......"

"سمجھ نہیں آ رہا یا تم سمجھنا نہیں چاہ رہی......"

"فروہ میں سیریس ہوں......پلیز بتاؤ نا!"

فروہ نے اس کی سمت دیکھا وہ واقعی سنجیدہ تھی۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی اور لہجے کی لجاجت کے پیش نظر اس نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

"اچھا! میتھ کی ایکسرسائز حل کر لو......"

"ماشاء اللہ اتنا مشکل...... پتہ بھی ہے پوری ایک ایکسرسائز سولو کرنا ہے کل پندرہ

questions ہیں......یہ آسان نہیں۔"

"ایک نہیں تین ایکسرسائز ہیں......"

"کیا؟" اس نے استعجاب بھرے لہجے میں پوچھا۔

"فروہ تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے......"

"غلط فہمی مجھے نہیں تمہیں ہو رہی ہے...... میں نے خود تین ایکسرسائز سولو کی ہیں اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو ڈائری دیکھ لو۔"

فاریہ نے بہن کو جھوٹا ثابت کرنے کو جلدی سے بیگ میں سے ڈائری نکالی مگر ڈائری دیکھتے ہی خفیف ہو گی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی تھی...... چلو ایسا کرتی ہوں فی الحال اس سبجیکٹ کو چھوڑ دیتی ہوں......تمہارا کیا خیال ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

"فروہ کسی دوسرے سبجیکٹ کے بارے مشورہ دو۔"

"میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے رہی۔"

"پلیز......پلیز میری پیاری بہن۔"

"اچھا......اچھا! زیادہ مسکے نہ لگاؤ......میرا مشورہ تم مانتی تو ہو نہیں پھر رائے کیوں چاہتی ہو؟"

"پلیز......"

فروہ نے بہت کوشش کی کہ وہ اس سے پیچھا چھڑوا لے مگر ایسا ممکن نہ ہو پایا اس بحث میں اُسے صرف اپنا وقت ضائع ہوتا نظر آ رہا تھا اور وہ ایسا نہ کرنا چاہتی تھی وہ اس بیش قیمت سرمائے کو یوں کیونکر برباد کر سکتی تھی لہٰذا ہار مان لی۔ کتاب ایک طرف رکھی اور ڈائری پڑھتے ہوئے فاریہ کی مشکل کا حل تلاش کرنے لگی۔

"اچھا! تم مطالعہ پاکستان۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک!......اب تمہارا کام ختم ہوا...... تم اپنا کام کرو اور مجھے میرا کرنے دو۔ تھینکس......"

فروہ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ

سکون سے اپنا کام کر پائے گی فکر کی کوئی تلوار اس کے سر پر نہ لٹکے گی فاریہ تو اس سے بات کرنے کی خواہاں تھی لہٰذا پانچ منٹ بعد ہی دوبارہ اسے مخاطب کرلیا۔

"آئی۔ایم۔سوری......"

فروہ سبک کر بولی۔

"اب کیا مسئلہ ہے؟"

چہرے پر مصنوعی سنجیدگی لیے وہ بولی۔

"میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ مجھے کتنا وقت لگے گا...... میرا مطلب اس سبق کو یاد کرنے میں......"

فاریہ کے استفسار پر وہ غصے میں آگئی۔

"مجھے کیا پتہ؟"

"بتاؤ نا!"

"فاریہ میرا سر نہ کھاؤ اپنا کام کرو اور مجھے بھی کرنے دو......تم تو سب منٹوں میں نمٹا لوگی......مگر مجھے۔"

اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتی فاریہ نے کہا۔

"اچھا! اچھا!......تم اپنا کام کرو میں خود اندازہ لگا لوں گی۔"

فاریہ بہن کے متضاد تھی اگر فروہ ڈیسنڈنگ آرڈر میں کام کرنے کی عادی تھی تو وہ آسیکنڈنگ۔ اگر وہ ذمہ داری تھی تو فاریہ لاپرواہ۔ اگر فاریہ بات بے بات پریشان ہو جاتی تھی تو وہ اُسی قدر پرسکون رہتی بلکہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو بھی ٹھنڈے دل سے حل کرتی تھی۔ فاریہ کسی سے اگر سخت الفاظ بول لیتی تو پھر خود پریشان ہو جاتی اب بھی وہ بہن سے ہونے والی بات کے بارے پریشان تھی اس لیے اس سے بات کر کے یہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ آیا وہ اس سے ناراض تو نہیں فروہ کے غصیلے لہجے نے اسے اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ اس سے خفا نہیں۔

فضیلت کب سے فاریہ کو آوازیں دے رہی تھیں مگر جب وہ نہ آئی تو خود ان کے کمرے کی طرف چلی آئیں مگر اُسے مصروف پا کر دروازے سے ہی واپس پلٹ گئیں۔

"شکر ہے خدا کا پڑھ رہی ہے......"

فاریہ بمشکل پندرہ بیس منٹ ہی دل لگا کر سٹڈی کر پائی تھی اُسے بے چینی سی محسوس ہونے لگی اسی اضطراب کی بنا پر اُس نے کتاب ایک طرف رکھی اور فروہ کو دیکھنے لگی وہ اب بھی

اُسی طرح گردوپیش سے بے نیاز تھی۔ آہستہ سے بیڈ سے اُٹھی دبے قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی ٹی۔وی کے قریب آئی سوئچ آن کیا اور پھر فرش پر ہی دوزانو بیٹھ گی۔ بہن کی ڈسٹربنس کے پیش نظر والیم بالکل لو کر دیا۔ مگر اب آواز بالکل سنائی نہ دے رہی تھی لہٰذا تھوڑا سا والیم ہائی کیا تو خوشی سے جھوم اُٹھی۔

ٹی۔وی پر اس وقت میوزیکل پروگرام آن ایئر تھا۔ فاریہ فلم اور ڈرامے کی بہ نسبت پروگرامز کو ترجیح دیتی تھی۔ پروگرام اگر موسیقی کا ہوتا تو اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی تھی۔ اب تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تبھی تو میں سوچوں مجھے بے چینی کیوں ہو رہی تھی۔ اگر میں نہ اُٹھتی تو آج کا پروگرام تو بس ہو مس جاتا نا!"

تشکر سے لبریز جملوں نے اس کے چہرے پر پھیلے اضطرات کے تاثرات کو زائل کر دیا۔

پچاس منٹ کے دورانیے کے اس پروگرام میں کئی سنگرز نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ سبھی کو وہ سراہ رہی تھی پروگرام کا آخری سنگر جب پرفارمس کے لیے کھڑا ہوا تو اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"یہ بھلا خاک گائے گا...... جان اس میں ہے نہیں۔"

مگر جوں ہی اس نے گانا شروع کیا وہ ششدر رہ گئی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور منہ سے بے اختیار نکلا۔

"Excellent"

اس بے ساختہ لفظ پر فروہ نے چونک کر ایک نظر ٹی۔وی پر ڈالی اُسے وہاں کوئی ایسی خاص بات نظر نہ آئی تھی جس کو دیکھ کر وہ جان سکتی کہ وہ اس وجہ سے اتنی پرجوش ہو رہی تھی مگر اس نے استفسار کرنے کی بجائے اپنا کام کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اگر وہ ایک بار اس سے بات کر لیتی تو پھر پیچھا چھڑوانا مشکل تھا۔

"Excellent voice"

اسی وقت پروگرام میں بریک آئی۔ فاریہ نے موقعہ غنیمت جانا لہٰذا بہن کی رائے جاننے کو اس سے مخاطب ہوئی۔

"اچھا پروگرام ہے نا!"

فروہ نے دھیمی سی آواز میں کہا۔

"سر منڈواتے ہی اولے پڑے...... اِدھر میں نے سوچا اور اُدھر شامت آ گئی۔"

”......کونسا پروگرام؟“

مجبوراً اس نے سوال کر ڈالا۔

”میوزیکل......“

فاریہ جانتی تھی کہ فروہ گردوپیش سے بے نیاز ہو گی اس لیے وضاحت پیش کر دی مگر یہ بھول گئی کہ اگر اس کی بہن نے سنگرز کو سنا ہی نہ ہو گا تو وہ اپنی رائے کا اظہار کیسے کر پائے گی۔

فاریہ کو اس بے رخی کی قطعاً اُمید نہ تھی اس لیے بولی۔

”مجھے تو ہے نا!“

”تو رکھو...... میں نے کب منع کیا ہے؟“

”میں نے کب کہا کہ تم نے منع کیا ہے......“

”پھر تنگ کیوں کر رہی ہو؟“

”تمہاری رائے جاننا تھی......“

”کس بارے؟“

”اس نئے سنگر کے بارے......“

”کونسا سنگر......؟ کس قسم کی رائے؟“

”یہ ہی سنگر جو ابھی گا رہا تھا......“

“I think he has melodious voice”

”مجھے نہیں پتہ......“

”ہونا چاہیے......“

”میں کیسے جان سکتی ہوں جب میں نے اُسے سنا ہی نہیں......“

”پروگرام شروع ہونے والا ہے آخری سانگ یقیناً وہی گائے گا تم اُسے سننا اور پھر میری بات کا جواب دے دینا very simple“

”فاریہ مجھے تنگ نہ کرو......تم جانتی ہو مجھے سانگ میں کوئی دلچسپی نہیں۔“

”پلیز فروہ......“

فروہ نے کوئی جواب نہ دیا چونکہ پروگرام دوبارہ شروع ہو گیا تھا اس لیے فاریہ نے بھی اس بات پر غور نہ کیا۔ یہ حسن اتفاق ہی تھا کہ فاریہ کی توقع اور منشا بر آئی۔ پروگرام کا آخری سانگ اُسی سنگر نے گانا شروع کیا۔ چونکہ سبھی سنگرز نے ایک ایک گانا گایا تھا اس لیے فاریہ کو

زیادہ یقین نہ تھا مگر اب جو اس کی مراد پوری ہوئی تو وہ بے ساختہ بولی۔

”تھینک گاڈ......“

اُس کو یوں محو پا کر فروہ نے خدا کا شکر ادا کیا مگر اگلے ہی لمحے بدک گی۔

”فروہ غور سے سننا......“

وہ تو سمجھی تھی کہ جان خلاصی ہو گی مگر فاریہ کی ایک آنکھ ٹی۔ وی پر جمائے ہوئے تھی تو دوسری کو بہن کے تعاقب میں لگا رکھا تھا۔ فروہ نے بھی کنکھیوں سے اس کی سمت دیکھا تو اس کی تشنہ نگاہ نے اسے مجبور کر دیا۔ ناگواری کے ساتھ کتاب بیڈ پر پٹخ دی چہرے پر خشونت بھرے تاثرات لیے تنک کر بولی۔

”اب خوش......“

”خوش......“

فاریہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ فروہ ہمیشہ اس کی مسکراہٹ کی خاطر اس کی بات مانا کرتی تھی کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہمیشہ مسکراتی رہے اسے بہن کا مسکراتا چہرہ بہت بھلا دیکھائی دیتا تھا۔

”اچھی آواز ہے نا!“

اس نے ناک منہ چڑھتے ہوئے بے زاری کے ساتھ تصدیقی مہر ثبت کر دی۔ فروہ کا ذہن کتابوں میں اُلجھا ہوا تھا وہ اس کو دیکھ تو رہی تھی مگر اس سنگر کی آواز جیسے اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ پائی تھی۔ وہ تو محض جان چھڑانا چاہتی تھی۔

”میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی بہت اچھی آواز ہے......اس سانگ کے lyrics بھی زبردست ہیں۔“

فاریہ کے منہ سے واہ! واہ کے الفاظ نکل رہے تھے اور فروہ سٹپٹا رہی تھی۔ اس کی کیفیت اس شخص کی مانند ہو رہی تھی جس کے آگے کھائی اور پیچھے کنواں ہوتا ہے اگر وہ بہن کی منشا کے مطابق ٹی۔ وی پر چلنے والی اس بکواس پر غور نہیں کرتی تو اس کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ تھا اور اگر سکول کے کام سے غیر ذمہ دار رویہ برتتی تھی تو ڈانٹ پٹنے کا احتمال تھا انسلٹ ہونے کا خدشہ تھا۔ وہ دل میں اُٹھنے والے اندیشوں کے پیش نظر خدا کے حضور دعا گو تھی کہ جلد از جلد اس پروگرام نما مصیبت سے جان چھوٹ جائے تا کہ وہ خوف کے زندان سے راہ فرار حاصل کر سکے۔ فاریہ نے جو بہن کو محو دیکھا تو سمجھی اُسے پروگرام بہت پسند آ رہا تھا ہے اس کی محویت کو اس کی

پسندیدگی اور دلچسپی کا انڈیکیٹر جانتے ہوئے سوالات کی یلغار کر دی۔

"تمہیں پسند آرہا ہے نا! تم پچھتا رہی ہوگی اتنا پروگرام مس کر دیا۔"

"مگر تم زیادہ پریشان نہ ہو بس یہی سنگر سب سے اچھا تھا...... lyrics بھی اچھے ہیں نا!"

فروہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ مگر فاریہ کو صرف مسکراہٹ دیکھائی دی طنز نظر ہی نہ آیا۔

"ویسے بچارے کی صحت کوئی خاص نہیں......"

فاریہ نے مسکراتے ہوئے بہن کو دیکھا۔

"بالکل تمہارا بھائی لگتا ہے......"

فروہ نے تھوڑا سا غور کیا تو دل و دماغ نے بہن کی رائے سے اتفاق کیا۔ مگر وہ ہونٹوں کو جنبش دے کر ہنکار بھرنا نہ چاہتی تھی آخر کو اس میں اُسی کی انسلٹ تھی ہنوز وہ اس بات کو کسی کے روبرو قبول نہ کرتی تھی آج کیونکر تسلیم کرتی۔ لہٰذا بہتری بہن کی بات کی تردید کرنے میں ہی نظر آئی۔

"کیا ہوا صحت کو...... اچھی خاصی تو ہے۔"

فاریہ اس طرفداری کے پیچھے چھپے راز کو بھانپ گئی تھی۔

"تم کب مانو گی......؟ کوئی بھلا اپنے پاؤں پہ کلہاڑی بھی مارتا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی تو فروہ نے بڑے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

"ایسے لوگ جوں ہی ٹین ایج سے نکلتے ہیں اتنے گریس فل ہو جاتے ہیں کہ پھر تم جیسے لوگ ہی ان کی تعریفوں میں آسمان و زمین کے قلابے ملانے لگتے ہیں۔"

دونوں میں بحث شروع ہوگئی فروہ اب کے ہار مان کر خود کو نیچا نہ دیکھانا چاہتی تھی اس لیے بھرپور حصہ لیا۔ اس بحث میں ہی پروگرام ختم ہو گیا۔ فاریہ سکرین پر چلنے والے نام پڑھ کر ہکا بکا رہ گی اس کو اُمید نہ تھی کہ ایسا ہو جائے گا۔ وہ ٹپٹا کر بولی۔

"خواہ مخواہ کی بحث میں اتنا اچھا سانگ مس ہو گیا...... میں نے یہ کیا کیا؟ صحت کسی کی فکر مجھے کیوں......؟ جو بھی تھا جیسا بھی تھا مجھے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے تھی...... فروہ آئندہ میرے ساتھ بحث نہ کرنا سارا گانا فضول بحث کی نظر ہو گیا ہے۔"

"میں کب بحث کرنا چاہتی تھی؟ تم خود ہی سوال پر سوال کیے جا رہی تھی؟"

اس کے چہرے پر خشونت، حزن و ملال کے تاثرات پھیل گے فروہ کی آنکھوں کے سامنے آئندہ کا منظر آ گیا۔

"اب یہ پریشان ہوگی بار بار اسی کے حوالے سے بات کرے گی پھر سوچتے سوچتے اس کے سر میں درد ہونے لگے گا...... ہمیشہ ہی فضول اور معمولی سی باتوں پر ٹینشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنا قیمتی وقت اس ٹینشن نما چیز کی جھولی میں ڈال دیا ہے...... ٹینشن تو اس کے گھر کی باندی لگتی ہے...... اس سے پہلے کہ یہ سب ہو مجھے اس کو ریلیکس کرنا ہوگا......"

یہ سوچتے ہی وہ بولی۔

"فاریہ اب اتنا افسردہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ گانا ہی تھا نا گانے روز ہی سنتی ہو۔ کل دوبارہ سہی۔"

"مگر یہ سنگر جانے اب کب گائے"

"تمہارا مقصد گانا سنتا ہے نا تو پھر کوئی سا بھی کسی بھی سنگر کا......"

"مگر مجھے اسی سنگر کا سنتا ہے اور آج ہی سنتا ہے......"

"اب یہ تو ہو نہیں سکتا۔"

"اسی بات کا تو دکھ ہے......"

فروہ سبک کر بولی۔

"فاریہ تمہاری اس عادت کی وجہ سے میرا خون کھولنے لگتا ہے جی تو چاہتا ہے تمہاری خوب خبر لوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تم مزید ٹنس ہو جاؤ گی......" اگر تمہیں پریشان ہونے کا اتنا ہی شوق ہے تو کسی ڈھنگ کی بات کو ذہن پر سوار کرو۔

"مثلاً......"

"مثلاً ٹسٹ کی ٹینشن لو سکول کی فکر کرو مگر اس کے کوئی تاثرات تمہارے چہرے پر دیکھائی نہیں دے رہے...... کم از کم اس فضول قسم کی پریشانی سے تو بہتر ہے کہ تم ایک اہم بات کے بارے سوچو......"

"میں...... میں اصل میں اسی وجہ سے ٹنس ہوں۔"

وہ ششدر رہ گی۔ تب فروہ کو یاد آیا کہ جب چھٹی ہوئی تو وہ سب سے پہلے کلاس روم سے نکل آئی تھی حالانکہ روٹین میں اس کی حتی الوسیع یہ ہی کوشش ہوتی تھی کہ کلاس کو خالی کر کے ہی قدم باہر نکالے۔ اس کے یوں غائب ہو جانے پر وہ کافی پریشان ہو گئی تھی۔ گھبرا کر کلاس فیلوز سے بہن کے بارے دریافت کیا تو سبھی نے نفی میں جواب دیا۔ تیز تیز ڈگ بھرتے ہوئے وہ سکول سے نکلی تب گیٹ کے قریب اُسے وہ منہ لٹکائے نظر آئی تھی۔

"تم یہاں کھڑی ہو اور میں سارے سکول میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی وہ تو سیڑھیاں اترتے شازیہ نے بتایا کہ تم باہر جا رہی تھی ورنہ میں سکول کی خاک ہی چھانتی پھرتی اور جانے کب تک خوار ہوتی رہتی...... خیریت تو ہے ساری کلاس کو رخصت کرنے والی میڈم آج جلدی چلی آئی......"

فاریہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگی مجبوراً فروہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ سارا راستہ کوئی خاص بات چیت نہ ہوئی سکول سے گھر تک کے بیس منٹ کے فاصلے کو پیدل طے کرتے ہوئے فروہ نے کئی بار وجہ دریافت کرنے کو پوچھا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟"

مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں بہنیں دوسری آبادی میں ایک پرائیویٹ سکول میں زیر تعلیم تھیں چونکہ پرائیویٹ سکول کی فیس سرکاری سکول سے زیادہ ہوتی تھی اس لیے وہ آنے جانے کے لیے کرایہ خرچ کرنے کی بجائے پیدل چلنے کو ترجیح دیتی تھیں۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ وہ والدین کا بوجھ بانٹ رہی تھیں اور خود کو سٹرونگ بھی بنا رہی تھیں۔ انہوں نے کبھی بھی ماں سے کرائے کی فرمائش نہ کی بلکہ اگر ماں نے دینا بھی چاہا تو کہہ دیا۔

"امی آپ کی بیٹیاں بڑی طاقت ور اور مضبوط ہیں اتنا سا فاصلہ انہیں تھکا نہیں سکتا۔"

فضلیت بیگم بیٹیوں کا جواب سن کر مسکرانے لگتیں۔

گھر لوٹتے ہی فروہ اپنے روم میں چلی آئی فاریہ کو تو جیسے وہاں جانے سے ڈر لگ رہا تھا اس لیے بیگ صحن میں پڑی چارپائی پر رکھا اور سستانے لگی۔ پھر اٹھی منہ ہاتھ دھویا یونیفارم چینج کیا اور کھانا کھانے بیٹھ گی۔ جب کھانا کھا چکی تب بھی بیگ کھولنے کی جسارت نہ کی بلکہ ماں کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگی۔ مگر جلد ہی فضلیت نے اُسے کہا۔

"چلو شاباش اب اُٹھو اور جا کر بہن کے پاس بیٹھ کر پڑھو...... اس کے لیے کھانا بھی لے جاؤ سکول سے آتے ہی سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی کھانا بھی نہ کھایا...... اُٹھو۔"

جب کمرے میں پہنچی تو بہن کو مصروف پا کر اُسے مزید ٹینشن ہو گئی۔ ٹی۔ وی دیکھ کر خود کو ریلکس کرنے کی کاوش بھی رائیگاں گئی۔ کیونکہ اس وقت بور ڈرامے نے اس کو کوفت کا شکار کر دیا۔ یہ وجہ نہ تھی کہ وہ یہ سب کر نہ پائے گی بلکہ اسے ہر بات کو ذہن پر سوار کر کے خواہ مخواہ پریشان ہونے کی عادت تھی۔ وہ بس اتنا جان لیتی کہ کام مشکل ہے تو فوراً گھبرا جاتی حالانکہ جب وہ اس کو کرنے بیٹھتی تو جلد ہی نمٹا لیتی تھی آج بھی اس نے کلاس فیلوز کو کہتے سنا تھا۔

"کل کے لیے بہت زیادہ کام مل گیا...... جانے کیسے مکمل کریں گے۔"

تو وہ فوراً ٹینشن کا شکار ہو گئی چونکہ ساری کلاس پریشان ہو رہی تھی اس لیے اس نے سوچا کہ اس کا ٹینس ہونا بھی لازم تھا اور پھر جو بہن کو یوں محو پایا تو یقین ہو گیا کہ پوری کلاس درست تھی اب وہ ٹینشن کو لیے بیٹھی تھی اس کا حل تلاش کرنے کی سعی بالکل بھی کرنے کو تیار نہ تھی۔ اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس نے صرف کہی سنی باتوں پر یقین کیا۔ پھر خود سے کہا۔

"تم جلد ہی سب نمٹا لو گی......"

اس خیال کے تحت ڈائری نکالی مگر پھر پندرہ منٹ کی پڑھائی نے ہی بور کر دیا اور اس نے یہ کہہ کر ٹی۔ وی آن کر دیا۔

"پہلے ٹینشن ریلیز کر لوں۔"

مگر اب اُسے لگا تھا کہ ٹینشن بڑھ گئی تھی۔ فروہ بہن کی سائیکی کو خوب سمجھتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اگر اسے کہا جائے گا کہ تم یہ سب منٹوں میں کر لو گی تو وہ بالکل ریلکس ہو جائے گی اور اگر اسے سمجھایا جائے کہ تھوڑی سی محنت درکار ہے تو پھر مشکل سے مشکل کام بھی جلد نمٹا لے گی۔ مگر اس کے لیے اس کے ساتھ کچھ وقت ضائع کرنا لازم تھا اور آج چونکہ برڈن زیادہ تھا اس لیے فروہ اس کو ریلیکس نہ کر سکی تھی اور اب اُسے غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"اچھا! تو اب میں سمجھی۔"

"شکر ہے آپ سمجھ گئیں۔"

"میں بھی کتنی بے وقوف ہوں جانتی بھی ہوں کہ تم سنی سنائی باتوں پر یقین رکھنے کی عادی ہو...... ٹینشن کو گلے لگانے کو ترجیح دیتی ہو حل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتی...... میں جانتی ہوں کہ تم سکول کا کام نہیں نمٹاؤ گی بلکہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہو گی کہ کلاس فیلوز کہہ رہی تھیں کام زیادہ ہے...... میں اتنا زیادہ کام نہیں کر پاؤں گی......"

فضلیت بیگم دونوں بہنوں کو باتیں کرتا سن کر ان کے کمرے میں چلی آئیں اور ڈپٹ کر بولیں۔

"فاریہ تم نہ خود پڑھنا اور نہ فروہ کو پڑھنے دینا......"

وہ بڑے مؤدب انداز میں بولی۔

"جی امی......"

وہ سٹپٹا کر بولیں۔

"شاباش......"

"شکریہ امی جی......"

فضیلت بیگم اب فروہ سے مخاطب ہوئیں۔

"فروہ تم کتاب اُٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو...... میری پاس بیٹھ کر پڑھو۔ اس نے تو اپنا وقت برباد کرنا ہے تم تو نہ کرو...... اُٹھو شاباش۔"

فروہ نے کتاب اُٹھائی اور خاموشی سے ماں کے ساتھ باہر صحن میں چلی آئی۔ ماں اور بہن کے جاتے ہی فاریہ نے بھی ناگواری کے ساتھ بیگ سے کتاب نکالی اور ان کے پاس چلی آئی۔ فضیلت بیگم چارپائی پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی اور فروہ سر جھکائے پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ بھی خاموشی کے ساتھ قریب بچھی چارپائی پر براجمان ہوگی۔ کتاب کھولی مگر پڑھنے کو جی نہ چاہ رہا تھا ورق گردانی کرتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا ماں کے چہرے پر ابھی بھی خفگی کے تاثرات تھے لہٰذا انہیں زائل کرنے اور اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کو بولی۔

"امی ابھی تو بس ٹیسٹ سٹارٹ ہوئے ہیں پھر امتحان ہونگے اور امتحان بھی سکول میں ہی ہونگے بورڈ کے تھوڑی ہیں کہ انسان مارکس نہ بڑھا سکے...... اگر سکول میں کم نمبرز آئینگے تو زیادہ محنت کروں گی اور بورڈ میں اچھے مارکس لے لوں گی...... آپ خفا نہ ہو۔"

"بس میری ماں دلائل نہ دو اور خاموش ہو کر پڑھو......"

"ٹھیک ہے......"

اب اس نے پڑھنا شروع کیا اس کا جھکا سر دیکھ کر فضیلت مسکرادیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں چلی آئیں اور فاریہ بھی کمرے میں چلی آئی۔ پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ سب کچھ یاد کر چکی تھی۔ ٹیسٹ سیشن کی وجہ سے انہیں صرف میتھ اور سائنس کا کام لکھنے کو ملا تھا مگر اب اس کا لکھنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ اس لیے اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ یوں ہی رات ہوگئی۔ کھانا کھانے کے بعد ٹی۔وی دیکھتی رہی اور جب سونے کو بیڈ پر لیٹی کو خیال آیا کہ ابھی ہوم ورک تو کیا ہی نہیں۔

"اوہ! شٹ......"

وہ ہڑبڑا کر بیڈ سے اُٹھی تو فروہ نے پوچھا۔

"اب کیا ہوا؟"

"وہ فروہ...... وہ فروہ......"

"کیا وہ...... وہ لگا رکھی ہے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو......"

"فروہ تم نے تمام کام نمٹا لیے......"

"ہاں...... مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"وہ...... میں نے میتھ اور سائنس...... کا...... کام تو لکھا ہی نہیں......"

وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔

"فاریہ تم جب اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی تو اس وقت خیال کیوں نہ آیا۔"

"آیا تھا......"

"تو پھر کیا کیوں نہیں؟"

"جی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"پھر تم ٹی۔وی دیکھنے بیٹھ گئی......"

"وہ تو خود کو ریلیکس کرنے کو دیکھ رہی تھی......"

"اور اب جو پریشانی کا سامنا ہے اگر فضول وقت ضائع کرنے اور محض ٹنشن کو سوار کرنے کی بجائے ہوم ورک لکھ لیتی تو ایسا تو نہ ہوتا......"

"اب میں کیا کر سکتی ہوں......"

"تم نے میتھ کا ہوم ورک تو کرلیا ہوگا۔"

"ہاں......"

"تو مجھے دے دو میں نقل کر لیتی ہو تم خود سوچو اگر میں خود questions سولو کرنے بیٹھ گئی تو رات گزر جائے گی...... سائنس کا تو میں دو منٹوں میں کرلوں گی جلدی کرو...... پلیز جلدی کرو مجھے نیند بھی آرہی ہے......"

"اچھا! اب زیادہ پریشان نہ ہو میں کاپی دیتی ہوں......"

فروہ نے بیگ سے کاپی نکال کر دی۔ کاپی پکڑتے ہی جلدی سے ہوم ورک لکھنے لگی۔ جلدی جلدی ہوم ورک مکمل کرلیا۔ جب سونے کے لیے لیٹی تو گھڑی پر نظر پڑی رات کے بارہ بج چکے تھے۔

"اتنی دیر لگا دی میں نے......"

پھر خود ہی جواب دیا۔

"کوئی ایک ایکسرسائز تھوڑی تھی پوری تین تھیں۔ اگر فروہ نے سولو نہ کی ہوتیں تو

رات تو گزر گئی تھی نا!"

پھر ہمیشہ کی طرح خود سے کہنے لگی۔

"فاریہ اب آئندہ ایسا مت کرنا جو ہوم ورک ملے اُسے فوراً ہی لکھ لینا۔ خواہ مخواہ میں ٹینشن میں مبتلا رہی تھوڑا سا کام تھا اگر آتے ہی بیٹھ جاتی تو اتنی رات گئے تک تو نہ جاگنا پڑتا...... بس اب آئندہ ایسا نہ کروں گی...... اب سو جاؤ ورنہ صبح آنکھ نہ کھلے گی اور سکول سے دیر ہو جائے گی۔"

وہ ہر بار ایسا ہی کہتی اور ہمیشہ ٹینشن ہی فتح یاب ہوتی تھی۔

☆

جوں ہی سکول پیئن نے گھنٹی بجائی کلاس ٹیچر نے لڑکیوں سے ٹیسٹ کو لیکٹ کرنا شروع کر دیے۔ ٹیسٹ ٹیچر کو تھماتے ہوئے لڑکیاں بیگز کی طرف لپکیں اور پھر جلدی جلدی بکس بیگز میں رکھنے لگیں۔ فاریہ چونکہ پہلے ہی ٹیسٹ دے چکی تھی اس لیے اس کا بیگ بھی تیار تھا۔ کلاس میں ایک افراتفری مچی ہوئی تھی کیونکہ سبھی جانتی تھیں کہ ان کو لینے کے لیے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آ چکا ہوگا۔ فاریہ فروہ کو ایسی کوئی فکر دامن گیر نہ تھی لہٰذا وہ بڑی مطمئن بیٹھی تھیں۔

فروہ بھی ٹیسٹ ٹیچر کے حوالے کرتے ہوئے بہن کے پاس چلی آئی تھی۔

"بکس رکھ لیں......"

فاریہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹیسٹ کیسا رہا؟"

"اچھا!"

ٹیچر لڑکیوں سے ٹیسٹ کو لیکٹ کرنے کے بعد جا چکی تھیں۔ اس لیے سبھی کلاس چھوڑنے سے قبل ایک دوسرے سے ٹیسٹ کے متعلق باز پرس کر رہی تھیں۔ دو تین لڑکیوں نے فاریہ سے بھی پوچھا مگر اس کے جواب دینے سے پہلے ہی خود ہی بول پڑیں۔

"یقیناً اچھا! ہی ہوا ہوگا۔"

پھر اس کے پاس کھڑی فروہ سے پوچھا اس کا جواب بھی اثبات میں تھا۔ اب وہ اپنے اپنے ٹیسٹوں کے متعلق فکر مند ہو رہی تھیں۔ فاریہ اطمینان سے بینچ پر بیٹھی بظاہر تو لڑکیوں کو دیکھ کر ہی مسکرا رہی تھی مگر اس کے دل و دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔ اس کی کلاس فیلوز میں سے جس کی بھی اس پر نظر پڑی وہ یہ ہی سمجھی کہ وہ ان کی بھگدڑ کی وجہ سے مسکرا رہی تھی۔ کیونکہ بہ نسبت ان کے وہ بڑے اطمینان سے بیٹھی محض کلاس خالی ہونے کی منتظر تھی۔ سب اپنی اپنی تیاری مکمل

ہونے کے بعد ایک دوسرے کو خدا حافظ کہتے ہوئے چلی آئیں۔ کلاس خالی ہو چکی تھی۔ فاریہ اب بھی مسکرا رہی تھی فروہ نے اسے جھنجھوڑا۔

"ساری کلاس خالی ہو چکی ہے چلو اب ہم بھی چلیں......"

اس نے جھنجھلا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ کلاس میں ان دونوں بہنوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

"ہاں...... ہاں چلو......"

پھر دونوں بہنیں بیگز اُٹھائے زینہ طے کرتی ہوئیں گراؤنڈ فلور پر چلی آئیں۔ ان کا سکول ڈبل سٹوری تھا۔ گراؤنڈ فلور پر نرسری سے ہفتم تک کی کلاسز ہوتی تھیں۔ جبکہ آٹھویں، نویں اور دسویں جماعت کے سٹوڈنٹ فرسٹ فلور پر ہوتے تھے۔ سکول کی پرنسپل کا خیال تھا کہ یہ تینوں جماعتیں بہت اہم ہوتی ہیں اس لیے یہاں شور شرابا نہیں ہونا چاہیے۔

گراؤنڈ فلور پر بہت سے سٹوڈنٹ تھے کچھ جا چکے تھے اور کچھ اپنے گھر والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ چند ایک لڑکیاں بھی تھیں۔ آٹھویں جماعت تک تو یہاں کو ایجوکیشن کا سسٹم رائج تھا مگر نویں دسویں جماعت میں صرف لڑکیاں ہی تھیں۔

بچوں اور لڑکیوں کے ہجوم سے نکلتی ہوئیں وہ دونوں گیٹ تک آ گئیں پھر جوں ہی دونوں نے گیٹ عبور کیا فروہ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"تھینک گاڈ...... چلو اب جلدی کرو تا کہ جلد از جلد گھر پہنچ سکیں۔"

فاریہ اب بھی تھوڑا تھوڑا مسکرا رہی تھی۔

"کل ٹیسٹ کی وجہ سے منہ لٹکا ہوا تھا اور آج بلا کے سر سے اترتے ہی کیسے کھکھلا رہی ہے۔"

"فاریہ کیا ٹیسٹ بہت ہی اچھا ہوا ہے؟"

"ہاں......" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

فروہ نے مزید پوچھ گچھ نہ کی وہ دونوں بہنیں گھر کی سمت چل رہی تھیں۔ اس کی لاپرواہی نے اُسے یاد دلایا۔

رات کو جب فروہ کی آنکھ کھلی تو وہ پریشان ہو گئی کیونکہ فاریہ سوتے میں مسکرا رہی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا اس لیے ایک لمحے کو تو وہ ڈر گئی۔

"کہیں فاریہ پر جن بھوت کا سایہ تو نہیں ہو گیا۔"

یہ سوچتے ہی اس کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ گھبرا کر بیڈ سے اُٹھ گئی۔

"میں اسے جگا دیتی ہوں......"

مگر اس سے بیشتر کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتی، بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روک لیا۔

"رات کو دیر سے سوئی تھی اگر جگایا تو نیند خراب ہو جائے گی ...... ہو سکتا ہے کوئی خواب دیکھ رہی ہو یا دیر سے سونے کی وجہ سے اس قسم کی حرکت کر رہی ہو۔ فی الحال سو جاتی ہوں صبح تصدیق کر لوں گی۔"

ڈر خوف کسی حد تک کافور ہو گیا تھا دوبارہ بہن کے پاس آ کر لیٹ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد آنکھ بھی لگ گئی۔ پھر صبح جو آنکھ کھلی تو کمرے میں لگی گھڑی کو سات بجاتے دیکھا۔ آنکھیں چونکہ پوری طرح نہ کھلی تھیں اس لیے اسے اپنی غلط فہمی سمجھا مگر جب غور کیا تو ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

"فاریہ...... فاریہ...... جلدی سے اُٹھو سات بج چکے ہیں ہمارے پاس صرف پچیس منٹ ہیں ہمیں سات پچیس پر ہر حال میں گھر سے نکلنا ہوگا......"

ایک منٹ کو تو فاریہ کو بھی یقین نہ آیا۔ مگر جب اپنی آنکھوں سے گھڑی کو سات بجاتے دیکھا تو گھبرا گئی جھٹ پٹ بستر چھوڑا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ سات پچیس تک گھر سے نہ نکل سکیں تو اسمبلی تو مس ہو گئی ہی فائن بھی ادا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ پونے آٹھ بجے تمام بچوں کو اسمبلی کے لیے گراؤنڈ میں کھڑا کر دیا جاتا تھا اور پورے آٹھ بجے سب اپنی اپنی کلاسز میں چلے جاتے تھے۔ صرف وہی بچے گراؤنڈ میں کھڑے رہ جاتے تھے جو لیٹ ہوتے۔ اب اُنہیں فائن الگ پے کرنا پڑتا اور ڈانٹ الگ پڑتی تھی۔ روزانہ وہ سات بجے تک ناشتے کے لیے کچن میں آ جاتی تھیں اب جو وہ نہ آئیں تو فضلیت بیگم اُنہیں آوازیں دینے لگی تھیں۔

"فاریہ...... فروہ جلدی سے آؤ تم لوگ سکول کے لیے لیٹ ہو رہی ہو......"

فروہ نے الماری سے جلدی سے یونیفارم نکالے اور اُنہیں پریس کرنے لگی۔

"فاریہ تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو لو تب تک میں تمہارا یونیفارم پریس کیے دیتی ہوں پھر تم میرا کرنا اور میں منہ ہاتھ دھو لوں گی......"

"ٹھیک ہے......"

فاریہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھونے کی کوشش کر رہی تھی مگر افراتفری کی وجہ سے کبھی بار بار اس کے ہاتھ سے صابن پھسل رہا تھا تو کبھی برش گر رہا تھا۔ پانی کہیں ڈالتی اور وہ گر کہیں اور جاتا تھا اِدھر فروہ اس کو جلدی باہر نکلنے کا کہہ رہی تھی۔

"میں کیا کروں جلدی میں ہر کام اُلٹا ہوتا جا رہا ہے......"

"اسی وجہ سے میں کہتی ہوں ہر کام وقت پر کیا کرو مگر تم یا تو مانتی نہیں ہو یا ٹینشن میں اپنا وقت ضائع کرتی رہتی ہو...... اگر رات جلدی سو جاتی تو اب یہ تو نہ ہوتا۔"

وہ کپڑے پریس کرتے ہوئے اُسے ڈانٹ رہی تھی۔

"اچھا! آئندہ نہیں کروں گی مگر فی الحال خاموش ہو جاؤ تاکہ میں آرام وسکون سے منہ دھو لوں اگر تم اسی طرح بولتی رہی تو پانچ منٹ دس منٹ میں بدل سکتے ہیں۔"

"اچھا! جلدی کرو......"

"پھر جلدی کروں......"

"اچھا بابا! اچھا! آرام سے نکلو اب تو خوش......"

"خوش......"

تھوڑا سا ریلیکس ہوئی تو برش بھی کر لیا اور منہ ہاتھ بھی دھو لیا۔ جوں ہی وہ واش روم سے نکلی فروہ نے استری اسے تھمائی اور خود منہ ہاتھ دھونے لگی فاریہ کی نسبت وہ جلد فارغ ہو گئی دونوں بہنوں نے یونیفارم پہنا اور بیگز تیار کرنے لگیں اِدھر فضلیت بیگم اُنہیں آوازیں دے رہی تھیں۔

اب آ بھی چکو سوا سات ہو چکے ہیں صرف پانچ منٹ ہے تم لوگوں کے پاس اگر نہ آئیں تو لیٹ ہو جاؤ گی۔

"کتاب بیگ میں رکھتے ہوئے فروہ نے بہن کو مشورہ دیا۔"

"فاریہ ناشتے سے پہلے کیوں نہ شوز پہن لیے جائیں تاکہ اگر وقت کی قلت ہو تو شوز پہننے کی فکر تو نہ ہو...... ناشتے کے بغیر تو جا سکتی ہیں مگر شوز پہنے بغیر جانا مشکل ہے۔"

"بالکل ٹھیک......"

دونوں بہنوں نے بیگز تیار کیے اور پھر شوز پہننے لگیں پھر ہاتھ دھونے کے بعد بیگز اُٹھائے کمرے سے باہر چلی آئیں۔ فضلیت بیگم ناشتہ تیار کرنے کے بعد بیٹھیں صرف اُن کا انتظار کر رہی تھیں۔ اُنہیں آتا دیکھا تو سبک کر بولیں۔

"بس پانچ منٹ ہیں تم دونوں کے پاس...... آج اتنی دیر کر دی تیار ہونے میں کیا دیر سے بیدار ہوئی ہو......؟"

ماں کے سوال پر دونوں ہی خاموش رہیں۔

"یقیناً رات بھر جاگتی رہی ہوں گی ...... کتنی بار کہا ہے جلدی سو جایا کرو مگر تم لوگ سنتی کب ہو...... آج ناشتے کے بغیر جاؤ گی تو عقل بھی ٹھکانے آ جائے گی اور آنکھ بھی خود بخود کھلنے

لگے گی......"

وہ جلدی جلدی نوالے منہ میں ڈال رہی تھیں اور فضیلت بیگم اُنہیں مسلسل ڈانٹ رہی تھیں۔انہیں بار باران کی غلطی کا احساس دلا رہی تھیں غلطی انہی کی تھی لہٰذا چوں چاں کرنے کی جرأت ہی نہ کی بلکہ چپ چاپ ماں کی ڈانٹ سنتی رہیں۔ان کی کوشش تھی کہ جلدی سے ناشتہ ختم ہو اور بھاگ جائیں مرتضٰی صاحب جو ناشتے کے لیے اپنے کمرے سے نکلے تو بیٹیوں کو بڑے بڑے نوالے لیتے دیکھا تو مسکرا کر بولے۔

"آج ہماری بیٹیوں کو کیا ہو گیا ہے......آرام سے کھاؤ بیٹا......کیا کوئی جن بھوت آ گیا ہے یا ڈر ہے کہ تمہاری ماں ناشتہ چھین لے گی۔"

فضیلت بیگم خشونت بھرے لہجے میں بولیں۔

"ان کے ساتھ ہونا تو ایسا ہی چاہیے تھا......"

"مگر آپ کو ترس آ گیا......"

مرتضٰی صاحب نے بیگم کی بات کاٹ دی اور پھر ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے بولیں۔

"آپ ٹھیک سمجھے......"

فاریہ جو خود پر ضبط کیے بیٹھی تھی باپ کو دیکھ کر خود کو مضبوط پانے لگی لہٰذا بولی۔

"ابو آج آپ کچھ نہ پوچھیں......آپ نہیں جانتے ہمارے ساتھ کیا ہوا......" وہ آج کچھ زیادہ ہی چہک رہی تھی مرتضٰی صاحب کو وہ بہت ہی پیاری لگی پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیا ہوا ہماری بیٹی کے ساتھ؟"

"ہمارے ساتھ......"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا مگر اس سے قبل کہ کچھ بولتی فضیلت بیگم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چپ چاپ ناشتہ کرو......"

"ابو جی اپنی روداد پھر کبھی سنائیں گے فی الوقت تو ہمارے پاس ٹائم کی کمی ہے اور ڈانٹ کا خوف بھی......"

فروہ نے بہن کو یاددہانی کروائی۔

"فاریہ باتیں بعد میں کرنا جلدی سے ناشتہ کرو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔"

"تم نے ناشتہ کر لیا کیا؟"

فاریہ کے استفسار پر فروہ بولی۔

"بس تمہاری منتظر ہوں......تم بھی جلدی کرو ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔"

فاریہ کا موڈ آج بہت ہی اچھا تھا لہٰذا خلاف توقع وہ کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔

"ابو یہ فروہ بھی میرے لیے بہت بڑی مصیبت ہے خود تو کھاتی کچھ نہیں مجھے بھی کھانے نہیں دیتی......آپ خود انصاف کریں اگر اس کی خوراک چڑیا کے برابر ہے تو اس میں میرا کیا قصور......"

مرتضٰی صاحب مسکرانے لگے اور فضیلت بیگم کی بھی ہنسی چھوٹ گئی مگر اس سے قبل کہ کسی کو اس کا علم ہوتا اس نے منہ دوسری سمت پھیر لیا۔فروہ نے جب دیکھا کہ فاریہ باتوں میں محو ہوتی جا رہی تھی تو اس نے بیگ اُٹھایا اور گیٹ کی سمت چلتے ہوئی بولی۔

"میرا خیال ہے تمہارا آج سکول جانے کا کوئی ارادہ نہیں لہٰذا مجھے جانا چاہیے......تم آج گھر پر رہو جی بھر کر کھاؤ اور خوب گپیں ہانکو......اللہ حافظ۔"

فروہ ابھی ایک دو فرلانگ کے فاصلے پر ہی گئی تھی کہ فاریہ نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ وہیں رکھا، جلدی سے بیگ اُٹھایا اور چلتے چلتے بولنے لگی۔

"ارے رُکو میں آ رہی ہوں......رُکو تو......بس ایک منٹ......اللہ حافظ ابو......اللہ حافظ امی۔"

دونوں میاں بیوی نے اللہ حافظ کہا۔ فاریہ کی آواز سن کر فروہ رک گئی۔ پھر اس کے قریب پہنچتے ہی دونوں نے سکول کی راہ لی۔گیٹ عبور کرتے ہی فروہ نے اُسے ہدایت دی۔

"آج ہمیں تیز چلنا ہے۔"

"جی......"

اس کی فرمانبرداری پر فروہ نے اس کی طرف دیکھا مگر اس کے دیکھنے سے پہلے ہی دوبارہ پہلی والی پوزیشن میں آ گئی۔دونوں بہنیں تیز تیز ڈگ بھرنے لگیں وقت پر سکول پہنچنے کی فکر نے ان دونوں کو یوں اپنے حصار میں لیا کہ وہ سب کچھ بھول گئیں۔سکول ٹائم میں بھی اُنہیں فرصت نہ ملی۔

"آج میں بہت خوش ہوں......آج مجھے حقیقی خوشی ملی ہے۔"

فاریہ کے جملے نے فروہ کی سوچوں کا سلسلہ موقوف کر دیا اس نے جھنجھلا کر اردگرد

دیکھا وہ دونوں بہنیں سڑک پر چل رہی تھیں۔

"فاریہ مجھے بھی تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"ہاں...... ہاں پوچھو......"

"مگر میں پہلے تمہاری خوشی کی وجہ جاننا چاہتی ہوں......"

"نہیں فروہ پہلے تم پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو کیونکہ ہوسکتا ہے میری خوشی تمہیں تمہارا سوال بھلا دے۔"

"تمہاری خوشی اتنی خطرناک ہے کیا؟"

"میرے لیے کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اگر خطرناک ہوتی تو خوشی نہ ہوتی۔"

"تو پھر بتاؤ......"

"نہیں میں نہیں بتاؤں گی کیونکہ میں جانتی ہوں تم مجھے ڈانٹو گی"

"میں بھلا کیوں ڈانٹوں گی...... میرا دماغ خراب ہے کیا؟"

"فروہ تم ہمیشہ ایسا ہی کہتی ہو مگر ہمیشہ ہی مجھے ڈانٹتی بھی ہو۔"

"تم بات ہی ایسی کرتی ہو...... اگر میں ڈانٹوں نہ تو تمہاری طبیعت سیٹ نہیں ہوتی......"

"تو پھر میں نہیں بتاتی۔"

"بتاؤ آج میں تمہیں نہیں ڈانٹوں گی۔"

"تم ہمیشہ ایسا ہی کہتی ہو...... تم کب مانوں گی کہ تم غلط ہو۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیا کہا تم نے فاریہ؟"

اس نے معاً پہلو تہی کر دی۔

"کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں۔ مگر تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم مجھے نہیں ڈانٹو گی۔"

"وعدہ......"

"پکا وعدہ......"

فروہ نے سٹپٹا کر کہا۔

"ہاں بابا ہاں...... وعدہ...... پکا وعدہ......"

"اچھا تو پھر سنو......"

وہ بڑے انہماک سے فاریہ کو دیکھنے لگی مگر وہ رک گئی۔

"اب بولو......"

"میں بتا دوں......"

"ہاں بتا دو......"

فاریہ پھر رک گئی اور کچھ سوچنے لگی۔

"اب بتا بھی چکو ورنہ میں سچ مچ ہائپر ہو جاؤں گی۔"

"ایک وعدہ اور کرنا ہوگا۔"

وہ سٹپٹا کر بولی۔

"اب کونسا وعدہ کرنا ہوگا مجھے؟"

"پہلے غصہ تو تھوکو......"

فروہ غصے میں تلملا رہی تھی مگر فی الوقت وہ ایسا نہ کرنے کی پوزیشن میں تھی اگر وہ غصہ ہوتی تھی تو بہن کے ناراض ہونے کا اندیشہ تھا لہٰذا غصہ پی لیا اور ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجالی۔

"میں نے غصہ تھوک دیا ہے اب تو بولو......"

"تمہیں یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تم میرا مذاق نہ اڑاؤ گی۔"

فروہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

"میں پاگل ہوں جو تمہارا مذاق اڑاؤں ...... تم تو میری پیاری بہن ہو۔ اچھا ایسا کرتے ہیں ڈیل کر لیتے ہیں...... اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کے فارمولے پر عمل کرتے ہیں ...... اگر میں تمہارا مذاق اڑاؤں تو تم میرا اڑا لینا ٹھیک......"

"ٹھیک......"

"چلو اب بتاؤ کیا بات ہے؟"

اب فاریہ کے سارے خوف مفقود ہو گئے۔ فاریہ کی نظر میں فروہ کے علاوہ کوئی قابل اعتماد شخص نہ تھا جس سے وہ اپنی خوشی شیئر کرتی گویا سکول میں اس کی بہت سی لڑکیوں سے دوستی تھی مگر اس نے اُنہیں صرف کلاس فیلوز ہی سمجھا تھا دوست نہیں جس سے وہ دل کی بات کہہ سکتی۔ اس لیے اس نے آج تک ان سے خوشی تو کیا غم بھی شیئر نہ کیا تھا۔ وہ اپنی ہر پریشانی ہر خوشی صرف اور صرف اپنی بہن کو بتاتی یا اگر بہت ہی ضروری سمجھتی تو والدین کو۔ فروہ نے یہ بات اچھی طرح اس کے ذہن نشین کرادی تھی کہ اس دنیا میں والدین اور بہن بھائیو کے سوا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ یہ رشتے ہی مخلص اور باوفا ہوتے ہیں اس لیے ان کے سوا کسی کو ہم راز نہیں بنانا چاہیے۔

"Blood is thicker than water" کے محاورے پر آنکھیں بند کر کے

یقین رکھنا چاہیے۔

فاریہ بہن کی نصیحت پرعمل پیرا تھی۔اس نے صرف بہن کو ہی دل ودماغ سے سچا اور پکا دوست مانا تھا۔اپنی ہرخوشی صرف اُسی سے شیئر کی تھی اب وہ کسی اور کو کیونکر بتا سکتی تھی۔کئی بار دوست سے دل کی بات کہنا چاہی مگر ہونٹوں نے جنبش ہی نہ کی۔سارا دن وہ اسی بات کی منتظر رہی تھی کہ فروہ خود اس سے بات کرلے اگر اس کی طرف سے باز پرس ہوگی تو اس کے غصہ ہونے کی صورت میں جواز دے سکے گی۔

''میں نے کب بتانا چاہا تھا تم نے اصرار کیا تو بتا دیا لہٰذا اب زیادہ تلملانے کی ضرورت نہیں ......اگر ناراض ہی ہونا تھا تو پوچھا ہی کیوں تھا۔''

اب اچھی طرح تسلی ہوجانے کے بعد اس نے کہا۔

''میں نے رات کو خواب دیکھا ہے......''

''خواب......اچھا! تو تم اس لیے مسکرا رہی تھی۔''

اس نے استعجاب سے پوچھا۔

''تو کیا میں سوتے میں مسکرا رہی تھی......''

''اور نہیں تو کیا...... پہلے تو میں ڈر گئی سوچا تمہیں اُٹھا دو مگر پھر خیال آیا تم رات دیر سے سوئی ہو تمہاری نیند خراب ہوجائے گی ...... میں بھی تم سے اسی کے بارے بات کرنا چاہ رہی تھی......''

''تم خود اندازہ لگاؤ کتنی بڑی خوشی ملی ہوگی جو میں سوتے میں بھی مسکرانے لگی تھی...... اب اگر تم نے ڈانٹ دیا تو میری ساری خوشی کا ستیاناس ہوجائے گا......''

''ارے بابا میں نے وعدہ کیا ہے نا!......پھر میں تو خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ تمہارے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئی ورنہ تو ہروقت پھولا ہوا منہ اور ٹینشن بھرا دماغ ہی دیکھنے کو ملتا ہے......''

''میرا موڈ خراب نہ کرو......''

فروہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اچھا بابا! اچھا! اب اپنا خواب سناؤ تاکہ میں بھی مسکرا سکوں......''

''تو پھر سنو...... میں نے خواب دیکھا کہ میرے بہت سے کزنز ہیں ہم سب پکنک منانے کے لیے ایک بڑی سی پارک میں جمع تھے جگہ تو جانی پہچانی سی لگ رہی تھی مگر فی الوقت مجھے یاد نہیں آرہا......''

''اچھا! تم چھوڑو۔آگے بولو......''

''چونکہ میں لاڈلی کزن تھی اس لیے سب نے ہی میرا بڑا خیال رکھا۔میری ہر بات پر سر تسلیم خم کیا۔ہم سب نے مل کر خوب ہلہ گلہ کیا، گانے گائے، پوری پارک میں ہم کزنز کا گروپ ہی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔اردگرد گھومنے پھرنے والے لوگ ہمیں مسرت ورشک بھری نگاؤں سے دیکھ رہے تھے۔میرے دل میں ایک عجیب سا احساس برتری نے جنم لے لیا اور میں اترانے لگی......''

وہ پرجوش انداز میں اپنا خواب سنا رہی تھی اس کی آنکھوں میں چمک اور لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس سے بیشتر کہ اس کا جوش وخروش عروج کو پہنچتا فروہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اس میں خوش ہونے والی کوئی بات نہیں ...... چونکہ ہمارے کزنز نہیں اس لیے تمہاری خواہش نے خواب کا روپ دھار لیا......''

فروہ کے الفاظ اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھے اُسے یکدم یوں لگا جیسے کسی نے اسے آسمان سے زمین پر گرا دیا ہو اس کے پر کاٹ دیے ہو اس سے اس کی ساری خوشی چھین لی ہو۔ایک لمحے کو تو وہ بہن کا منہ تکتی رہی اُسے بہن کا یوں بات کاٹنا اور اس کی خوشی کو کافور کرنا ہرگز پسند نہ آیا اس کا دل بجھ گیا اور آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے ٹمٹمانے لگے لرزیدہ آواز میں بولی۔

''تم نے وعدہ کیا تھا......''

مزید بولنے کی اس میں ہمت ہی نہ رہی اور رونے لگی فروہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا بہن کا دل دُکھا تو اپنے دل کو بھی ٹھیس لگتی محسوس ہوئی۔ندامت تو بہت زیادہ ہوئی مگر فاریہ کو اپنی پشیمانی کا احساس نہ ہونے دیا وہ تو پہلے سے سر جھکائے آنسو بہائے جا رہی تھی بہن کے چہرے کے تاثرات کو کیسے پڑھتی۔فروہ اپنے لہجے کو مستحکم بناتے ہوئے بولی۔

''اچھا! اب رونا بند کرو اور اپنی بات مکمل کرو......''

فاریہ تو جیسے اسی بات کی منتظر تھی۔

''آخر تم کیوں نہیں سمجھتی کہ جو بات تمہارے لیے غیر اہم ہوتی ہے وہ دوسرے کے لیے بہت اہم ہوسکتی ہے......تم نے میرا دل دُکھایا ہے......''

آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان بہن سے شکوہ کر رہی تھی۔فروہ کو اپنی بہن سے بہت محبت تھی آج اس کی وجہ سے اس کی بہن کی آنکھیں اشکبار ہوئی تھیں جس کا اُسے بہت ملال تھا مگر وہ دل کی بات کو زبان سے بیان کرنے کی عادی نہ تھی اس لیے بہن سے بھی اس کا تذکرہ نہ کیا۔

''اچھا! اب رونا بند بھی کرو......آگے بتاؤ آگے کیا ہوا؟''

''اب تو میرا مذاق نہیں اڑاؤ گی ......''

''میں نے تو پہلے بھی تمہارا مذاق نہیں اُڑایا تھا......''

''تو اسے کیا کہیں گے؟''

''اچھا بابا! اچھا! بولو......''

''اب پہلے جیسی حرکت مت کرنا......''

''ایک بار کہہ دیا نا! نہیں کروں گی تو کیا اب تم چاہتی ہو کہ میں کان پکڑ کر معافی مانگو......''

''نہیں میں یہ نہیں چاہتی کیونکہ میں جانتی ہوں تم یہ ہرگز نہ کرو گی......''

''کیوں؟ کیوں نہ کروں گی؟''

''اس لیے کہ تم محبت میں بھی جھکنے کی قائل نہیں ہو۔ بلکہ اسے محبت کی توہین سمجھتی ہو۔''

''اور تم......'' فروہ نے استفسار کیا۔

''میں تو اسے محبت کی شان کہوں گی...... کیونکہ محبت نام ہی خود کو مٹا دینے کا ہے......''

''بس......بس......تقریر نہ کرو۔''

فروہ بہن کی بات سن کر ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ وہ فاریہ کو اس قدر سمجھ دار نہ سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک اچھی اداکار تھی جسے اپنے احساسات وجذبات پر مکمل کنٹرول تھا مگر فاریہ اس کی نیچر کو جان جائے گی اُسے امید نہ تھی۔

''میں واقعی محبت میں جھکنے کی قائل نہیں۔''

فروہ دل ہی دل میں فاریہ کی رائے سے اتفاق کر رہی تھی مگر سوچ کو الفاظ کی صورت میں ڈھال کر زبان تک نہ لائی۔ فروہ کو یوں گم سم پایا تو بولی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

فروہ نے ٹھوس انداز میں جواب دیا۔

''کچھ نہیں......اب تم اپنا خواب سنا بھی چکو ورنہ......''

اس دھمکی آمیز جملے نے اس کی توجہ فروہ سے ہٹا کر اپنی بات کی جانب دلا دی۔

''اچھا! اچھا!...... میں بتاتی ہوں بتاتی ہوں...... میرے خوش ہونے کی وجہ کزنز کا ساتھ نہ تھا......''

فروہ نے استعجاب بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کیا؟''

''ہاں...... میری خوشی کی وجہ کزنز کا ساتھ نہ تھا۔''

''تو پھر......''

''دراصل میری کزنز کی صورت میں شوبز کی دنیا کے لوگ میرے ساتھ تھے۔ تبھی تو ہمارا گروپ توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا...... فروہ میں خود کو کس قدر خوش نصیب سمجھ رہی تھی تم جان نہیں سکتی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا میں ہواؤں میں اُڑ رہی ہوں......''

اس سے بیشتر کہ فروہ اس کا مذاق اڑاتی یا اس کی باتیں سن کر مسکراتی اس نے جلدی سے تنبیہہ کر دی۔

''خبردار جو تم نے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔''

فروہ نے ہنسی دانتوں تلے دبا لی۔ چہرے پر مصنوعی سنجیدگی سجاتے ہوئے بڑے انہماک سے اس کی جانب دیکھا جس سے فاریہ کو اس بات کی تسلی ہو گی کہ وہ اس کا مذاق نہیں اڑائے گی لہٰذا گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

''دیکھو فروہ تم بھی تو بابرہ شریف کو پسند کرتی ہو مگر میں نے کبھی تمہیں کچھ نہیں کہا حالانکہ مجھے اُس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی......''

فروہ نے اس بات کی تردید کر دی۔

''غلط بالکل غلط۔''

''تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''تم جھوٹ نہیں بول رہی مگر تمہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے...... دوسرے لفظوں میں تم......''

اس کی بات کاٹتے ہوئے فاریہ نے وضاحتی انداز میں کہا۔

''تو پھر اس کی فلمیں کیوں دیکھتی ہو۔''

''پھر کبھی بتاؤں گی...... فی الحال تو مجھے تمہارا مسئلہ سولو کرنا ہے......''

''میرا مسئلہ......''

''ہاں تمہارا مسئلہ تاکہ تم مزید کسی پریشانی کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

فروہ نے بہن کے چہرے پر اُداسی اور تفکر کے بادل دیکھ لیے تھے۔ جو اس وقت اُمڈ آئے تھے جب اُس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ بابرہ شریف کی فین تھی۔ فاریہ نے تو صرف اسی بنا پر اپنی پسندیدگی شو کی تھی کہ اس کی بہن اس کی کنڈیشن سمجھ پائے گی کیونکہ وہ خود اس

کیفیت سے گزر رہی تھی مگر فروہ کا یوں منہ پھاڑ کر جواب دے دینا اس کی اُداسی کا باعث بن گیا تھا۔

''دیکھو فاریہ تم یوں معمولی سی باتوں پر اُداس نہ ہوا کرو...... تمہاری فکرمندی کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگالے گا کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کر دیا ہے...... خود کو ڈیفنڈ کرنا سیکھو نہ کہ پریشان اور اُداس ہونا۔ انسان چاہے غلط ہو اُسے دوسروں کے سامنے اس بات کا اقرار نہیں کرنا چاہیے پھر تم تو guilty بھی نہیں ہوتی...... خود اعتمادی ہی ہمارے رائٹ ہونے کی دلیل ہے باقی سب فضول......''

''جیسا کہ تم اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتی۔''

فاریہ نے جھٹ سے سوال کر ڈالا مگر فروہ نے اتنی ہی سبکی سے پہلو تہی کر ڈالی۔

''ہم سب کی پسند اور ناپسند ہوتی ہے مگر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے بارے ہم سے جواز مانگے...... ہم سے سوال کرے کہ تمہیں یہ کیوں پسند ہے؟ کب پسند آئی؟ وغیرہ...... وغیرہ۔ کیونکہ ہم ان سوالوں کا جواب دینے کے مجاز نہیں۔''

فاریہ کے تو جیسے سر سے بلا اتر گئی ہو حزن و ملال، رنج و تفکر کے سارے بادل پلک جھپکنے میں چھٹ گئے۔ اُسے اپنے دوست ہونے کا ثبوت مل گیا اور وہ بھی اُس بہن کی زبانی جس کی ہر بات کو وہ رائٹ سمجھتی تھی۔ فروہ کی شخصیت اس کے لیے ہمیشہ سے ہی سحر آور رہی تھی۔ جو اس کی زبان سے نکلا اُسی کو سچ مانتی باقی سب اُسے جھوٹ لگتا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس کی بہن بہت عقلمند تھی ہمیشہ درست فیصلہ کرتی تھی۔

''ہاں آرٹسٹ مجھے پسند ہیں یا پسند نہیں تمہیں اس بات سے کیا؟''

فروہ مسکرانے لگی۔

''شاباش...... یہ ہوئی نا! بات...... اب خوش......''

''خوش......''

''تو اب جلدی جلدی قدم اُٹھاؤ کہ جلد گھر پہنچ سکے پہلے ہی ہمارا کافی وقت برباد ہو چکا ہے امی گھر پر ہمارا انتظار کر رہی ہونگیں......''

''ون...... ٹو...... تھری......''

پھر تو جیسے دونوں نے دوڑ ہی لگا دی ہو۔ تیز تیز ڈگ بھرتیں گھر کی سمت چل دیں۔

جب گھر پہنچیں تو سانس پھولا ہوا تھا فضلیت بیگم نے اس کی بابت پوچھا مگر انہوں نے ہنس کر بات ٹال دی۔ وہ ماں سے اس قسم کی باتیں شیئر نہ کرتی تھیں۔ کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ وہ اس قسم کی فضول باتوں کو ہرگز پسند نہ کرینگیں۔ فاریہ سارا دن بہت خوش رہی سکول میں بھی اس کا چہرہ

مسکراتا رہا اور گھر میں بھی ہنستی رہی۔

فاریہ خلاف توقع کھانا کھانے کے بعد بیگ اُٹھائے کمرے میں چلی آئی اور سکول کا کام نمٹانے لگی۔ فروہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''فاریہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!''

''ہاں میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں...... کیا میں تمہیں بیمار لگ رہی ہوں؟''

''نہیں......''

''تو پھر پوچھا کیوں؟''

''تم خلاف توقع جلدی ہوم ورک کرنے جو بیٹھ گئی ہوں......''

''تو کیا میں نہیں کر سکتی......''

''کر سکتی ہو کیوں نہیں کر سکتی......''

''تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟''

''بس ویسے ہی''

فروہ نے جلدی سے منہ دوسری جانب پھیر لیا تاکہ وہ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ نہ دیکھ پائے ورنہ وہ صرف اسی بات کو لے کر بیٹھ جائے گی اور پریشان ہونے لگے گی کہ فروہ اس پر ہنس رہی تھی۔ فضلیت جب ایک نظر انہیں دیکھنے کو کمرے کی سمت آئی تو اُسے انہماک سے سٹڈی کرتے دیکھ کر ایک ساعت کو ششدر رہ گی مگر چپ چاپ دروازے سے ہی لوٹ آئی۔

''آج تو فاریہ حیران کیے جا رہی ہے۔''

فاریہ نے جلدی ہی ہوم ورک نمٹا لیا پھر ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''بیٹی آج سب خیریت ہے نا!''

''جی امی...... مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟''

''بس یوں ہی......''

سب کام نمٹا چکنے کے بعد اب اس کے پاس فرصت تھی نہ ماں کی ڈانٹ کا ڈر تھا اور نہ ہی سکول کی ٹنشن اس نے ماں کے سارے کام بھی نمٹا دیے تھے اور سکول کی فکر بھی سر سے اُتار دی تھی اب کبھی صحن میں ٹہلتی تو کبھی کمرے میں چلی آتی اور مدھم آواز میں گنگنانے لگتی اور پھر یوں ہی مسکراتی چلی جاتی۔ یوں ہی اس نے سارا دن گزار دیا۔

☆

رات کے کھانے کے بعد وہ صحن میں چلی آئی تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی اور پھر صحن میں بچھی چار پائی پر آ کر لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی نگاہیں صاف شفاف نیلگوں آسمان کی جانب اُٹھیں۔ آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھتے ہی مسکرانے لگی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے وجود کو چھو کر گزر رہے تھے چہل قدمی کرتے ہوئے تو اُسے ان کا احساس نہ ہوا مگر اب وہ اُسے اپنی موجودگی کا شدت سے احساس دلا رہے تھے۔ ان کے مدہم سریلے رس گھولتے سروں میں ایک اطلاع تھی۔

”ہم بھی تمہاری خوشی کو محسوس کر رہے ہیں۔“

اس کی مسکراہٹ میں شدت آ گئی اب تو اُسے آسمان، اس پر چمکتے ستارے زمین پر چلتی ہوا، لہلہاتے درخت، درختوں پر بیٹھے پرندے، زمین پر اُگی گھاس حتیٰ کہ پوری کائنات اپنی خوشی میں شریک نظر آنے لگی تھی۔ وہ تنہا تھی مگر اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کئی خوبصورت چہرے اس کے اردگرد دائرہ بنائے اسے اپنے حصار میں لیئے ہوئے تھے۔ اُن کی موجودگی کا احساس اُس کی خوشی کو دوبالا کیے ہوئے تھا۔

”میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو...... میری خوشی میں خوش ہو رہے ہو تم سب کتنے اچھے ہو نا! میرے ساتھ دوستی کرو گے...... تو ہماری دوستی ہو گئی۔ میں تم سب سے اپنی خوشی شیئر کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں تم سب جانتے ہو مگر میں چاہتی ہوں تم میری زبانی سب سنو...... پتہ ہے اس طرح خوشی کا احساس زیادہ ہوتا ہے...... میں نے خواب دیکھا......“

”فاریہ......“

دور سے آتی آواز نے سارے طلسم کو توڑ ڈالا۔

”فاریہ آٹھ بج گئے ہیں......“

فاریہ نے لاپرواہی سے پوچھا۔

”تو پھر......“

”کیا مطلب؟ تو پھر......“

فروہ اب اس کی سمت چلی آ رہی تھی جبکہ فاریہ اُسی پوزیشن میں لیٹی ہوئی جواب دے رہی تھی۔

”وہی مطلب ہے جو تم سمجھی ہو۔“

فروہ اس کے قریب آ گئی اور اُسے مخاطب کیا۔

”فاریہ تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔“

اس کی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھی اُسی لاپرواہی سے جواب دیا۔

”ہاں میں جانتی ہوں......“

فروہ نے اب اُسے یاد دلایا۔

”فاریہ آٹھ بج چکے ہیں...... یعنی تمہاری پسند کا ٹائم شروع ہو چکا ہے۔ ڈرامہ آن ایئر ہے“ فاریہ کے لہجے میں تھوڑی سی کرختگی آ گئی۔

”فروہ آج مجھے ڈرامہ نہیں دیکھنا......“

فروہ ششدر رہ گئی۔

”تمہیں ڈرامہ نہیں دیکھنا......“

”ہاں...... مجھے نہیں دیکھنا۔“

”تو میں جاؤں......“

”ہاں جاؤ......“

فروہ نے بغور اس کے چہرے کا مطالعہ کیا اس کا چہرہ اس کی زبان کا ساتھ دے رہا تھا زبان کی طرح فروہ کو وہاں بھی نفی کا ہی سگنل نظر آیا تھا۔ وہ کندھے اُچکاتے ہوئے بولی۔

”جیسے تمہاری مرضی...... میں تو پہلے ہی ابو کو کہہ چکی ہوں کہ آج تم ڈرامہ نہیں دیکھو گی۔“

”ابو کہاں ہیں؟“ اس نے استفسار کیا۔

”ٹی۔ وی دیکھ رہے ہیں۔“

”اور امی......“

”امی اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی ہیں۔“

”ابو نے پڑھ لی کیا؟“

”ہاں وہ تو اذان کی آواز سنتے ہی مسجد چلے گئے تھے۔ ابھی ابھی لوٹے ہیں۔“

”اچھا تم جاؤ......“

فروہ اندر چلی آئی مرتضیٰ صاحب نے بیٹی کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”فاریہ نہیں آئی کیا؟“

”نہیں...... آج اس کا ڈرامے کا موڈ نہیں۔“

مرتضیٰ صاحب حیران رہ گئے۔

"فاریہ کو آج ڈرامہ نہیں دیکھنا......"

"جی ابو......"

فروہ اب باپ کے پاس بیٹھ کر ڈرامہ دیکھنے لگی۔ مرتضیٰ صاحب نے جب اسے فاریہ کو بلوانے کا کہا تھا تو اس نے باپ کو بتا دیا تھا کہ آج وہ ڈرامہ نہیں دیکھے گی مگر مرتضیٰ صاحب کو تسلی نہ ہوئی۔

"فروہ بیٹی تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فاریہ ٹی۔وی نہ دیکھے جاؤ...... جا کر اُسے بلا لاؤ۔ یہ ڈرامہ تو اس کا فیورٹ ہے اگر یہ اپی سوڈ مس ہو گئی تو خواہ مخواہ میں پریشان ہو جائے گی۔ تم تو جانتی ہو ذرا ذرا سی بات کو دل پر لگا لیتی ہے۔"

"ابو آپ کہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں ورنہ مجھے یقین ہے کہ آج نہ تو وہ پریشان ہو گی اور نہ ٹی۔وی دیکھے گی آج اس نے خواب جو دیکھ لیا ہے...... بعید قریب نظر آ رہا ہے اُسے......"

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں ابو میں جاتی ہوں۔"

اس کو تو یقین تھا لیکن باپ کے حکم اور اپنے یقین کو غلط ثابت کرنے کو وہ فاریہ کو بلانے چلی آئی تھی مگر بہن کا جواب سن کر اُسے تھوڑی سی حیرت ضرور ہوئی تھی۔ اُسے اپنے یقین کے سچ ہو جانے کا اتنا یقین نہ تھا وہ تو سمجھی تھی کہ یہ اس کا تکا ثابت ہو گا۔ مگر تیر تو نشانے پر جا لگا تھا۔ ٹی۔وی دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

"ویسے حیرت کی بات ہے۔ فاریہ میں اتنی بڑی تبدیلی......"

پھر خاموشی سے ٹی۔وی دیکھنے لگی۔ فضلیت بیگم نماز پڑھنے کے بعد صحن میں آئی تو فاریہ کو وہاں لیٹا دیکھ کر حیران ہو گئی۔ وہ چارپائی پر لیٹی کچھ بڑبڑا رہی تھی جس کو وہ سن نہ پائی۔

"میری بیٹی نے آج ٹی۔وی نہیں دیکھنا......"

"نہیں امی...... آج میرا ٹی۔وی دیکھنے کا موڈ نہیں ہو رہا۔"

فضلیت بیگم پرستائش لہجے میں بولیں۔

"اچھی بات ہے اس فضول شوق میں وقت برباد کرنے سے بہتر ہے تم تھوڑی دیر کھلی فضا میں بیٹھ جاؤ۔ تمہارے ابو کو جانے کہاں سے ٹی۔وی کا شوق لگ گیا ہے...... بیٹھے ہوں گے اس ٹی۔وی نما بلا کے سامنے......"

فاریہ مسکرانے لگی۔ فضلیت بیگم نے ایک بار پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جلدی اندر آ جانا یہ نہ ہو یہیں پڑی رہو۔"

"جی امی......"

فضلیت بیگم کمرے میں چلی آئیں۔ اور فاریہ نے دوبارہ اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑا میں نے کہیں پڑھا تھا۔

A Crowd is not company and faces are but a gallery of pictures.

یہ بات میں آج سمجھی ہوں کہ بعض اوقات انسان پرہجوم جگہ میں بھی خود کو اکیلا پاتا ہے اور کبھی تنہائی بھی انسان کے لیے ہجوم بن جاتی ہے۔ جیسے کہ آج میری تنہائی کیونکہ میرے ساتھ میرا خواب ہے میری ساتھی کائنات ہے۔"

☆

فاریہ سکول سے لوٹتے ہی کھانا کھانے کے بعد فروہ کے ساتھ اپنے روم میں چلی آئی۔ بیگ بیڈ پر رکھا اور یوں ٹی۔وی کی طرف لپکی جیسے بچے اپنی پسندیدہ شے کی طرف لپکتے ہیں۔ سوئچ آن کرتے ہی سکرین سے کوئی ڈیڑھ دو فٹ کا فاصلہ رکھتے ہوئے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ اب اس کی نظریں سکرین پر چلنے والے مناظر کے ساتھ ساتھ گھومنے لگیں۔ چہرے کے تاثرات بھی اسی کے مطابق بدل رہے تھے۔ خوشگوار منظر چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے تو دکھی اور ناخوشگوار سین چہرے پر سنجیدگی اور ناگواری کو عیاں کر دیتے۔

فاریہ کے برعکس فروہ نے بیگ بیڈ پر رکھتے ہی کتاب نکالی اور صبح کے ٹیسٹ کی تیاری شروع کر دی۔ فاریہ جانتی تھی کہ فروہ پڑھنے میں مشغول تھی لہٰذا اس نے اس کی ڈسٹربنس کے پیش نظر والیم کافی لو رکھا تھا۔ اس لیے اس کی پڑھائی میں خلل واقع ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ بہن اور سکرین سے بے نیاز و بے خبر اپنی تمام تر توجہ کتاب پر مرکوز کیے ہوئے تھی۔ یوں ہی پڑھتے ہوئے اس کی نظر فاریہ پر جا پڑی تو غصے سے سپک کر بولی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ کیوں اپنی آئی سائیٹ کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔"

فاریہ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔"

"کیوں کچھ نہیں ہوتا؟ اگر تمہارا یہی حال رہا تو بہت جلد عینک لگ جائے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔"

فروہ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی اُسے اس جواب کی توقع نہ تھی اس نے دوبارہ تنبیہ کی مگر وہ بلاچوں وچرا اسی طرح بیٹھی رہی۔ اُسے بہن کے ڈھیٹ پن پر بہت تپ چڑھی مگر وہ دانت پیستی رہ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کو اس کی کوئی بات بھی سنائی نہ دے گی سب اس کے اوپر سے گزر جائے گا۔ اس نے دوبارہ نظریں کتاب پر جھکالیں۔ مگر بار بار فاریہ کا خیال اسے یکسوئی اور دلجمعی سے پڑھنے ہی نہ دے رہا تھا غصے سے اس نے بہن کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

"اگر اُسے پرواہ نہیں تو مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

یہ تسلی بھی اس کی فکر کو زائل کرنے میں ناکام رہی بالآخر بیگ سے ایک دو کتابیں اور نکالیں اور کمرے سے نکلنے کے لیے دروازے تک آگئی۔ ابھی قدم باہر نہ نکلے تھے کہ فاریہ کی نظر اس پر پڑگئی۔

"ارے یہ کیا غضب کر رہی ہو؟"

"کیا ہوا؟"

"تم کیوں جارہی ہو؟"

"کیا مطلب کیوں جارہی ہو...... میں ڈسٹرب ہورہی تھی بس اسی لیے جارہی ہوں۔"

"میں نے تو والیم کافی لو رکھا ہے۔ اگر تم کہو تو مزید لو کیے دیتی ہوں۔"

"تاکہ تم ٹی۔وی سے جالگو۔"

"مجبوری ہے۔"

"تم اور تمہاری مجبوریاں۔"

"پلیز فروہ اگر تم گئی تو امی مجھے بھی بلوالیں گئیں جبکہ اس وقت میں ان کے حکم کی تعمیل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"کیوں نہیں ہو؟"

"پروگرام جو سٹارٹ ہو رہا ہے۔"

"پروگرام......"

"آج ایک بہت بڑی سلیبرٹی کا انٹرویو ہے۔"

"کیا کرو گی اس انٹرویو کا؟"

"تم نہیں جان سکتی...... تمہارے بتانے کو اتنا کافی ہے کہ مجھے ان کے بارے انفارمیشن

چاہیے اور بس......"

"انفارمیشن...... اگر اتنی ہی ایمرجنسی ہے تو اس سکرین سے تو پیچھے ہٹو نا!"

"والیم اونچا کرنا پڑے گا۔"

"تو کرلو......"

"امی آجائیں گی۔"

فروہ سٹپٹا کر رہ گئی غصے سے اس کی طرف دیکھا مگر فاریہ نے اس ناگواری کو سیریس ہی نہ لیا بلکہ بہن کو دیکھے بنا ہی دوبارہ اپنی نظریں ٹی۔وی پر گاڑلیں۔ فروہ بھی مجبوراً بیڈ کی طرف چلی آئی۔ کتابیں زور سے بیڈ پر پٹخیں۔

"تم اپنی آئی سائیٹ کا بیڑا غرق ضرور کرو گی۔"

"ایسی منحوس باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔"

"میں کاز اینڈ آفیکٹ کی بات کر رہی ہوں۔"

فاریہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی مجبوراً فروہ نے ہی منہ دوسری جانب موڑلیا۔ وہ آنکھ اوجھل کر کے پہاڑ اوجھل کرنا چاہ رہی تھی۔ اتنی دیر میں انٹرویو سٹارٹ ہوگیا تو وہ یوں سیٹ ہونے لگی جیسے کسی مہمان کی آمد ہو۔

پروگرام میں فلم انڈسٹری کی مشہور معروف شخصیت مدعو تھی۔ وہ کئی دنوں سے اس کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی اب جو اس کی خواہش بر آئی تو خوشی سے اُچھل پڑی۔

"اب مزہ آئے گا...... thank God تھینک گاڈ۔"

اس نے چھت کی طرف دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر جوں ہی میزبان نے رسمی سلام و دعا کے بعد باقاعدہ انٹرویو کا آغاز کیا۔ تو اس نے جلدی سے منہ پر یوں انگلی رکھ لی۔ جیسے کوئی بچہ رکھتا ہو۔ اُسے بچے کی طرح خود سے غلطی سرزد ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی احتمال کے تحت اس نے یہ احتیاطی تدابیر اختیار کی تھی۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

"آپ نے شوبز کی دنیا کو سوچ سمجھ کر چنا یا ایکسیڈنٹلی ہی اس فیلڈ میں قدم رکھا۔"

"شوبز کی دنیا میں ایکسیڈنٹلی ہی آیا تھا۔ میں تو آرمی جوائن کرنا چاہتا تھا مگر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔"

"شوبز میں آنے کے بعد آپ کو کبھی اس بات کا ملال ہوا؟"

"تھوڑا عرصہ مگر اب میں بہت مطمئن ہوں۔ اللہ ہمارے لیے جو فیصلہ کرتا ہے وہ ہی

ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اگر میں آرمی جوائن کر لیتا تو آج اتنا پیار محبت میرے حصے میں نہ آتا۔“

”آپ نے درست فرمایا۔“

”اللہ کے ہر فیصلے میں حکمت ہوتی ہے مگر ہمیں اس بات کا احساس بعد میں ہوتا ہے۔“

”میرا آپ سے اگلا سوال یہ ہے کہ آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟“

”میں ایک درویش صفت انسان ہوں جو مل جائے کھا لیتا ہو۔“

”پھر تو آپ کو کوکنگ کا بھی شوق نہیں ہوگا۔“

”بالکل بھی نہیں۔ یہ کام عورتوں کا ہے اور وہ کہتے ہیں نا! جس کا کام اُسی کو ساجھے۔ سچ پوچھیے تو فرصت ہی نہیں ملتی۔“

”فرصت کے لمحات میسر آجائیں تو کیسے گزارتے ہیں؟“

”میں دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے جاتا ہوں۔ کوئی اچھی سی کتاب پڑھ لیتا ہوں یا فیورٹ سانگ سنتا ہوں۔“

”عموماً کن سنگرز کو سنتے ہیں؟“

”نصرت فتح علی خان کو۔“

”ان کے علاوہ......“

”ان کے علاوہ بھی ان ہی کو۔“

”کیا مطلب؟“

”مجھے ان کے سانگ ہی بھلے لگتے ہیں۔“

”آپ کو نصرت فتح علی خان کی گائیکی میں کیا پسند ہے؟“

”آواز اور lyrics......“

”تو چلیں آپ کو انہی کا ایک خوبصورت سا سانگ سنواتے ہیں۔“

سانوں اک پل چین نہ آوے سجنا تیرے بنا

فاریہ گانے میں گم ہوگئی مگر اس کی محویت کو فروہ کی تلخ آواز نے جھنجھوڑ ڈالا۔ فروہ منہ پھیرنے کے باوجود اپنے ذہن کو بہن کے تصور سے آزاد نہ کر پائی تھی۔

”فاریہ اب بس بھی کرو۔ وہی رسمی سے سوال ہیں اور ان کے رسمی سے جواب۔“

فاریہ نے ناگواری کے ساتھ اس کی جانب دیکھا تو فروہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

”اُٹھو اب بہت ہوگیا ہے۔ چلو میرے ساتھ......“

”صرف پانچ منٹ......“

”پانچ منٹ گزر جائیں گے تو پھر کہہ دینا پلیز پانچ منٹ اور...... اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ اگر اب تم نہ اُٹھی تو میں خود ہی چلی جاؤں گی اور تمہاری ایک بھی نہ سنوں گی۔“

”پلیز فروہ......“

”تم باز نہ آنا۔ لیکن یاد رکھنا پانچ منٹ کا مطلب ہوتا ہے پانچ منٹ۔ اس کے بعد میں ایک لمحہ بھی نہ رکوں گی۔ چاہے تم میرے پاؤں ہی کیوں نہ پڑ جاؤ۔“

”مت رُکنا، مگر فی الحال خاموش ہو جاؤ اتنا اچھا سانگ چل رہا ہے۔“

وہ سبک کر بولی۔

”تم اور تمہارے سانگ۔“

فاریہ کے لیے گلیمر کی دنیا وہ جہاں تھی جس کا طلسم اُسے ہمیشہ اپنے حصار میں لیے رہتا تھا۔ وہ ایک سحر زدہ شخص کی مانند خود کو اس شہر میں آ کر بھول جایا کرتی تھی۔ اُسے گرد و پیش کی خبر تک نہ رہتی۔ شوبز کے لوگ کسی جادوائی کہانیوں کے کرداروں کی طرح تھے ان کی پُراسرار شخصیتیں اُس سے اس کے حواس چھین لیتی تھیں۔ ایک تجسس اسے ہر وقت ستاتا تھا۔ ان کا کھوج لگانا اُسے اپنا مقصدِ اولین لگتا تھا۔ ان کی پسند ناپسند کیا تھی؟ وہ کیسا لباس پہننا پسند کرتے تھے؟ کیا کھاتے تھے؟ ان کے دل و دماغ میں کیا چلتا تھا؟ ان کی فیملی اور روزمرہ کے معمولات جاننے کے علاوہ کچھ ایسے سوالات بھی تھے جو صرف اس کے تحت الشعور میں گھومتے تھے کبھی شعور میں نہ آئے تھے۔ اُسے یوں لگتا تھا جیسے اس کا ان لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ تھا کوئی ناطہ تعلق تھا اور یہ چیز ہی ایسی اذیت دیتی تھی کیونکہ وہ یہ سب نہ جان پائی تھی۔ اس لیے وہ ان کے بارے زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کرتی تاکہ اس گتھی کو سلجھا سکے مگر وہ ناکام رہی تھی۔

☆

سکول میں اس کی ان ہی لڑکیوں سے تھوڑی بہت دوستی تھی جو شوبز کی دلدادہ تھیں سکول میں فرصت کے جتنے لمحات بھی میسر آتے وہ انہی کے ساتھ گزارتی ان کی کمپنی میں اس کے کان ہمہ وقت شوبز کے بارے سننے کو کھڑے رہتے تھے۔ جتنا وقت بھی وہ ان کے ہمراہ گزارتی اُسے نہ تو ان کی کسی بات پر ہنسی آتی اور نہ ہی وہ کسی بات پر افسردہ ہوتی تھی کیونکہ وہ اپنے مطلب کے علاوہ کوئی بات سن ہی نہ پاتی تھی۔ وہ ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان کے ہمراہ نہ تھی۔ اس کی سوچیں اسے اپنے حصار میں لیے رکھتی تھیں۔ اس قدر پسندیدگی کے باوجود اس نے کبھی

اس بات کا ذکر نہ کیا تھا۔اس کے ذہن میں بہن کی فرمائش تھی۔

''فاریہ اپنی احمقانہ پسند کا کبھی کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرنا سب تمہارا مذاق اڑائیں گے۔کیونکہ وہ ہم دونوں بہنوں سے اس قسم کی فضول باتوں کی توقع نہیں رکھتیں۔''

وہ سوچتی آخر وہ بھی تو ان کی طرح کی انسان تھیں پھر ان سے توقع کیوں نہیں رکھی جا سکتی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ ان سے اس کا سبب دریافت کرے مگر کبھی ہمت ہی نہ کر پائی تھی مگر اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر وہ اس کی پسندیدگی کو بھانپ گئیں تو عین ممکن تھا کہ اُسے تنگ کرنے کو اس کے سامنے کسی بھی بات کا ذکر ہی نہ کریں۔جب کہ وہ اپنا مذاق بھی نہ اڑوانا چاہتی تھی۔

اُسے شوبز کی ہر خبر ہی اچھی لگتی تھی معمولی سے معمولی بات بھی اس کے لیے بہت اہمیت کی حامل تھی مگر جب لڑکیاں شوبز کے سکینڈلز کا ذکر کرتیں تو اسے ایک انجانہ سا اطمینان ہوتا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے یہ انسان ہیں ہمارے جیسے جیتے جاگتے، انسان ان کا وجود ہے...... میں تو سمجھی تھی یہ صرف ٹی۔وی سکرین یا اخبار کے اوراق پر نظر آنے والی تصویریں ہیں۔'' یہ بات اس کے اندر اُمید کی ایک کرن پیدا کرتی اُسے یقین ہونے لگتا کہ وہ ان سے مل پائے گی انہیں دیکھ پائے گی اور یہ خوشی کی رمق اس کی آنکھوں میں چمک لے آتی دوستیں اس کی وجہ دریافت کرتیں تو وہ ہمیشہ بات بدل ڈالتی۔

''میری عادت ہے مسکرانے کی۔''

وہ اکثر ہی ایسا کیا کرتی تھی اس لیے وہ اس کی بات پر اعتبار کر لیتیں۔ان کی ہر بات اُسے یقین دلاتی تھی کہ وہ بھی اسی دنیا میں رہتے تھے اور پھر اُسے یقین ہو جاتا کہ وہ ایک نہ ایک دن اُن سے مل پائے گی آنکھوں سے دیکھ پائے گی۔

سکول میں ٹیسٹ سیشن شروع ہوا تو وہ بہت خوش رہنے لگی۔کیونکہ اکثر و بیشتر آخری ٹیسٹ سکول ٹائم سے پہلے ہی ختم ہو جاتا تھا۔کچھ لڑکیوں کا پڑھنے کو موڈ نہ ہوتا اور کچھ ٹیچر بھی سارا دن کی دماغ کھپائی کے بعد تھک چکی ہوتی تھیں اس لیے وہ بھی نہ پڑھاتی تھیں۔فرصت کے ان اوقات کو ہر کوئی اپنی مرضی سے گزارتا تھا۔ٹیچر کوئی روک ٹوک نہ کرتیں۔

کلاس میں ہر گروپ کا موضوع گفتگو مختلف ہوتا تھا کوئی خاندان کو ڈسکس کرتا۔کوئی کھانے پینے اور لباس کے بارے بات چیت کرتیں تو کوئی ڈرامہ یا فلم کو موضوع بناتیں۔جوں ہی ٹیسٹ ٹیچر کے ہاتھ میں آتے وہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتیں۔

''تم لوگ بے شک آپس میں گفتگو کرو مگر خیال رہے کہ آواز کلاس روم سے باہر نہ

جائے تاکہ ہماری کلاس کی وجہ سے اردگرد کی کلاسز ڈسٹرب نہ ہوں۔''

اس کا ڈیسک ٹیچر کی کرسی کے بہت قریب تھا اس لیے وہ فرصت کے ان لمحات کو ان کے ساتھ گزارتی۔اُسے ان سے بات کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ایک تو ان کا مزاج بہت دوستانہ تھا پھر ان کی باتوں کا متن بھی شوبز ہی ہوتا تھا۔فاریہ روز اسی اُمید کے سہارے اپنی گفتگو کا آغاز کرتی کہ شاید اُسے کسی شوبز کے فرد کے بارے کچھ انفارمیشن مل سکے اور تقریباً روز ہی اس کی خواہش بر آتی تھی۔

''شاہ رخ نے کینیڈا میں اپنے بیٹے کے ہمراہ عید کی نماز پڑھی۔''

ابھی ٹیچر کے منہ سے یہ جملہ ہی ادا ہوا تھا کہ وہ سوچنے لگی۔

''شاہ رخ مسلمان ہے۔''

اس نے آج تک انڈین کو صرف ہندو ہی سمجھا تھا ان کے مسلمان ہونے کا خیال تک اس کے پاس نہ بھٹکا تھا۔آج جو ٹیچر کی زبانی اس راز سے پردہ اُٹھا تو پسندیدگی میں دوگنا اضافہ ہو گیا۔اس کے مسلمان ہونے کے ثبوت نے ہی اس کی پسندیدگی کو فخر میں بدل ڈالا۔

''مسلمان...... یعنی ہمارے مذہب کا...... کتنے فخر کی بات ہے نا! ایک مسلمان کی ساری دنیا میں پہنچان ہے۔کتنے فخر کی بات ہے نا!''

وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی مگر وہ خوشی جیسے وہ دل کی دنیا میں ہی قید رکھنا چاہتی تھی جانے کیسے اس دنیا سے آزاد ہو کر چہرے تک آ گئی اور وہاں جگمگانے لگا۔

ٹیچر بھی اس کی محویت سے اس کی پسندیدگی کو جانچ گئیں۔انہوں نے اپنی بات کو جاری رکھا شاید وہ بھی کسی ایسے سامع کی تلاش میں تھیں۔

''آپ سوچ رہی ہوں گی میں یہ سب کیسے جان پائی؟''

اس نے انجانے میں سر اثبات میں ہلا دیا۔

''دراصل شاہ رخ میرے بھانجے کے ساتھ ہی نماز پڑھ رہا تھا۔وہ کینیڈا میں مقیم ہے اُسے بھی آپ کی طرح یقین نہ آیا...... آ بھی کیسے سکتا تھا آخر کو وہ اتنی بڑی سلیبرٹی ہے۔اس کی خوشی تو آسمان کو چھو رہی تھی۔اس نے فوراً سوچ لیا کہ وہ ان قیمتی لمحوں کو محفوظ کر لے گا۔اس لیے فوراً ڈنر کی آفر کر دی...... پہلے پہل تو وہ نہ مانا مگر پھر جانے کیسے حامی بھر لی۔ڈنر پر میرا بھانجا کیمرہ لے گیا اور ہمیشہ کے لیے اس لمحے کو قید کر لیا...... میں نے خود تصویریں دیکھی ہیں۔''

وہ دل میں ٹیچر کے بھانجے پر رشک کر رہی تھی اس نے ایک سلیبرٹی کو دیکھا تھا

حقیقت میں اس کا آمنا سامنا ہوا تھا اس نے اس سے باتیں کی تھیں کھانا کھایا تھا۔ کسی دوسری دنیا میں بسیرا کرنے والے یہ لوگ اُسے اچانک ہی بہت قریب دیکھائی دیے تھے۔ گو وہ شاہ رخ کے بارے صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک مشہور و معروف انڈین سٹار تھا اس نے کبھی اس کی کوئی فلم نہ دیکھی تھی بلکہ صرف لڑکیوں کے پاس اس کی تصویر دیکھی تھی اور ان کی زبانی اس کے بارے سنا تھا۔ مگر اس کے لیے شاہ رخ کا ایک سٹار ہونا ہی کافی تھا۔ باقی کسی بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ اُسے ہر وہ شخص اچھا لگتا تھا جس کا شوبز کی دنیا سے تعلق تھا وہ انہیں آئیڈیلائز کرتی تھی۔

اُسے انہیں دیکھنے کا جنوں تھا ان کی باتیں سننے کا شوق تھا۔ وہ انہیں ایک خواب سمجھتی تھی۔ جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا مگر اب اُسے ان کا وجود لگنے لگا تھا۔ اس کے لیے میڈم کا بھانجا بھی قابل رشک انسان تھا اس لیے کہ اس نے ان میں سے کسی سے ملاقات کی تھی۔ وہ بھی ایسے ماحول میں جہاں بناوٹ و تصنع کا کوئی وجود نہ تھا کیمرے کی آنکھ نہ تھی کیونکہ فروہ اُسے کہتی تھی۔

"ان کا یہ روپ بناوٹ ہے صرف بناوٹ اگر تم ان کو دیکھ ہی لو تو تمہیں اپنی پسندیدگی پر غصہ آئے گا کیونکہ ان کا رویہ تمہیں پاگل کر دے گا۔"

اسے بناوٹ نام کے لفظ سے چڑ تھی اسی وجہ سے وہ پروگرامز کو ترجیح دیتی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس قسم کے ماحول میں وہ بناوٹ سے کام نہ لے پائیں گے کہیں نہ کہیں اپنا اصل روپ دیکھائیں گے مگر جب بھی اس نے پروگرام کے آخر میں بہن سے اس بات کی تصدیق چاہی تھی۔

"فروہ اس پروگرام میں بناوٹ تو نہ تھی۔"

فروہ جواب دیتی۔

"بناوٹ ہی تو تھی کیونکہ محترم سکرین پر براجمان تھے...... سکرین اور حقیقت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔"

پھر لفظ بناوٹ سے چڑ کر ہی وہ اخبار کا سہارا لیتی۔ اخبار بینی کے ذریعے وہ یہ جاننے کی کوشش کرتی کہ شاید اُس کے چھپے لفظوں میں ان کی حقیقت نظر آ جائے۔ تو شاید وہ اپنے اس جنوں کو کم کر پائے مگر وہ چھپے لفظ اس کی پسندیدگی کو کم کرنے میں ناکام رہتے تھے۔

مگر وہ اس کے باوجود ان کا اصل روپ دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہاں بھی اس کا سامنا ظاہریت سے ہو پایا تھا باطن کو جاننا باقی تھا۔ وہ ان ستاروں کے دل و دماغ پڑھنا چاہتی تھی۔ وہ تنہائی میں کیا سوچتے تھے وہ تنہائی جہاں اُنہیں نہ پبلک کا خوف تھا اور نہ کیمرے کا ڈر۔ کیا گلیمر کی دنیا ان کے لیے اس کی سوچ کی طرح روشنیوں کی دنیا تھی جہاں کبھی

اندھیرا داخل نہیں ہو پاتا۔ جہاں خوبصورتی رقص کرتی تھی جہاں زندگی ناچتی گاتی تھی اور جہاں خوشیاں جگمگاتی تھیں۔ یا بقول فروہ کے وہ دلدل تھی وہ دلدل جس میں قدم رکھنے کے بعد نکلنا دشوار ہوتا تھا بلکہ ذرا سی جنبش سے انسان مزید دھنستا چلا جاتا تھا۔

جب اس سے ان سوالوں کا جواب نہ بن پاتا تو پھر خود کو سوچوں سے آزاد کرنے کو ان کی ظاہری شکل و صورت پر ہی اکتفا کرتی۔ پھر اس کے ذہن میں بہن کا خیال آتا اور وہ خود سے سوال کرتی۔

"فروہ بھی تو بابرہ کو پسند کرتی ہے مگر وہ میری طرح اس کے بارے جاننے کی خواہش مند کیوں نہیں۔"

اس نے بہن سے بھی پوچھا مگر اس نے پھر کبھی بتاؤں گی کہہ کر اُسے ٹال دیا۔

اس کی نظر سے اکثر لڑکیوں کی ایسی کتابیں گزرتی تھیں جن میں کسی نہ کسی پاکستانی اور انڈین آرٹسٹ کی تصویر ہوتی تھی۔ بریک میں اکثر وہ ایک دوسرے کو یہ تصاویر دیکھا رہی ہوتی تھیں اسی دوران اس نے بھی دیکھی تھیں مگر اُسے اس منطق کی سمجھ نہ آتی تھی اور اس نے کبھی اِن سے پوچھا بھی نہ تھا۔ وہ بھی انہی کی طرح شوبز کی دنیا کی دلدادہ تھی مگر اس نے کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ اسے اس بات کی بھی سمجھ نہ آئی تھی مگر ان کی دیکھا دیکھی اس نے بھی ذہن بنایا کہ وہ بھی شوبز کے لوگوں کی تصویریں کتابوں میں رکھے گی کیونکہ ان کی طرح اس کا بھی یہ فرض بنتا تھا۔ مگر اس نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہننے سے قبل ہی اسے ترک کر دیا۔

"فاریہ ہر کوئی کسی ایک کی تصویر رکھتی ہے تم اتنے زیادہ لوگوں کی تصویریں کیسے رکھو گی۔ اس طرح تو ساری دنیا میں تمہاری تشہیر ہو جائے گی کیونکہ بیگ میں کاپیوں اور کتابوں کی بجائے صرف تصویریں ہی سما پائیں گی۔"

مگر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس بات کا کھوج ضرور لگائے گی۔ چنانچہ اس نے گھر میں نئی پرانی اخبارات کو ڈھونڈنا شروع کر دیا مگر اُسے ایک دو کے علاوہ کوئی اخبار بھی نہ مل سکی کیونکہ اس کی ماں نے تمام پرانے اخبارات ردی میں دے دی تھیں۔ مجبوراً انہی کو لیے وہ صحن میں چلی آئی اور شوبز کا صفحہ نکال کر وہاں چھپی تصویروں کا بغور مطالعہ کرنے لگی۔

مرتضیٰ صاحب جو دفتر سے لوٹے تو بیٹی کو اتنی انہاک سے اخبار کا مطالعہ کرتے دیکھا تو سمجھے کوئی بہت اہم خبر ہو گی اس لیے سیدھا بیٹی کے پاس چلے آئے۔

"کیا خبر ہے؟"

وہ یکدم ڈر گئی۔ جلدی سے ورق بدل ڈالا اور باپ کی طرف دیکھنے کی بجائے اخبار پر ہی دیکھنے لگی۔ وہ والد سے فرینک ضرور تھی مگر اس نے کبھی بھی والدین میں سے کسی سے اپنی پسندیدگی کا تذکرہ نہ کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر فروہ اس سے صرف ایک سال بڑی ہونے کے باوجود اس کی پسندیدگی پر اس قدر غصہ ہو سکتی تھی تو پھر اس کے والدین اس سے عمر میں بہت بڑے تھے۔ لہٰذا اُسے ان کے سامنے کوئی بے تکی بات نہیں کرنا چاہیے۔

اُسے جہاں ڈانٹ پڑنے کا ڈر تھا وہاں مذاق اڑنے کا خوف بھی تھا۔ لہٰذا اس نے ہمیشہ اپنی زبان کو قابو میں رکھا تھا۔

''کوئی خاص خبر ہے کیا؟''

مرتضیٰ صاحب نے سوال کو نئے انداز میں پوچھا مگر نہ تو اس سے پہلے ہی کوئی جواب بن پایا تھا اور نہ ہی اب وہ اس قابل ہو پائی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کس طرح اپنے والد کو مطمئن کرے اس نے اخبار میں آج تک صرف شوبز کا صفحہ ہی پڑھا تھا اسے یہ تک علم نہ تھا کہ اخبار میں شوبز کے علاوہ کون کون سی خبریں ہوتی تھیں۔ ورنہ وہ کوئی نہ کوئی تکا ضرور لگا دیتی۔ سوال کا جواب دیے بنا ہی بالآخر اس نے اخبار باپ کی سمت بڑھا دیا۔ مرتضیٰ صاحب نے اخبار پکڑتے ہی اس پر سرسری سی نظر ڈالی۔

''بیٹی آج تو کوئی خاص خبر نہیں پھر تم اتنے غور سے کیا پڑھ رہی تھی۔''

مرتضیٰ صاحب نے نظریں بیٹی کی طرف اُٹھائے بنا ہی پوچھا تو فاریہ نے معاً پہلو تہی کر دی۔

''میں کمرے میں جا رہی ہوں کل سکول میں ٹیسٹ ہے مجھے تیاری کرنا ہے۔''

اس کا جواب سنتے ہی وہ اپنا سوال بھول گئے۔ فاریہ کو وہاں رکنا خطرے سے خالی نہ نظر آرہا تھا اس لیے فوراً وہاں سے کھسک آئی۔ جوں ہی کمرے میں پہنچی ایک لمبا سا سانس لیا۔

''آج تو بال بال بچ گے ورنہ جانے کیا ہوتا؟''

''کیا ہوا؟''

''میں ذرا تصویروں پر غور و غوض کر رہی تھی کہ اچانک ابو آگئے اور پوچھنے لگے میں کس اہم خبر پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہوں...... اب میں کیا جواب دیتی شوبز کے علاوہ مجھے تو کسی خبر کا علم ہی نہیں ہوتا۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''مگر ابو تھوڑی جانتے ہیں۔''

''خیر کس تصویر پر غور و خوض کیا جا رہا تھا؟''

''تم جانتی ہو میں کس تصویر پر غور کر سکتی ہوں۔''

''مگر کل تک تو صرف اخبار میں چھپنے والی خبریں اہم تھیں آج تصویریں بھی ہونے لگیں۔ سب خیر ہے نا!''

''سب خیر ہے تم دماغ نہ کھپاؤ......''

فاریہ کو یقین تھا کہ اگر اس نے اس غور و غوص کی وجہ بتا دی تو فروہ طیش میں آجائے گی اس لیے چپ سادھ لی۔ اسی میں اُسے عافیت نظر آئی تھی۔ فروہ کو ٹوہ لگانے کی عادت نہ تھی۔ اس کی کھوج صرف اس وقت ہوتی جب وہ بہن کو بہت پریشان دیکھتی تھی تا کہ وہ اس کی وجہ جان کر مسئلے کو حل کر سکے اب اُسے ایسی کوئی بات محسوس نہ ہوئی تھی اس لیے اس نے پوچھ گچھ کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔

فاریہ تیزی سے بیڈ کی طرف لپکی اور وہاں نیم دراز ہو گئی۔

''آخر تصویر رکھنے کا کیا منطق ہو سکتا ہے؟ کیا بے جان تصویریں ہمارے ذہنوں میں اُٹھنے والے سوالات کا جواب دے سکتی ہیں۔''

پھر خود ہی جواب بھی دیا۔

''نہیں ہرگز نہیں...... مگر پھر وہ سب ایسا کیوں کرتی ہیں؟''

وہ بہت سوچ بچار کے باوجود اس راز پر سے پردہ نہ ہٹا سکی اور آخر فیصلہ یہی کیا کہ وہ اس کھوج کو ہی ختم کر ڈالے کیونکہ یہ فضول تھی۔

☆

فضیلت بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو شوہر کو کتاب میں گم پا کر سٹپٹا گئیں۔ مرتضیٰ صاحب بیگم کی آمد کی طرح ان کے تاثرات سے بھی غافل تھے۔ وہ تو سوچ رہی تھیں کہ مرتضیٰ صاحب اس کے قدموں کی آہٹ سے ہی اپنی توجہ کتاب پر سے ہٹا دینگے مگر جب ایسا نہ ہوا تو خود ہی ان کو مخاطب کیا۔

''کبھی ان کتابوں سے نکل کر اپنے اردگرد کو بھی دیکھ لیا کریں۔''

مرتضیٰ صاحب نے کتاب بند کر دی مگر اسے بیڈ پر رکھنے کی بجائے ہاتھ میں ہی تھامے بیگم کی طرف دیکھے بنا ہی اپنے اردگرد نظر دوڑائی۔ اُنہیں وہاں کوئی بھی تبدیلی دیکھائی نہ

دی تو پھر بالآخر بیگم کو دیکھا۔

"آپ کیا دیکھانا چاہتی ہیں۔ ہمیں تو یہاں سب ویسے کا ویسا ہی نظر آ رہا ہے۔"

فضیلت شوہر کی بات پر مسکرانے کی بجائے غصے میں آ گئیں۔

"آپ بہت غصے میں ہیں سب خیریت ہے نا!"

"غصہ نہ ہوں تو کیا کروں؟ آپ تو میری ہر بات کو مذاق میں ٹال دیتے ہیں۔"

مرتضیٰ صاحب مسکراتے لگے مگر بیگم کے چہرے پر سنجیدگی دیکھی تو اپنے چہرے پر بھی مصنوعی سنجیدگی سجالی۔ فضیلت بیگم چلتی ہوئیں بیڈ کے قریب آئیں اور پھر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"مذاق کی بھی حد ہوتی ہے۔"

"ارے کس نے آپ سے مذاق کرنے کی جرأت کی۔ ذرا ہمیں اس کا اتہ پتہ بتائیں گی ہم ابھی اس کی خبر لیتے ہیں۔"

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کریں۔"

"ہم نے تو ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"چلیں اب چھوڑیں......"

فضیلت بیگم نے سنجیدگی کی جگہ مسکراہٹ بکھیر لی۔

"اللہ نظر نہ لگائے ہماری بیٹیوں کو ماشاء اللہ بہت پیاری ہیں اور ان کی ظاہری خوبصورتی سے بڑھ کر ان کی آپس میں محبت کو دیکھ کر میں خود پر رشک کرتی ہوں کہ میں ان کی ماں ہوں......سبھی بہن بھائی آپس میں پیار محبت سے رہتے ہیں مگر میری بیٹیوں کی طرح کوئی بھی ایک دوسرے پر جان نہ چھڑکتا ہوگا۔ خدا ہمیشہ اس محبت کی شمع کو روشن رکھے۔"

"آمین......"

"آمین......مگر آپ کو ایک بات ماننا پڑے گی۔"

"وہ کیا؟"

"فروہ بہن سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ شاید اس کی وجہ بڑا ہونا ہے۔"

"اب وہ اتنی بھی بڑی نہیں ایک سال کا ہی تو فرق ہے دونوں میں"

"بے شک، مگر وہ اپنی عمر کی طرح محبت میں بھی بازی لے گئی ہے۔"

"بیگم آپ جانبداری کا مظاہرہ کر رہی ہیں...... اگر فروہ بہن پر جان چھڑکتی ہے تو فاریہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے۔ محبت کے پلڑوں میں دونوں مساوی ہیں۔"

فضیلت مسکرانے لگیں۔

"ساری باتیں مانتی ہے مگر ٹی۔وی نہ دیکھنے کو فروہ چاہیے لاکھ بار کہے وہ نہیں مانتی۔"

"اب ہر ایک کی اپنی پسند ناپسند بھی تو ہوتی ہے اس کے اظہار کی تو تھوڑی بہت آزادی جائز ہے۔ مگر آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں جہاں تک میرا خیال ہے آپ کبھی ٹی۔وی کے سامنے نہیں آ بیٹھیں۔"

"بے شک مگر میں ماں ہوں اور ماں تو بچوں کے پل پل کی خبر رکھتی ہے۔"

☆

فضیلت بیگم بیٹیوں کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھیں کہ ان کے کانوں میں فروہ کی آواز پڑی۔

"فاریہ اب بس بھی کرو۔ تم جانتی ہو کچھ ہی دنوں میں ہمارے سالانہ ایگزیمز شروع ہونے والے ہیں۔ انہی کے نتیجے پر ہمیں کالج میں ایڈمیشن ملے گا۔ اگر تم تھوڑی سی محنت کر لو تو اچھے کالج میں ایڈمیشن لے سکتی ہو۔"

"کر لوں گی۔ بلکہ کر لی ہے سارا دن تو پڑھتے ہیں اور کیا کریں؟"

"میں جانتی ہوں تم کتنا پڑھتی ہو۔"

بہن کو تنبیہ کرتے ہوئے اچانک فروہ نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو اُسے وہاں ماں دکھائی دی اس کی نظریں وہیں جمی ہوئی تھیں۔

"فاریہ امی آ رہی ہیں۔"

فاریہ نے جلدی سے ٹی۔وی آف کیا اور معاً بیڈ پر براجمان ہوگئی۔ جب فضیلت ان کے کمرے میں آئیں تو چہرے کے تاثرات سے ان کو اس بات کا شائبہ تک نہ ہونے دیا کہ وہ یہ سب سن چکی تھیں۔ ایک نظر انہیں دیکھنے کے بعد واپس چلی آئیں۔

"تھینک گاڈ ہم بچ گئے۔"

"فاریہ ہم نہیں تم۔ کیونکہ امی جانتی ہیں کہ میں پڑھائی کو ترجیح دیتی ہوں...... ویسے کاش! میں تمہیں نہ بتاتی اور امی اپنی آنکھوں سے تمہاری لاپرواہی دیکھ لیتیں تو کتنا مزہ آتا!"

"وہ کچھ نہ کہتیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا میری محنت کسی کھاتے میں نہیں۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے!"

فاریہ ہنسنے لگی اسے مسکراتا دیکھ کر فروہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گی۔

☆

''تو کیا آپ نے فروہ بیٹی کا اعلان سن لیا تھا۔'' مرتضٰی صاحب نے پوچھا۔

''بالکل!''

''تو پھر آپ نے اس کا پتہ کیوں نہ چلنے دیا؟''

''تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو۔''

فروہ جو کمرے کے باہر کھڑی والدین کی باتیں سن رہی تھی ایک دم ششدر رہ گی۔

''تو کیا امی نے میری آواز سن لی تھی مگر میں تو بہت دھیما بولی تھی......''

☆

فاریہ بیڈ پر لیٹی چھت کا بغور معائنہ کر رہی تھی اور فروہ اس کے قریب بیٹھی پڑھنے میں مصروف تھی۔ ایک سوال کافی دیر سے اُسے اُلجھائے ہوئے تھا۔ کئی بار اس نے سوالیہ نظروں سے فاریہ کی جانب دیکھا کہ شاید وہ بھی اس کی طرف دیکھ لے تاکہ وہ اس سے سوال ڈسکس کر سکے مگر اُسے ایسا ہوتا نظر نہ آیا تھا پھر یہ سوچ کر والدین کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

''ابو سے ہی پوچھ لیتی ہوں۔''

مگر کمرے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ والدین کو محوِ گفتگو پایا اندر داخل ہونے کی جرأت ہی نہ ہوئی اور باہر کھڑے ہو کر ہی اس وقت کا انتظار کرنے لگی جب ان کی بات چیت میں وقفہ آئے پھر وہ ان کی باتوں میں یوں محو ہوئی کہ آنے کا مقصد بھول گئی۔ اب جو دوبارہ کتاب پر نظر ڈالی تو پل بھر میں مشکل اور نا سمجھ آنے والا سوال انتہائی آسان دکھائی دیا۔

''شاید میں تھک چکی تھی۔ تھوڑا سا ریلیکس کرنے سے دماغ دوبارہ کام کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔''

پھر کتاب لیے واپس کمرے میں چلی آئی کیونکہ اب والدین کو ڈسٹرب کرنا غیر ضروری تھا۔ جب کمرے میں لوٹی تو فاریہ خلاف توقع کتاب سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ اُسے بہت حیرت ہوئی مگر پھر مسکرانے لگی اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''پڑھا جا رہا ہے۔''

''جی......''

''کچھ دیر پہلے تک تو تمہارا موڈ نہ تھا اب کیسے موڈ بن گیا؟''

''بس موڈ ہے کبھی بھی بن جاتا ہے۔ اب میں تمہاری طرح دماغ کی محتاج تھوڑی ہوں بلکہ میں تو دل کی مانتی ہوں جب وہ کہتا ہے یہ کرو تو میں یہ کرتی ہوں اور جب وہ کہتا ہے وہ کرو تو میں وہ کرنے لگتی ہوں۔''

فروہ کو بہن کے چہرے پر کہیں کہیں غصہ اور بے زاری دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اب بھی جو اس کا موڈ بنا تھا تو اس کے پیچھے اُسے کافی دیر سے پڑھتا دیکھنا تھا۔ ورنہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ خود کو کافی تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی کیونکہ وہ صبح سے پڑھ رہی تھی اور شاید اسی طرح پڑھتی رہتی جو سوال دماغ نہ اُلجھاتا۔ پھر جب کچھ دیر دماغ کو ریلیکس ملا تو وہ کام کرنے لگا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ ابھی اس کے دماغ کو مزید آرام کی ضرورت تھی۔ لہٰذا فاریہ سے بات چیت کا سوچ لیا۔ اس طرح اس کو بھی آرام مل جاتا تھا اور فاریہ کی بوریت، غصہ اور بیزاری بھی کافور ہونے کا یقین تھا۔ اسی سوچ کے تحت اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''فاریہ ابو کا خیال ہے تم مجھے بہت چاہتی ہو...... میرا مطلب محبت وجبت کرتی ہو۔ اس لیے میری پسند ناپسند کو ترجیح دیتی ہو۔''

نظریں کتاب پر جھکائے اس نے جواب دیا۔

''وہ 100% ٹھیک کہتے ہیں۔''

''مگر میرا خیال ان سے مختلف ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس بات میں کوئی صداقت نہیں۔''

فاریہ نے جھٹ سے کتاب ایک طرف رکھی اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہارا خیال غلط ہے۔''

''وہ کیسے؟''

فروہ کے سوال پر اس نے تصدیق کے لیے تفصیلات بتانا شروع کیں۔

''نمبر ون میں تمہاری پسند کا کھاتی ہوں جب تم کھانے سے ہاتھ روک لو تو میں تمہاری تقلید کرتی ہوں...... نمبر ٹو تمہاری پسند کے کپڑے پہنتی ہوں......''

''کب میری پسند کا ڈریس پہنا؟''

''لو بھول گئی ابھی ہفتہ پہلے ہی کی تو بات ہے۔ ہماری فیئر ویل پارٹی پر میں نے کہا فروہ میں لہنگا پہن لوں تو تم نے کہا نہیں فاریہ لہنگا اچھا نہیں لگتا اب تم لہنگا پہنے بیس منٹ کا سفر پیدل طے کرتی اچھی لگو گی۔''

فاریہ نے نقل اتارتے ہوئے کہا تو فروہ نے جواب دیا۔

"تو کیا میں نے غلط کہا۔"

"تم اس بات کو چھوڑو کہ کیا غلط تھا اور کیا صحیح فی الوقت تو ہم کسی اور موضوع پر بحث کر رہیں ہیں۔"

"اور کیا، کیا کیا ہے تم نے؟"

"میں نے کہا فروہ میں میک اپ کر لوں۔ تو جانتی ہو تم نے کیا کہا۔"

فروہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا؟"

فاریہ نے ایک بار پھر اس کی نقل اتاری۔

"فاریہ میک اپ کی کیا ضرورت ہے تم تو اتنی خوبصورت ہو میک اپ تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہو۔"

فروہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا میں نے جھوٹ کہا؟"

"تمہیں تو میں خوبصورت ہی لگتی ہوں حالانکہ......"

فروہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اور بتاؤ......"

"کاؤنٹنگ کہاں تک ہوئی"

فروہ نے اس کی یاددہانی کو کہا۔

"ابھی صرف دو پروف ہوئے ہیں۔"

"نمبر تھری تمہاری پسند کے پروگرامز دیکھتی ہوں......کم از کم آج کل تو ایسا ہی کر رہی ہوں نا! تم نے کہا سالانہ ایگزیمز ہیں ٹی۔وی دیکھنا بند کرو میں نے کم کر دیا۔"

"کوئی اور پروف......"

"تمہارے ہی کہنے پر میں روزانہ سکول کا سفر پیدل طے کرتی تھی۔"

"صرف میرے کہنے پر......"

"جس کے بھی......اس بات کو تم چھوڑو اور......اور"

فاریہ نے بات ٹال دی فروہ نے مزید پروف مانگا۔

"ہاں......ہاں بتاؤ......"

فاریہ سوچ میں پڑ گئی۔

"اور مجھے یاد نہیں آ رہے۔"

"تمہاری یادداشت کب سے کمزور ہو گئی۔"

"پتہ نہیں۔"

فروہ مسکرانے لگی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان سب پروف کی validity کو فاریہ خوب جانتی تھی اور مزید وہ بتانا نہ چاہ رہی تھی۔ فاریہ تو کتاب پہلے ہی بند کر چکی تھی لہٰذا موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جھٹ سے بیڈ پر دراز ہو گئی۔ فروہ جان گئی تھی کہ اب وہ سونا چاہ رہی تھی مگر فی الوقت وہ اُسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھی لہٰذا اپنی مسکراہٹ کو دبا لیا اور چہرے پر مصنوعی ہنسی سجاتے ہوئے بولی۔

"فاریہ تم جانتی ہو صرف پانچ دن رہ گئے ہیں۔"

"کس میں؟"

"ہمارے سالانہ ایگزیمز سٹارٹ ہونے میں۔"

"تو کیا ہوا جب سے فری ہوئے ہیں پڑھائی ہی تو کر رہے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں تم کتنا پڑھتی ہو۔"

"تو کیا نہیں پڑھتی؟"

"اس بات کو چھوڑو۔ تم نے ابھی ابھی مجھے بہت سے پروف دیے کہ تم میرے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرتی ہو تو کیوں نا ان احکامات کی لسٹ میں اضافہ کر دیا جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اُٹھو اور بیٹھ کر پڑھو۔"

وہ ناگواری کے ساتھ اُٹھ گئی۔ کتاب اپنے سامنے بیڈ پر رکھی اور اپنا سر، نظریں اس پر جھکا لیں۔ فروہ کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ رہا تھا۔ آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی تھیں مگر وہ اُسے پروف دینے کو بیٹھی ہوئی تھی۔ فروہ مسکرانے لگی۔ جی تو چاہا کہ اُسے سونے کی اجازت دے دے مگر آج وہ بھی اُسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھی اس لیے کتاب ہاتھ میں لی۔ پڑھنے لگی مگر جب بھی اس نے فاریہ کو کنکھیوں سے دیکھا بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

☆

سالانہ امتحان قریب آئے تو انہیں سکول سے فری کر دیا گیا مگر امتحانات قریب ہونے

کے باوجود فاریہ کی روٹین میں کوئی کمی بیشی نہ آئی۔ وہ اُسی طرح اپنا بہت سا وقت ٹی۔وی کے سامنے گزارتی تھی مگر جب فروہ کے سامنے اپنی فرمانبرداری کا اقرار کیا تو وہ اپنے ہی کھودے گڑھے میں گر گئی تھی۔ تھوڑا سا وقت کتابوں کے ساتھ گزارنے کے بعد جب وہ اکتاہٹ محسوس کرتی تو بہن اور ماں سے آنکھ بچا کر اپنے کمرے میں چلی آتی اور ٹی۔وی آن کر کے بیٹھ جاتی مگر ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرتے تو اُسے احساس ہونے لگتا اس نے بہن کی حکم عدولی کی تھی۔ وہ اِس لیے فوراً ٹی۔وی آف کر دیتی اور وہاں سے چلی آتی۔ پھر کبھی صحن میں ٹہلنے لگتی تو کبھی کچن میں چلی آتی اور ماں کا ہاتھ بٹانے لگتی مگر جوں ہی آدھا پونا گھنٹہ گزرتا تو فضلیت بیٹی کو کہتی۔

"فاریہ بہن پڑھ رہی ہے اور تم کام میں لگی ہوئی ہو۔ جاؤ تم بھی جا کر پڑھو۔"

"امی میں تھک گئی ہوں سر میں درد ہو رہا تھا بس ریلکس کرنے کو یہاں آ گئی...... آپ تو جانتی ہیں تھکاوٹ میں انسان اپنی توجہ مرکوز نہیں کر سکتا۔ پھر سٹڈی تو یکسوئی اور دلجمعی سے ہوتی ہے۔ جب میں ریلکس ہو جاؤں گی تو گھنٹے کا کام پندرہ بیس منٹ میں کر لوں گی۔"

فضلیت بیگم مسکرانے لگیں۔

"اس طرح تو تم اور تھک جاؤ گی اگر اتنی ہی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے تو تھوڑی دیر لیٹ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

فضلیت بیگم بیٹی کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کے بعد ہی یہ کہتی تھیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ فاریہ کسی کام کو مسلسل نہیں کر سکتی اس میں مستقل مزاجی ہرگز نہ تھی۔ وہ ہر کام کو جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کرتی تھی کیونکہ اگر وہ بے زار ہو جاتی تو پھر چاہے کام ادھورا ہی کیوں نہ ہو وہ اُسے چھوڑ دیتی اور کسی نئے کام کو کرنے بیٹھ جاتی۔ ہمیشہ اس کے ادھورے کام کو فضلیت بیگم یا فروہ نے ہی مکمل کیا تھا۔ وہ اُسے ہمیشہ وہی کام کہتی تھیں جو زیادہ محنت طلب بھی نہ ہوتا اور جس پر زیادہ وقت بھی خرچ نہ ہوتا۔ صرف ٹی۔وی تھا جس کے سامنے بیٹھ کر اُسے وقت کے گزرنے کا احساس نہ رہتا تھا۔ پروگرامز کو دیکھتے ہوئے تو وہ خود کو ہی بھول جایا کرتی تھی جبکہ فلم یا ڈرامے میں اس کی توجہ کا مرکز آرٹسٹ کی خوبصورتی ہی رہتی تھی جب بھی وہ فلم یا ڈرامہ دیکھتی۔ فروہ سے کہتی۔

"فروہ یہ لوگ کتنے خوبصورت ہیں کاش! میں بھی ہوتی۔"

فروہ اُسے جواب دیتی۔

"یہ سب سکرین بیوٹی ہے۔"

کچن سے چلے آنے کے بعد وہ صحن میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتی اور فروہ کو پڑھتا دیکھ کر کہتی۔

"تمہارا سر درد نہیں ہوتا۔"

"نہیں......"

"میرا تو ہوتا ہے۔ اس لیے ریلکس کر رہی ہوں۔"

"تم کافی ریلکس کر چکی ہو۔ اب ذرا پڑھ بھی لو تو بہتر ہوگا۔"

وہ فروہ کی بات سنی اَن سنی کر دیتی اور صحن میں اُگے پودوں کے پاس چلی آتی اور ان سے باتیں کرنے لگتی اور اس کے بعد اخبار پڑھنے لگتی۔ شوبز کی خبریں پڑھتے ہوئے اُسے والد کے الفاظ یاد آ جاتے۔

"کیا خاص خبر ہے ہمیں بھی بتاؤ۔"

تو وہ جلدی سے ساری اخبار پڑھنے کا تہیہ کرتی مگر ایک دو ہیڈ لائنز کے بعد اُس کا جی بوجھل ہو جاتا اور دوبارہ اخبار تہہ کر کے رکھ دیتی۔ رات کو بھی جوں ہی فروہ کو ذرا مصروف پاتی فوراً لیٹ جاتی اور آنکھیں موند لیتی۔

اِدھر اُدھر وقت ضائع کر دیتی لیکن ٹی۔وی کے سامنے نہ بیٹھتی ہر روز کیلنڈر سے ایک دن کاٹ دیتی تا کہ اسے یاد رہے کہ ایگزمز کب سٹارٹ ہو رہے تھے کیونکہ اُسے فروہ کی طرف سے یہ خوشخبری سنا دی گئی تھی کہ جوں ہی ایگزیمز ختم ہوں گے اُسے مکمل آزادی ہوگی وہ جتنا چاہے ٹی۔وی دیکھے اسے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی فرمانبرداری پر ہی کوئی آنچ آئے گی۔

☆

فاریہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ہاتھ میں اخبار پکڑے شوبز نیوز پڑھ رہی تھی جبکہ اس کے پہلو میں براجمان فروہ ایک ہسٹوریکل کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ سہ پہر کے چار بج رہے تھے سورج کی روشنی ابھی ماند نہ پڑی تھی لہٰذا دونوں بہنیں اس کی کرنوں سے پھیلے اُجالے سے بھرپور استفادہ کر رہی تھیں۔ اخبار بینی کے دوران فاریہ نے کئی بار بہن کو لجاجت بھری نظروں سے دیکھا مگر اس کی بے خبری و بے نیازی کو دیکھ کر لبوں کو جنبش دینے کی جسارت نہ کی۔

کچھ دیر تو اس نے خود پر قابو پائے رکھا مگر جب محسوس کیا کہ اب وہ بولے بنا نہیں رہ پائے گی تو چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔ وہ بہن کو ڈسٹرب نہ کرنا چاہتی تھی مگر خود کو اب بولنے سے بھی نہ روک پا رہی تھی اس لیے کمرے کا رخ کیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے

ٹی۔وی کا سوئچ آن کر دیا اور بیڈ پر براجمان ہو گی مگر چند ہی منٹوں میں فروہ بھی اس کے پاس چلی آئی اور اس کے پاس ہی بیٹھ کر سٹڈی کرنے لگی۔

فروہ بہن سے بہت محبت کرتی تھی اس لیے جہاں وہ جاتی وہاں چلی آتی تھی۔گو دونوں میں بہت کم گفتگو ہوتی مگر اس کے باوجود وہ فاریہ کے پاس بیٹھنا ہی پسند کرتی تھی۔اس کی موجودگی فروہ کو تقویت بخشتی تھی۔اس محبت کے رشتے کو برسوں کے ساتھ نے پروان چڑھایا تھا۔فروہ، فضلیت بیگم اور مرتضٰی صاحب کی بڑی بیٹی تھی اس لیے وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے دونوں ہی اس پر جان چھڑکتے تھے اس چاہت کے پس پردہ جہاں فروہ کا پہلی اولاد ہونا تھا وہاں اس کا نازک اور کمزور ہونا بھی تھا۔اس کی جسامت کو دیکھتے ہوئے دونوں اس کا حد سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ جب فروہ تین سال کی ہوئی تو فضلیت نے شوہر سے اسے سکول داخل کروانے کی بات کی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔"فضلیت پاگل ہو گئی ہو......فروہ ابھی بہت چھوٹی ہے میں اس ننھی منی، دبلی پتلی نازک سے جان کو کتابوں کے بوجھ تلے نہیں دبا سکتا۔"

تب فضلیت بیگم بھی رضا مند ہو گئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ فروہ ابھی اتنا بوجھ نہ اُٹھا سکے گی۔مگر جب فاریہ تین سال کی ہوئی اور اس کا ایڈمیشن کروانے کا وقت آیا تو فضلیت نے فروہ کا بھی ایڈمیشن کروا دیا۔اب کی بار ہار ماننے کی باری مرتضٰی صاحب کی تھی لہٰذا انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

گو فروہ جسمانی لحاظ سے فاریہ سے کم تر تھی مگر اس کے باوجود بہن کا بہت خیال رکھتی تھی۔دونوں بہنوں کے ڈیسک بھی ساتھ تھے لہٰذا فروہ کی نظر ہر وقت بہن پر رہتی تھی۔اس کی کاپیوں، کتابوں، پنسل، بیگ سے لیکر اس کے ہوم ورک تک کی خبر رکھنا وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی۔ٹیچر کے پاس بھی وہ بہن کے ساتھ جاتی اور بریک میں بھی اس کی انگلی پکڑے رکھتی کہ کہیں اس کی گول مٹول سی بہن کسی بچے کے دھکا دینے سے گر نہ جائے وہ ہر وقت بہن اور اس کی چیزوں کی نگرانی کرتی اور اگر کوئی بھولے سے بھی اس کی کسی چیز کو ہاتھ لگا دیتا تو وہ اُس سے لڑ پڑتی۔بہن کے ہاتھوں، کپڑوں کا خیال رکھنا بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی۔وہ زیادہ تر لنچ گھر سے ہی لے کر جایا کرتی تھی مگر اس کے باوجود اگر کبھی فاریہ بہت زیادہ ضد کرتی تو اُسے صرف وہ چیز خرید کر دیتی جو اس کے خیال میں بہن کے لیے اچھی ہوتی۔

اس کی وجہ سے سکول کا کوئی بچہ فاریہ کو تنگ کرنے کی جراٴت تک نہ کرتا۔گھر میں بھی وہ جب تک فاریہ کا ہوم ورک مکمل ہوا نہ دیکھ لیتی اُسے چین نہ آتا۔کوئی تو کیا وہ ٹیچر تک کا اُسے

ڈانٹنا یا مارنا پسند نہ کرتی تھی اس کی ذمہ داری کی بدولت ہی اُسے کبھی ڈانٹ نہ پڑی تھی۔

فروہ جس قدر ذمہ دار اور سمجھدار تھی فاریہ اُسی قدر لاپرواہ بن گئی تھی۔اس لیے جب اس کا کسی کام کے کرنے کو جی چاہتا وہ کرتی اور جب نہ چاہتا تو صاف انکار کر دیتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فروہ خود بخود اس کے کام کو نمٹا دے گی اور ماں سے ڈانٹ نہ پڑنے دے گی۔

فاریہ نے والیم کافی ہائی کر رکھا تھا مگر ڈسٹربنس کے باوجود فروہ نے شکوہ شکایت نہ کی کیونکہ اس کی لگائی ہوئی پابندی ایگزیمز تک valid تھی اور ان کے ختم ہوتے ہی وہ کالعدم قرار پا چکی تھی۔اب فاریہ کا راج اور من مانی کا دور تھا۔جس سے وہ خوب فائدہ اُٹھا رہی تھی۔اُسے کوئی ڈر خوف نہ تھا اس نے پیپرز کے بعد کسی کتاب کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا بس دن رات ٹی۔وی، اخبار اور گھر بھر میں گھومنا اس کا معمول بن گیا تھا البتہ فروہ اب بھی مختلف کتب کا مطالعہ کرتی تھی۔فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس کے ہاتھ میں غیر نصابی کتب تھیں۔بہن کو مطالعہ کرتے پا کر اس کا پارہ ہائی ہو گیا غصے میں بیڈ سے اُٹھی اور والیم مزید اونچا کر دیا فروہ اُسے تنبیہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی لہٰذا کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور فاریہ کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو بغور دیکھا تو سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔وہ اس سے کچھ شیئر کرنا چاہ رہی تھی۔اس کی بے تابی اُسے الٹی سیدھی حرکات پر مجبور کیے ہوئے تھی۔مگر اس سے قبل کے وہ اس کی بے چینی و بے قراری کا سدباب کرتی اس کے کانوں میں ماں کی آواز پڑی۔

"فروہ بیٹی......"

کمرے کے شور کی وجہ سے وہ مکمل جملہ نہ سن پائی تھی۔خشونت بھرے لہجے میں بولی۔

"امی کچھ کہہ رہی ہیں اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو اس کا والیم ہی کم کر دو۔"

فاریہ والیم کم کرنے کو اُٹھی تو فروہ نے بھی بکی سے بیڈ کو چھوڑا اور کمرے سے باہر چلی آئی۔مگر جب تک وہ پہنچی فضلیت بیگم ان کے کمرے سے دو چار فرلانگ دور جا چکی تھیں۔وہ تیز تیز ڈگ بھرتی ماں کے قریب پہنچی۔

"امی آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں بیٹی ...... میں یہ کہہ رہی تھی کہ میں پڑوس میں میلاد پر جا رہی ہوں تم سبزی کاٹ دینا اور ہاں تھوڑے سے برتن بھی رکھے ہیں وہ بھی دھو دینا......کھانا میں واپسی پر خود بنا لوں گی۔"

"آپ جائیں میں سب کرلوں گی۔"

"مگر ذرا دھیان سے بیٹی کوئی کٹ نہ لگوا لینا......"

"آپ بے فکر رہیں میں اب بچی تھوڑی ہوں کالج سٹوڈنٹ بننے والی ہوں۔"

"دروازہ اچھی طرح بند کر لینا۔"

"آپ بے فکر رہیں۔"

فضیلت بیگم کے جاتے ہی فروہ نے دروازہ بند کیا اور واپس کمرے میں چلی آئی۔ فاریہ جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم نے والیم کم نہیں کیا۔"

"تمہارے جانے کے بعد ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔"

"اب کم کر دو۔"

"تم یہاں بیٹھو گی۔"

"نہیں...... میں کچن میں جا رہی ہوں تھوڑے سے برتن دھونے ہیں پھر سبزی کاٹوں گی اور اگر ہو سکا تو کھانا پکا لوں گی...... تم بھی میرے ساتھ چلو......"

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

"بے فکر رہو کوئی کام نہیں کرواؤں گی۔"

"میں جانتی ہوں مگر فی الحال جی نہیں چاہ رہا تم جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

"پلیز چلو نا! تم جانتی ہو تمہارے بغیر میں کام نہیں کر پاتی۔"

وہ چڑ کر بولی۔

"میں کوئی تمہاری آکسیجن ہوں۔"

"ہاں......"

وہ مزید چڑ گئی۔

"جاؤ مجھے تنگ نہ کرو......"

"پلیز فاریہ......"

"میں نے کہا نا! ابھی نہیں آنا مجھے......"

فروہ جان گئی تھی کہ اُسے کوئی بے چینی لاحق تھی اس لیے وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔ اس کا اکیلے جانے کو من تو نہ چاہ رہا تھا مگر مزید اصرار فاریہ کے چڑچڑے پن میں اضافے کا باعث بن سکتا تھا لہٰذا وہ وہاں سے چلی آئی اور کچن میں آ کر برتن دھونے لگی۔

فاریہ کا بھی کمرے میں بیٹھنے کو جی نہ چاہ رہا تھا مگر چونکہ اس نے خود ہی بہن کو منع کر دیا تھا لہٰذا اب اُسے فوراً اس کے پیچھے جانا اپنی توہین محسوس ہوا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی بیڈ پر براجمان رہی۔ والیم کافی ہائی تھی مگر اس کے باوجود اُسے کچھ سنائی نہ دے پایا تھا۔ بمشکل پانچ منٹ گزرے تھے کہ وہ غصے سے اُٹھی ٹی۔ وی آف کیا اور کچن میں چلی آئی۔ اس کے قدموں کی آہٹ سے فروہ کو اس کی آمد کی اطلاع دے دی مگر وہ بے خبر اور انجان بنی رہی سر کو کھجلاتے ہوئے فاریہ اپنی خفت مٹانے کو بولی۔

"میں تمہاری مدد کروں۔"

فروہ کو اسی بات کا انتظار تھا۔

"نہیں......"

"اگر تم کہو تو میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

فروہ نے ہاتھ میں پکڑا برتن وہیں رکھا اور اسکی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"اس کا مطلب مسئلہ ہے۔"

"نہیں......"

"بولو کیا بات ہے؟...... تم صرف اُسی صورت اس قسم کی الٹی سیدھی حرکات کرتی ہو جب تمہیں کوئی پرابلم ہو۔ اب جلدی سے بتاؤ ورنہ میں......"

"مسئلہ ہے......"

"میں جانتی تھی اسی لیے تمہیں اپنے ساتھ آنے کا کہہ رہی تھی تا کہ تم اپنے دل کی بات کہتی رہو اور میں اپنا کام نمٹاتی رہوں...... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یقیناً تمہاری دنیا کے کسی فرد کو کوئی آنچ آ گئی ہو گی اُس کی فکر لاحق ہے نا تمہیں؟"

"تم کیسے جانتی ہو؟"

"تمہاری دنیا اس قدر محدود ہو گئی ہے کہ انسان خود بخود جان جاتا ہے کہ کب اس میں ہوا چلی اور کب آندھی آئی؟"

"وہ......" فاریہ ہچکچا رہی تھی۔

"وہ کیا؟"

"وہ تا! شوٹنگ...... کے دوران...... چوٹ آ گئی......"

"بس...... بس مزید کچھ مت کہنا میں سارا معاملہ سمجھ گئی ہوں۔"

"کیا سمجھ گئی ہو؟"

فروہ نے دوبارہ منہ سینک کی طرف موڑا اور برتن دھونے لگی فاریہ اس کے کومنٹس کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے چہرے پر بے چینی واضطراب کے تاثرات نمایاں تھے۔ بالآخر خود ہی وہ بولی۔

"یہی کہ کسی ایکس۔ وائے یا زی کو دوران شوٹنگ چوٹ آ گئی اور اب تم اس کی فکر میں گھل رہی ہو...... فاریہ اس میں ایسی کونسی بات ہے ہر روز ہزاروں لوگوں کو چوٹیں آتی ہیں۔"

"مگر وہ ایک سٹار ہے۔"

"سٹار ہے تو کیا ہوا؟ کیا سٹار کے پر ہوتے ہیں اور عام انسان کے سینگ...... انسان انسان ہوتا ہے چاہے وہ سٹار ہو یا کلرک...... دونوں کو ایک ہی کیٹگری میں رکھا کرو انہیں تفاوت کے پلڑوں میں مت تولو۔"

"فروہ وہ بہت سپیشل ہوتے ہیں۔"

"بس...... بس...... میرے سامنے ان کے قصیدے نہ پڑھا کرو مجھے چڑ ہونے لگتی ہے...... فاریہ سب مساوی ہیں کوئی بھی عام یا خاص نہیں ہوتا بس ہم اُسے ایسا بناتے ہیں۔"

"فروہ تم مانو یا نہ مانو سٹارز بہت منفرد لوگ ہیں بالکل اپنے نام کی طرح...... جیسے آسمان پر چمکنے والے سٹارز کاپیوں، کتابوں پر پینٹ شدہ سٹارز سے بہت مختلف ہوتے ہیں اسی طرح یہ آرٹسٹ لوگ بھی عام انسانوں سے جدا ہوتے ہیں۔"

"تمہیں ایسا لگتا ہے مجھے نہیں......"

"مجھے تو لگتا ہے۔"

"بس تو یہ پھر تمہارے لیے سٹارز ہونگے میرے لیے نہیں۔"

اس بحث وتکرار میں فروہ نے برتن دھو لیے اور اب وہ سبزی اُٹھائے صحن کی طرف چلی آئی فاریہ بھی بہن کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ اُسے آج فروہ سے بحث کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا کیونکہ اُسے اس بات کی خوشی تھی کہ آج وہ اپنے دل کی بات کو کھل کر بیان کر پا رہی تھی اور فروہ اسے سن رہی تھی گو اُسے یہ خوشی بحث وتکرار کی صورت ملی تھی۔ سبزی کاٹتے ہوئے بھی دونوں بہنوں میں یہی موضوع ڈسکس ہوتا رہا پھر جب فروہ کھانا بنانے لگی تو فاریہ شوبز کے لوگوں کی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے ملاتی رہی۔ اُس نے بہن کا کسی بھی کام میں ہاتھ نہ بٹایا بلکہ اُسے اس

بحث میں یہ تک دیکھائی نہ دے رہا تھا کہ فروہ اکیلے ہی کام کیے جا رہی تھی۔

☆

فاریہ، فروہ اور مرتضٰی صاحب ڈرامہ دیکھ رہے تھے جبکہ دوسرے کمرے میں فضیلت بیگم نماز پڑھنے کے بعد تسبیح کر رہی تھیں۔ ڈرامے کے دوران دونوں بہنیں اپنے اپنے کومنٹس پاس کرتی رہیں۔ دونوں ہی اس سیکنڈ لاسٹ ایپی سوڈ کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لاسٹ ایپی سوڈ کے بارے پیشین گوئیاں کر رہی تھیں۔

"ہیرو بمشکل دشمنوں کے چنگل سے نکل پائے گا......"

فاریہ کی رائے سے فروہ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل غلط۔ ڈرامے کا اینڈ ہمیشہ ہیپی ہوتا ہے اس لیے سب اچھا اچھا ہو جائے گا۔"

"ایسا لگ تو نہیں رہا۔"

"مگر ایسا ہوگا ضرور......"

مرتضٰی صاحب دونوں بہنوں کے کومنٹس پر مسکراتے ہوئے بولے۔

"تم دونوں سکون سے بیٹھ کر ڈرامہ نہیں دیکھ سکتیں کیا؟"

فاریہ نے جھٹ سے جواب دیا۔

"ابو ایسے تو ڈرامہ دیکھنے کا مزہ آتا ہے۔"

"بھائی کم از کم ہمیں تو نہیں آتا۔"

"ابو آپ بھی بہت بور ہیں۔"

"جو بھی سمجھو مگر اب خاموش ضرور ہو جانا۔ ڈرامہ ختم ہو چکا ہے اور اب خبریں آن ایئر ہوں گی۔"

فاریہ نے نظریں سکرین پر چلنے والے ناموں پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ابو آخر آپ کو خبروں میں ملتا کیا ہے...... کچھ نیا تو ہوتا نہیں وہی گھسی پٹی باتیں ہیں۔ سارا دن آفس میں بھی خبروں کے درمیان رہتے ہیں اور گھر آ کے بھی اسی پر توجہ دیتے ہیں آپ تھکتے نہیں کیا۔"

"یہ تو ہمارے کام کا حصہ ہیں اس میں تھکنے والی تو کوئی بات ہی نہیں...... پھر ملکی حالات سے باخبر بھی تو رہنا چاہیے۔"

"باخبر رہنے سے کیا ملے گا؟"

"خاموش......خبرنامہ شروع ہوگیا ہے۔"

کمرے میں مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ مرتضٰی صاحب بڑے انہاک سے خبریں سننے لگے اور پھر خاص خاص خبروں کے بعد ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آج تو کوئی خاص خبر نہیں......ہم سونے جا رہے ہیں۔ تم دونوں بھی ٹی۔وی آف کرواور اللہ کا نام لیکر سو جاؤ......رات بھر جاگتی نہ رہنا......"

"ابو ہم وعدہ نہیں کرسکتی ہاں اگر کوئی اچھا پروگرام ہوا تو جاگنا تو پڑے گا......ویسے بھی عیاشی کے چند دن ہی تو رہ گئے ہیں جوں ہی رزلٹ آئے گا وہی روٹین شروع ہوجائے گی......"

"اللہ تم دونوں بہنوں کو کامیابی عطا فرمائے تاکہ کسی اچھے سے کالج میں ایڈمیشن مل جائے۔"

"انشاءاللہ......" فروہ بولی۔

مرتضٰی صاحب اپنے کمرے میں چلے آئے فاریہ نے ٹی۔وی کا والیم کافی لو کردیا کیونکہ آدھا گھنٹہ خبریں نشر ہونا تھیں اس کے بعد ہی کسی اچھے یا برے پروگرام کی اُمید کی جاسکتی تھی۔ دونوں بہنیں بیڈ پر بیٹھی تھیں فروہ نے کتاب پکڑلی اور فاریہ نے اخبار کو تھام لیا۔ فاریہ کی ایک نظر اخبار پر تھی تو دوسری ٹی۔وی پر دونوں جگہ بوریت تھی۔ اخبار میں شوبز کا پیج ہی نہ تھا اور ٹی۔وی پر بھی ملکی حالات کا رونا۔ وقت کاٹنے کو فاریہ نے گفتگو کا سلسلہ چھیڑا "آج کیا دن ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ۔"

"چلو پروگرامز کے بارے ہی بتادو تاکہ میں فیصلہ کرپاؤں۔"

"کیسا فیصلہ"

"سونے کا"

"مجھے ان کے بارے کوئی علم نہیں......اس کی خبر تو تمہیں ہونی چاہیے۔"

"ہوتی ہے مگر آج نشریات نہیں سن پائی۔"

فروہ نے مزید کوئی جواب نہ دیا بلکہ بڑے انہاک سے کتاب پڑھنے لگی۔ بہن کی لاپرواہی کو دیکھتے ہوئے اس نے خود ہی سوچ بچار کا فیصلہ کیا۔ بالآخر دن تو اُسے یاد آگیا مگر پروگرامز کی تفصیلات نہ جان پائی۔ آخر خبرنامہ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے ختم ہوتے ہی جوں ہی نشریات کے بارے بتایا جانے لگا وہ محو ہوگئی اُسے آج کی نشریات کچھ خاص پسند نہ آئی۔ البتہ فلم کی اناؤنسمنٹ پر فروہ ضرور الرٹ ہوگئی۔

"بارہ بج کر دس منٹ پر ہم اپنے ناظرین کے لیے اُردو فیچر فلم "مہک" پیش کریں گے جس کے نمایاں ستاروں میں شامل ہیں۔ بابرہ شریف اور فیصل رحمٰن۔"

فروہ خوشی سے اُچھل پڑی۔

"بابرہ شریف کی مہک......بہت مزہ آئے گا۔"

"کیا خاک مزہ آئے گا۔"

فاریہ نے اپنے روکھے انداز سے فروہ کا مزہ کرکرا کرنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ ہوا۔

"بہت مزہ آئے گا۔"

"جانتی ہو اگر بارہ بجے کا کہا ہے تو فلم دو بجے سے پہلے سٹارٹ نہیں ہوگی......آخر کو یہ پی۔ٹی۔وی ہے۔"

فاریہ کا یہ حربہ بھی رائیگاں گیا۔

"تو کیا ہوا؟"

"تو پھر تم اکیلی ہی بیٹھ کے دیکھنا میں تو اتنی رات تک نہیں جاگ سکتی۔"

"پلیز فاریہ......تمہارے بغیر مزا نہیں آئے گا۔"

"ویسے تو تمہیں سٹارز پسند نہیں اور اب......"

"اس بحث کو چھوڑو۔"

"ویسے فروہ تمہیں بابرہ شریف پسند ہے مگر تم نہ تو اس کے بارے جاننا چاہتی ہو اور نہ ہی ملنے کی خواہش رکھتی ہو......اس کے پیچھے کیا راز ہے؟"

"مجھے بابرہ شریف پسند نہیں......"

"تو پھر اس کی فلمیں کیوں دیکھتی ہو؟"

"بتاؤں گی......"

"پہلے بتاؤ......"

"اگر آج تم میرے ساتھ یہ فلم دیکھو تو میں تمہیں بتادوں گی۔"

"اور اگر نہ دیکھوں تو......"

"تو......کچھ بھی نہیں......"

فاریہ اس راز سے پردہ اُٹھانا چاہتی تھی اس لیے حامی بھرلی۔

"میں فلم تو دیکھ لوں مگر مجھے ایک اندیشہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"مجھے نیند آجائے گی۔"

"تمہاری نیند کا میں نے بندوبست کرلیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جب تک فلم سٹارٹ نہ ہوگی میں اور تم......رس گلے بنائیں گے۔ میں نے آج ہی اس کی ریسپی پڑھی ہے......اس طرح ہمارا ٹائم بھی پاس ہو جائے گا اور نیند بھی نہ آئے گی۔"

"مگر مجھے کوکنگ نہیں کرنی......"

"تم بس میرے پاس بیٹھی رہنا باقی کا سارا کام میرا......منظور......"

"منظور......"

☆

فضیلت بیگم جب کچن میں آئیں تو ایک ساعت کو اپنے ہی گھر کی اس اہم ترین جگہ کو نہ پہچان پائیں۔ کیونکہ کچن کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ تقریباً ہر چیز اُلٹ پلٹ تھی۔ سینک برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ شلف پر میدہ گرا ہوا تھا۔ مصالحہ جات کی کچھ ڈبیاں تو بند تھیں البتہ بعض کے ڈھکن کھلے تھے۔ ان کے قریب ہی شلف پر آلو کے چھلکے پڑے تھے۔ کڑاہی میں بچا کچھا تیل اس بات کی اطلاع دے رہا تھا کہ چپس بنانے والے نے اس کو بے کار سمجھتے ہوئے ڈھانپنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی تھی۔ شلف سے جو نظر ہٹی تو سیدھی چولہے پر پڑی وہاں چیونٹیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جو یقیناً اپنا راشن اکٹھا کرنے کو اِدھر چلی آئیں تھیں۔ ان کے ننھے ننھے پیٹ خوب پھول رہے تھے جس سے فضیلت بیگم نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ انہوں نے پہلے تو خوب پیٹ بھر کر کھایا اور جب سیر ہوگئیں تو مہینے بھر کا راشن سٹاک کرنے میں لگ گئیں۔ وہ جس پھرتی سے آ جا رہی تھیں وہ اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ ان کے بل قریب ہی واقع تھے۔ اُسے چولہے پر تو ان کی موجودگی کی سمجھ آگئی تھی کیونکہ وہاں گھی، چپس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے موجود تھے مگر وہ چولہے پر ڈھکی ہوئی دیگچی کے اردگرد ان کی موجودگی کو نہ سمجھ پائی۔ ڈھکن اُٹھا کر دیکھا تو اسے اس میں بظاہر پانی ہی دیکھائی دیا مگر پانی اور چیونٹی کا ساتھ وہ کچھ سمجھ نہ پائی جب پانی کو چکھا تو وہ میٹھا تھا تب وہ جان گئی کہ یہ پانی نہیں دراصل شیرہ تھا مگر مکمل طور پر نہ پکا تھا۔ دوسرے چولہے پر اس کو پلیٹ دیکھائی دی جو ڈھکی ہوئی تھی جب اس نے ڈھکن اُٹھایا تو اُسے براؤن رنگ کے گولے نظر آئے ہاتھ لگا کر چیک کرنے کی کوشش کی مگر وہ بہت سخت تھے اس لیے

انہیں توڑ نہ پائی۔ دانتوں سے بھی توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔ اب جو نظر فرش پر پڑی تو وہاں بھی چیونٹوں کا راج تھا۔ فرش کو بغور دیکھا تو جان گئیں کہ وہاں بھی شیرہ گرا ہوا تھا مگر اس کی مقدار کم تھی جس سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ اسے صاف کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہ جوں جوں کچن کا معائنہ کرتیں پارہ ہائی ہوتا جاتا۔ کچن کی حالت دیکھ کر وہ مکمل طور پر بھول گئیں کہ وہ ناشتہ بنانے آئی تھیں۔ مرتضیٰ صاحب تیار ہو کر کمرے سے برآمدے میں چلے آئے اور وہاں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر اخبار بینی کرنے لگے۔ کچھ دیر تو اُس انتظار میں خاموش رہے کہ ابھی بیگم ناشتہ لے آئیں گی۔ مگر جب ایسا ہوتا ہوا نظر نہ آیا تو بیگم کو ناشتے کا کہا۔ فضیلت بیگم کچن کی صفائی میں مصروف تھیں اس لیے ناشتے کو بھول ہی گئیں۔ پہلے برتنوں کا سٹاک ختم کیا پھر شیلف اور چولہے کی صفائی کی اور سب سے آخر میں فرش پر پوچا لگایا۔ اس دوران مرتضیٰ صاحب نے کئی بار ناشتہ لانے کا کہا۔ اور جب وہ ان کاموں سے فارغ ہو کر ناشتہ بنانے لگیں تو ایک بار پھر سے شوہر کی آواز کانوں میں پڑی۔

"بیگم کتنی دیر لگے گی...... مجھے دفتر جانا ہے میں لیٹ ہو رہا ہوں۔"

فضیلت بیگم جانتی تھیں کہ اب وہ پانچ منٹ میں ناشتہ تیار کرلیں گی لہٰذا شوہر سے پانچ منٹ کی مہلت مانگ لی۔ اس پانچ منٹوں میں ناشتہ تیار کیا اور پھر ٹرے اُٹھائے برآمدے میں چلی آئیں۔ مرتضیٰ صاحب جس چارپائی پر براجمان تھے اس کے سامنے ہی ایک میز رکھا تھا۔ انہوں نے ٹرے اس میز پر رکھی۔

"بیگم آج تو آپ نے ناشتہ بنانے میں اتنی دیر لگا دی...... میں تو سوچ رہا تھا آپ پائے بنا رہی ہیں۔ مگر ناشتہ تو معمول کا ہی ہے......آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا!"

"میں تو ٹھیک ہوں مگر ہمارے گھر کے حالات کچھ اور ہی خبر دے رہے ہیں۔"

"کیا خبر دے رہے ہیں؟"

مرتضیٰ صاحب نے اب اخبار ایک طرف رکھ دی اور ناشتہ کرنے لگے۔

"اگر آپ آج کچن کی حالت دیکھ لیتے تو یقیناً یہ سوال نہ کرتے۔"

"کیا ہوا کچن کی حالت کو؟"

"پوچھیں کیا نہیں ہوا؟"

"چلیں آپ ہی بتا دیں۔"

"آپ میری ہر بات کو مذاق میں ٹال دیتے ہیں حالانکہ معاملہ بہت گھمبیر ہے۔"

"ارے بیگم ہم کب ایسی جسارت کرتے ہیں بس آپ ہی ہمیں یہ موقعہ فراہم کر دیتی ہیں......مجبوراً ہمیں یہ قدم اُٹھانا پڑتا ہے......"

اس سے بیشتر کہ وہ مزید کچھ بولتے بیگم کی پیشانی کی سلوٹوں سے مرعوب ہوگے اور پہلو تہی کرتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں بولے۔

"بیگم آپ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں؟"

فضیلت سنجیدہ ہوگئیں اور تفکرانہ لہجے میں بولیں۔

"مجھے لگتا ہے ہمارے گھر میں جن بھوتوں نے بسیرا کرلیا ہے۔"

جن بھوت کا سنتے ہی مرتضٰی صاحب مسکرادیے مگر بیگم کے چہرے پر فکر کے تاثرات کو پھیلا دیکھ کر چہرے پر سنجیدگی لانے کی بھر پور کوشش کی۔

"جن بھوت کا بسیرا......بیگم آپ مانیں نہ مانیں آپ یقیناً بیمار ہیں......آج کسی اچھے سے ڈاکٹر سے چیک اَپ کروائیں......"

"آپ میری بات کو چٹکیوں میں مت اڑائیں......کل آپ بھی میری ہاں میں ہاں ملائیں گے......"

مرتضٰی صاحب نے سنجیدگی سے بیگم سے کہا۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ بھلا انہیں ہمارے گھر میں ملے گا ہی کیا۔"

فاریہ بے سدھ پڑی تھی البتہ فروہ ماں کی آواز سن کر اُٹھ بیٹھی سامنے گھڑی پر نظر ڈالی تو وہ آٹھ بجا رہی تھی۔ وہ اتنی جلدی کیسے اُٹھ گئی اُسے حیرت ہونے لگی لہٰذا دوبارہ بیڈ پر دراز ہوگی۔ جوں ہی وہ دوبارہ بیڈ پر لیٹی اس کے کانوں میں ماں کی آواز پڑی۔

"آخر آپ مانتے کیوں نہیں جو کچن کا حشر تھا وہ جن بھوت ہی کر سکتے ہیں۔"

"جن بھوت......تو کیا امی ہمارے کارناموں کا سہرا جنات کے سر سجا رہی ہیں۔"

فروہ کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گی۔ پاس لیٹی بہن کو دیکھا تو وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ وہ اکیلی اس سے لطف اندوز نہ ہونا چاہتی تھی اس لیے فاریہ کو جھنجھوڑا تاکہ وہ بھی ماں کی زبانی اپنے کارنامے سن پائے۔

"فاریہ اُٹھو......"

فاریہ نے دوسرے رخ کروٹ بدل لی۔ فروہ نے ایک بار پھر اُسے جھنجھوڑا تو وہ بولی۔

"کیا بات ہے؟......کیوں تنگ کر رہی ہو......؟ تم بھی سو جاؤ......اور مجھے بھی

سونے دو......"

اس نے آنکھیں موندھتے ہی بہن کو جواب دیا اور پھر اُسی پوزیشن میں آ گئی۔ مگر فروہ کب باز آنے والی تھی۔ پھر دوبارہ اُسے جگانے کی کوشش کی۔

"فاریہ اُٹھو......تمہیں اُٹھنا ہی ہوگا۔"

فاریہ نے سونے کی بہت کوشش کی مگر فروہ کی آواز اسے ڈسٹرب کر رہی تھی مجبوراً آنکھیں کھول لیں اور تند لہجے میں بولی۔

"کیا مسئلہ ہے کیوں تنگ کر رہی ہو؟ آخر تم سوتی کیوں نہیں؟"

"میں تمہیں کچھ سنوانا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"خاموشی سے سنو۔"

دونوں بہنیں خاموش ہوگئیں۔

"آپ چاہے مذاق سمجھیں مگر میں سچ کہہ رہی ہوں۔ یہ کسی انسان کا کام نہیں......میرے علاوہ کچن میں کوئی جاتا ہی نہیں وہاں کبھی کبھار فروہ چلی جاتی ہے مگر وہ بہت سمجھ دار ہے......پھر مجھے اچھی طرح یاد ہے رات کے کھانے کے بعد میں نے سارے برتن دھوئے تھے۔ میرے بعد کوئی بھی کچن میں نہیں گیا......پھر فروہ اتنی رات گئے کوکنگ کیوں کرے گی۔ جبکہ وہ کھانا بھی کھا چکی تھی۔"

"بیگم یہ کام بچیوں ہی کا ہوگا۔"

"میں نہیں مانتی انہوں نے آج تک ایسا نہیں کیا بھلا اب کیونکر کر سکتی ہیں......آپ حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں۔"

"بیگم کونسی حقیقت؟"

"جب کچن کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا تو میں کیوں نہ کہوں کہ یہ کام کسی جن بھوت کا ہے۔"

دونوں بہنیں دھیما دھیما ہنس رہی تھیں مگر فاریہ کی ہنسی یکدم قہقہے میں بدل گی اس سے رہا نہ گیا مگر فروہ نے جلدی سے ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

"کیا کرتی ہو؟ اگر امی نے ہمیں ہنستے سن لیا تو فوراً چلی آئیں گیں اور ہمیں خوب ڈانٹ پڑے گی......بھلائی اسی میں ہے کہ فی الحال ہم سو جائیں جب اُٹھیں گی تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہوگا۔"

فاریہ نے بہن کی بات کی تائید کی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو......ویسے بھی آج سنڈے ہے امی ہمارے کمرے میں نہیں آئیں گی۔''

''صرف ابو کے لیے سنڈے ہولی ڈے ہوتا ہے......ہم تو پچھلے چار ماہ سے چھٹیاں منا رہی ہیں۔''

''تم نے ٹھیک کہا مگر امی صرف سنڈے کو ہمارے کمرے کا رخ نہیں کرتیں۔''

فروہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فاریہ رزلٹ کے آتے ہی تمہاری عیاشی ختم ہو جائے گی...... پھر ہم ہونگے کالج اور پڑھائی۔''

''تب کا تب دیکھا جائے گا فی الحال میری خوشی کا ستیاناس نہ کرو......فروہ مجھے ایسے لگ رہا ہے ابو کو پتہ نہیں کہ آج سنڈے ہے۔''

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''یہ میں نہیں جانتی...... خیر بس سٹاپ تک پہنچتے پہنچتے جان جائیں گے۔ میں انہیں بتانے کا ریسک نہیں لے سکتی۔ کیونکہ باہر کی فضا کافی خطرناک ہے۔''

''امی کافی غصے میں ہیں۔''

''غصے میں کم اور اُلجھی ہوئی زیادہ۔''

''چلو اب سو جاؤ یہ نہ ہو امی ہماری آوازیں سن لیں۔''

پھر دونوں بہنیں بیڈ پر دراز ہو گئیں اور جلد ہی نیند نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

اچانک جو مرتضٰی صاحب کی نظر کلائی پہ بندھی گھڑی پر پڑی تو جھٹ سے اُٹھے۔

''بیگم آپ نے ہمیں اپنے مسئلوں میں اُلجھا کر کافی دیر کروا دی ہے۔ اب ہمیں اجازت دیں۔''

پھر جلدی سے اُٹھے اور گیٹ کی طرف چل دیے۔ جب سڑک تک آئے تو ہر طرف پھیلے سناٹے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بس سٹاپ پر بھی انہیں رش دیکھائی نہ دیا مگر وہ اس بات کو سمجھ نہ پائے۔ ابھی بس کے انتظار میں کھڑے تھے کہ کانوں میں جانی پہچانی آواز پڑی۔

''مرتضٰی صاحب آج کہاں کی تیاری ہے۔''

آواز بہت قریب سے آئی تھی مگر چونکہ مرتضٰی صاحب کی نظر بس پہ جمی ہوئی تھی اس لیے وہ اردگرد نہ دیکھ پائے تھے اب جو نظروں نے آواز کا تعاقب کیا تو حمید صاحب کو اپنے

قریب پا کر بولے۔

''اسلام علیکم! حمید صاحب۔''

''وعلیکم سلام!''

حمید صاحب سے ان کی ملاقات بس سٹاپ پر ہی ہوئی تھی دونوں کا روٹ چونکہ ایک ہی تھا اور ٹائمنگ بھی ایک ہی تھی اس لیے دونوں کی آپس میں دوستی ہو گئی۔ وہ تقریباً روز ہی ایک دوسرے سے ملتے تھے اس لیے ایک دوسرے کے بارے خوب جانتے تھے۔

''مرتضٰی صاحب آج کہاں کی تیاری ہے۔''

''حمید صاحب آفس کے علاوہ کہاں کی تیاری ہو سکتی ہے؟''

''تو کیا آپ کا سنڈے آف نہیں ہوتا۔''

حمید صاحب صرف سنڈے کے روز ہی مرتضٰی صاحب سے نہ مل پاتے تھے آج انہیں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ حمید صاحب کے سوال پر اُنہیں بڑی حیرت ہوئی۔

''جی میرا سنڈے آف ہی ہوتا ہے مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''آج سنڈے ہے۔''

''کیا؟''

''جی مرتضٰی صاحب آج سنڈے ہے۔''

''جانے میں کیسے بھول گیا بہر حال آپ کا بہت بہت شکریہ...... اگر آپ سے ملاقات نہ ہو پاتی تو دفتر سے ہی لوٹنا پڑتا۔''

''چلیں یہ تو پھر بہت اچھا ہوا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی...... میں ذرا بازار تک آیا تھا آپ پر نظر پڑی تو سوچا سلام دعا کر لیں۔''

''بہت......بہت شکریہ۔''

فضیلت ابھی کچن میں اپنے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی جب دروازہ کھولا تو سامنے شوہر کو پا کر حیران رہ گئیں۔

''آپ اتنی جلدی لوٹ آئے......سب خیریت ہے نا!''

''بیگم آج سنڈے ہے......آپ نے بھی ہمیں نہیں بتایا کہ آج چھٹی کا دن ہے۔''

''کیا آج چھٹی ہے؟''

''اگر حمید صاحب سے ملاقات نہ ہو پاتی تو یقیناً دفتر پہنچ جاتا۔''

"میں تو بھول ہی گئی...... صبح صبح کچن کی حالت دیکھ کر میرے ذہن سے سب نکل گیا مگر آپ کو تو یاد رکھنا چاہیے تھا!"

☆

فاریہ تو پہلے ہی اخبار بینی سے تنگ آ چکی تھی فلم کی اناؤنسمنٹ نے فروہ کی نظریں بھی کتاب سے ہٹا دیں۔ ٹی۔وی پر کوئی خاص پروگرام آن ایئر نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ کمرے میں بیٹھنے پر مجبور تھیں۔ کیونکہ وقت گزارنے کو ان کے پاس کوئی اور مشغلہ جو نہ تھا۔ فروہ تو خود پر جبر کر کے نظریں گاڑھے ہوئے تھی مگر فاریہ نے اپنی بے چین فطرت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ بیڈ سے اُٹھی اور کمرے میں ٹہلنے لگی پھر کچھ دیر بعد برآمدے میں چلی آئی مگر یہاں زیادہ دیر نہ رُک سکی کیونکہ اُسے ماں کے جاگنے کا ڈر تھا۔ صحن میں چلے آنے کے بعد یہ خوف کافور ہو گیا یہاں کا سناٹا اور موہوم روشنی بہت بھلی لگی۔ اس سے لطف اندوز ہونے کو چارپائی پر دراز ہو گئی۔ رات کی تاریکی میں چاند کی روشنی اور ستاروں کی جگمگاہٹ اس کی روح کو تروتازہ کر رہی تھی۔ مگر یہ ساتھ چند ثانیوں کا ہی رہا۔ فروہ بہن کی عدم موجودگی زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی لہٰذا وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ اس نے بہن کو تو اس دنیا میں مست پایا مگر وہ وہاں رُکنے کو تیار نہ تھی اس لیے فاریہ کو بہلا پھسلا کر ساتھ لے جانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے قریب آ کر بولی۔

"فاریہ کیوں نہ کھانے کو کچھ بنایا جائے؟"

فاریہ نے لاپرواہی سے اس کو جواب دیا۔

"مثلاً کیا؟"

"مثلاً چپس، سموسے یا رس گلے...... تم ان میں سے کیا کھانا پسند کرو گی۔"

وہ جھٹ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا سچ......؟"

"ہاں!"

فاریہ کا آج چپس کھانے کا موڈ ہو رہا تھا۔ مگر اس نے ماں یا بہن سے اس کا اظہار نہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دینا چاہتی تھی۔ اُسے کسی کو تنگ کرنا اچھا نہ لگتا تھا۔ اور خود اُسے کوکنگ کرنا کوئی خاص پسند نہ تھا خصوصاً اپنی ذات کے لیے تو ہرگز نہیں۔ لہٰذا خواہش کو دل میں ہی دبا دیا۔

"اللہ میاں مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔"

فاریہ کو خود کلامی کرتے دیکھ کر فروہ نے استفسار کیا۔

"کس بات کا یقین نہیں ہو رہا؟"

"اس بات کا کہ میری خواہش اتنی جلدی بر آئے گی...... فروہ آج میرا چپس کھانے کو بہت جی چاہ رہا تھا مگر میں نے سوچا خواہ مخواہ میں ماں کو تکلیف ہو گی۔"

"تو مجھے کہہ دیتی یا خود بنا لیتی۔"

"مجھے شرم آ رہی تھی۔"

"کس بات پر؟"

"تمہیں کہتے ہوئے...... تم ہمیشہ میرے سارے کام کرتی ہو۔ مجھے تمہیں اتنا بھی تنگ نہیں کرنا چاہیے کہ تم مجھ سے عاجز آ جاؤ...... خود کو کنگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔"

"فاریہ تم بھی پاگل ہی ہو۔ مجھے تمہارے کام کرنا اچھا لگتا ہے۔"

"اچھا!"

"ہاں......"

"میری ایک بات مانو گی۔"

"بولو!"

"چپس بھی بنا لو اور تھوڑے سے سموسے بھی۔"

"بس اتنی سی بات۔ چلو ابھی بناتے ہیں۔"

"مگر میں کوکنگ نہیں کروں گی۔"

"ارے بابا تمہیں کون کہہ رہا ہے...... میں سب خود ہی کروں گی بس تم میرے پاس بیٹھی رہنا۔ اب تو خوش۔"

"خوش!"

دونوں بہنیں کچن میں چلی آئیں۔ فاریہ وعدے کے مطابق سٹول پر براجمان ہو گی اور فروہ کوکنگ کی تیاری کرنے لگی مگر سب سے پہلے کیا بنائے اس کو سمجھ نہ آ رہا تھا اس لیے بہن سے مشورہ لیا۔

"پہلے سموسے بنائے جائیں یا چپس۔"

"میرے خیال میں سموسے ٹھیک رہیں گے مگر دھیان رہے ڈھیر سارے نہ بنانا ہم دونوں ہی تو کھائیں گئیں ابو کو تو جیسے سموسوں سے الرجی ہو امی کبھی کبھار ضرور کھا لیتی ہیں مگر

تازے اور گرما گرم۔ اب تو نہ وہ کھائیں گی اور نہ ہم میں اُنہیں دینے کی جرأت ہوگی۔ صبح اگر اُنہیں ایک بھی سموسہ نظر آ گیا تو غصہ ہونگیں...... تم جانتی ہونا! کہ امی کو اناج ضائع کرنے پر خوب تپ چڑھتی ہے۔ آگ بگولہ ہو جاتی ہیں...... کھانے سے وہ منع نہیں کرتیں چاہے جتنا بھی کھایا جائے البتہ چیزوں کا ضیاع انہیں بہت ناگوار گزرتا ہے۔"

فاریہ اپنی ہدایات دے رہی تھی اور فروہ اپنے کام میں مصروف تھی فروہ نے سب سے پہلے سموسوں کے لیے اشیاءِ ضروریات تلاش کیں۔ اُسے کچن میں ہی سب مل گیا۔ میدہ، آلو، گھی، زیرہ اور دوسرے مصالحہ جات۔ کسی بھی چیز کی خاطر اُسے کہیں بھی جانے کی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔ سب سے پہلے ٹوکری میں سے تین آلو اُٹھائے اور انہیں دیگچی میں پانی ڈال کر اُبلنے کے لیے رکھ دیا اور پھر خود میدہ گوندھنے لگی۔ فاریہ مسلسل فرمائش کر رہی تھی اُس نے نہ تو سٹول چھوڑنا مناسب سمجھا اور نہ بہن کی مدد کرنے کی زحمت گوارا کی۔ فروہ نے بھی کسی قسم کی ہلپ لینا ضروری نہ سمجھا اس کے مطابق یہ بہت معمولی کام تھا۔ سموسوں کے لیے پٹیاں رول کرتے ہوئے فروہ نے بہن سے کہا۔

"فاریہ ٹی۔وی پر بھی ایک نظر ڈال آؤ ایسا نہ ہو کہ ہم سموسے کھاتی رہ جائیں اور فلم اللہ حافظ ہو جائے......"

"ٹھیک ہے میں کمرے کا چکر لگا کر آتی ہوں مگر تم میری غیر موجودگی میں کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔"

فروہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او۔کے باس۔"

"شاباش...... میں نے مجبوراً تمہیں تاکید کی ہے تم تو جانتی ہو میرے بغیر تم کچھ بھی ٹھیک نہیں کر پاتی۔ سیدھا کام بھی الٹا کر دیتی ہو...... میں کیا کروں؟ میں اکیلی جان ہوں مگر بوجھ بہت زیادہ ہے۔"

فروہ اس کی باتیں سن کر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

"اپنا والیم لو ہی رکھو تو بہتر ہوگا امی آ گئیں تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"میں کب ایسا کرنا چاہتی ہوں تم باتیں ہی ایسی کرتی ہو کہ انسان بے اختیار ہنسنے لگتا ہے۔"

فاریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو کیا میں مذاق کر رہی ہوں؟"

"ارے بابا آپ تو درست فرما رہی ہیں مذاق تو میں ہی کر رہی ہوں...... مگر فی الحال آپ جائیں اور جو میں نے کہا ہے وہ کریں۔"

"میں یوں گئی اور یوں آئی بس کوئی کام خراب مت کرنا۔"

فاریہ کچن سے چلی آئی اور وہ مسکرانے لگی۔ فاریہ ہمیشہ ہی اس طرح کی باتیں کرتی تھی۔ یوں ہی بہن سے بڑے سے بڑا کام نکلوا لیتی تھی مگر فروہ کو اس بات پر غصہ نہ آتا بلکہ اسے بہن کا اس پر یوں رعب جھاڑنا اچھا لگتا تھا اور کئی بار وہ اُسے یوں محسوس کرواتی کہ وہ واقعتاً اس سے مرعوب ہو گئی تھی۔ فروہ نے صرف ایک بار اُسے کمرے کا چکر لگانے کا کہا تھا مگر فاریہ نے تو اُسے مذاق ہی بنا لیا۔ ہر پانچ منٹ بعد وہ کمرے کا رُخ کر لیتی۔ پریڈ فاریہ کی ہو رہی تھی مگر تھکا ہوا فروہ خود کو محسوس کرنے لگی۔ مگر بہن کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئی۔

"فروہ اب مجھے تنگ نہ کرو پہلے خود ہی تو کہا تھا اب اگر میں تمہارا حکم بجا لا رہی ہوں تو اس میں کیا قباحت ہے۔"

"تم تھک جاؤ گی۔"

"خیر ہے مگر میں بڑی فرمانبردار بہن ہوں...... اب تم نے حکم دیا ہے تو اس کی سزا بھی بھگتو۔"

"بابا مجھے معاف کر دو۔"

"نہیں سزا ملے گی۔"

فاریہ کو اس قسم کی پریڈ بہت پسند تھی اُسے مزا آ رہا تھا مگر وہ جان بوجھ کر بہن کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہ رہی تھی۔ اس لیے اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کارروائی کو جاری رکھا۔ فروہ جانتی تھی کہ اب وہ ٹک کر بیٹھنے والی نہیں لہٰذا سموسے بنتے ہی وہ دونوں کمرے میں چلی آئیں تا کہ وہ سکون سے بیٹھ جائے۔ کافی دیر دونوں وہاں بیٹھی رہیں مگر اُسی بوریت نے اُنہیں دوبارہ کچن کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا پھر کمرے میں بیٹھنے کی وجہ سے فاریہ نیند سے جھولنے لگی تھی اُسے اس خمار سے نکلنے کے لیے اس سے بہتر کوئی حل نہ تھا۔

اب کے فروہ نے چپس کو ٹارگٹ بنایا۔ وہ کوکنگ تو کر رہی تھی مگر نہ تو برتنوں کو دھویا اور نہ ہی شلف کی صفائی کی کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ سب سے آخر میں برتن اور صفائی کا کام نمٹائے پھر کوکنگ کے دوران اُسے فرصت بھی نہ ملی تھی۔

آلو کے چھلکے بھی شلف پر ہی رکھ دیے۔ فروہ چپس بنا رہی تھی تو فاریہ نے دوبارہ سے اپنی پریڈ شروع کر دی۔ اس طرح وہ کسی حد تک نیند کے غلبے سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو پائی تھی۔ چپس کے بنتے ہی دونوں کمرے میں چلی آئیں مگر زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکیں اب کے انہوں نے رس گلے بنانے کا پروگرام بنایا۔

فاریہ نیند سے بچنے کے لیے اپنے دماغ کو اُلٹے سیدھے کاموں میں اُلجھا رہی تھی اس کا شرارتیں کرنے کو من چاہ رہا تھا مگر فروہ نے اُسے سختی سے خبردار کر رکھا تھا کہ وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ کرے جس سے سناٹا گونج اُٹھے اور ماں ان کے سر پر آن کھڑی ہو اور ان سے اس شب بے داری کی وجہ جانے اور پھر اس احمقانہ وجہ پر انہیں ڈانٹ پڑے۔ مگر فاریہ کے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی۔

فروہ نے رس گلے کی گولیاں بنا کر ایک طرف رکھ لیں اور پھر شیرا بنانے لگی جب شیرا بن چکا تو اس نے دیگچی چولہے پر سے اُٹھا کر فرش پر رکھنے کا سوچا اور پھر گولیاں تلنے کا منصوبہ بنایا مگر جب وہ دیگچی اُٹھا کر نیچے رکھ رہی تھی تو اسی لمحے فاریہ یہاں چلی آئی جب اس نے بہن کو بہت محو پایا تو خود کو نہ روک پائی دبے قدموں سے چل کر اس کے قریب آئی اور اُسے ڈرا دیا۔ جس کی وجہ سے دیگچی فروہ کے ہاتھوں سے پھسلی اور سارا شیرا فرش پر گر گیا۔ فروہ نے نظر اُٹھا کر سامنے دیکھا تو بہن کو پا کر بولی۔

"فاریہ یہ تم نے کیا کیا...... میری ساری محنت ضائع کر دی...... تم جانتی ہو شیرا کتنا گرم تھا اگر دیگچی فرش سے تھوڑی سی اونچی ہوتی تو میرے پاؤں جل جاتے۔"

فاریہ خفیف سے ہو کر رہ گی۔

"آئی۔ایم۔سوری۔ میں سمجھی خالی دیگچی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے خالی دیگچی کو میں رومال سے پکڑوں گی۔"

"آئی۔ایم۔سوری۔"

"اچھا! اب پوچا لاؤ تا کہ اسے صاف کیا جائے...... ورنہ صبح تک یہاں چیونٹوں کی ہزاروں ٹولیاں اکٹھی ہونگیں...... ویسے بھی پہلے ہی کچن کی حالت کافی خراب ہو چکی ہے۔"

فاریہ جلدی سے پوچا لائی اور وہاں کی صفائی کر دی مگر اچھی طرح شیرا صاف نہ ہوا تھا۔ دوسری بار شیرا بنانے سے پہلے ہی فروہ نے گولیاں تلنا شروع کر دیں اور پھر اُنہیں ایک پلیٹ میں نکال لیا۔

فاریہ نے پوچا لگاتے ہی کمرے کا رخ کر لیا تا کہ بہن اُسے مزید کوئی کام نہ کہہ سکے۔

مگر ابھی وہ گولیاں تلنے کے بعد شیرے کے لیے پانی چینی کو چولہے پر ہی رکھ پائی تھی کہ فاریہ بھاگی بھاگی آئی۔

"فروہ......فروہ......"

"کیا بات ہے؟"

"فلم سٹارٹ ہو چکی ہے جلدی سے آجاؤ......"

فروہ نے سب کچھ وہیں چھوڑا اور کمرے میں چلی آئی۔ جب وہ وہاں پہنچی تو ابھی پروگرام آن ایئر تھا۔

"فاریہ تم نے جھوٹ کیوں بولا؟"

"میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے خود سنا تھا مگر جانے کیوں انہوں نے پروگرام سٹارٹ کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ پانچ دس منٹ کا ہوگا تم اب یہیں بیٹھی رہو۔"

"مگر مجھے ابھی بہت سا کام کرنا ہے۔"

"تو پھر جاؤ مگر یاد رکھنا اب کے میں تمہیں بلانے نہیں آؤں گی۔"

فروہ کافی تھک چکی تھی اس لیے سوچا تھوڑا سا ستا لے۔ اس لیے بیڈ سے اُٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا مگر جلد ہی نیند نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ رات کے تقریباً ساڑھے تین بج چکے تھے پھر وہ دونوں کافی تھک بھی چکی تھیں۔ فاریہ کو پریڈ اور فروہ کو کوکنگ نے تھکا دیا تھا۔ پھر کمرے میں اندھیرا بھی تھا۔ دونوں بہنوں نے والدین کے ڈر سے کمرے کی لائٹ آف کر رکھی تھی کیونکہ تہجد کا وقت ہونے والا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ اب ان کے والدین اُٹھ جائیں گے اور اگر انہوں نے ان کے کمرے کی لائٹ آن دیکھی تو وہاں چلے آئیں گے اور پھر اتنی رات گے تک ٹی۔وی دیکھنے پر خوب ڈانٹیں گے۔ والیم بھی کافی لو تھا۔ اس لیے جب دونوں میاں بیوی نماز کے لیے اُٹھے تو انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ فجر کی نماز کے لیے مرتضٰی صاحب مسجد چلے آئے اور فضیلت بیگم نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں۔ جب فروہ کی آنکھ کھلی تو فلم کا آخری سین چل رہا تھا اس نے جلدی سے فاریہ کو اُٹھایا مگر اس نے اُٹھنے سے انکار کر دیا اس سین کے ختم ہوتے ہی فروہ نے ٹی۔وی آف کیا اور سو گئی۔

دونوں میاں بیوی میں سے کسی نے بھی انہیں جگانے کی کوشش نہ کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ خود بخود فجر کی نماز کے لیے اُٹھ جاتی تھیں اور پھر نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ سو جاتی

تھیں پھر سنڈے کا سوچ کر تو فضیلت بیگم ان کے کمرے تک نہ گئیں۔

فضیلت بیگم اور مرتضٰی صاحب صحن میں چارپائی پر بیٹھے تھے اور وہ دونوں بہنیں سر جھکائے اپنے جرم کا اعتراف کر رہی تھیں۔ اقبال جرم کرتے ہوئے بھی فاریہ خود پر کنٹرول نہ کر پائی اور والدین کو ہنسانے کو بولی۔

"امی آپ ہمارے عظیم کارنامے کا سہرا جن بھوت کے سر کیوں سجانا چاہتی ہیں اتنی مشکلوں سے تو ہم نے کے۔ٹو کو سر کیا ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ یہ کریڈٹ وہ لے جائیں جنہیں آپ نے دیکھا تک نہیں......ابو یہ تو ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی نا!"

اس نے سر اُٹھا کر والد کی طرف دیکھا۔ اس اعتراف جرم نے فضیلت بیگم کو ہکا بکا کر دیا وہ شوہر سے کہی ہوئی باتوں کو یاد کر کے خفت محسوس کر رہی تھیں۔ خجل آنکھوں کے گوشوں سے شوہر کو دیکھا تو اُنہیں بیٹی کو دیکھ کر مسکراتے پا کر جلدی سے آنکھیں پھیر لیں۔

"بیگم ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا مگر آپ نہ مانیں...... خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب بچیوں کو معاف کر دیں یہ ان کی پہلی اور آخری غلطی ہے۔"

فاریہ نے والدین کے سامنے بہن کی پوزیشن کلیئر کرنے کو کہا۔

"امی ابو یہ بچاری اکیلی ہی کام کرتی رہی تھی اس لیے تھک گئی......کمزور سی جان بھلا کوکنگ کرتی یا صفائی۔ اگر میں اس کا ہاتھ بٹا دیتی تو آپ کو وہاں ایک تنکا تک دکھائی نہ دیتا مگر وہ کیا ہے کہ میرا کسی بھی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا...... ویسے ابو ہماری محنت تو رائیگاں چلی گئی امی نے سارا کریڈٹ اُن کو دے دیا۔"

"میں بھی سوچوں فروہ اس قسم کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔"

"امی فروہ تو صفائی کرنا چاہ رہی تھی مگر مجھے ترس آ گیا اور میں نے اسے روک دیا۔"

"مگر ہاتھ نہ بٹایا۔"

"بالکل!"

مرتضٰی صاحب نے مسکراتے ہوئے دونوں کو جانے کا کہا۔ کمرے میں آتے ہی فاریہ نے بہن پر احسان جتانے کی کوشش کی جس کو اس نے قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس طرح فاریہ کو دلی خوشی ملی تھی جو وہ کسی طور پر زائل نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خاطر وہ نہ تو والدین کے سامنے بولی اور نہ کمرے میں آ کر بہن سے کچھ کہا۔ مگر باتوں میں فاریہ نے استفسار کیا۔

"ویسے فروہ تم نے بتایا نہیں کہ تم بابرہ شریف کی فلمیں کیوں پسند کرتی ہو جبکہ وہ تمہیں

پسند بھی نہیں۔"

"ہاں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں بتاؤں گی مگر یاد نہیں رہا۔"

"تو اب بتا دو۔"

"وہ اس لیے کہ اس نے ہمیشہ شرارتی، adventurous اور بہادر لڑکی کے رول پلے کیے ہیں۔"

"بس......یہی وجہ ہے یا کوئی اور......سوچ لو شاید کوئی بہت بڑی خوبی ہو۔"

"کوئی اور وجہ نہیں۔"

"فروہ تم بھی نا......! کھودا پہاڑ نکلا چوہا وہ بھی مرا ہوا......میں تو کچھ اور سننا چاہتی تھی۔"

"کیا سننا چاہتی تھی؟"

"پتہ نہیں......مگر کم از کم یہ نہیں جو تم نے بیان کیا۔"

"جو حقیقت تھی میں نے کہہ ڈالی اب تم جو بھی سوچو مجھے پرواہ نہیں۔"

فروہ کا جواب سن کر وہ بہن کا منہ تکتی رہ گئی۔

☆

فروہ جب فجر کی نماز کے لیے بیدار ہوئی تو بہن کو جگانے سے پہلے بیڈ سے اُٹھی اور سامنے دیوار پر لٹکتے ہوئے کیلنڈر کے پاس چلی آئی۔ آج کا دن اور تاریخ اس کے دل و دماغ پر نقش تھی مگر وہ پھر بھی تسلی کرنا چاہتی تھی۔ کیلنڈر کے سامنے کھڑی وہ ہفتے کے دن اور 24 تاریخ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی اس کی نظریں اس پر پڑیں دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مگر تسلی کرنے کے بعد وہ بے قابو دل کو لیے واپس بیڈ پر چلی آئی۔ بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسے ہلاتے ہوئے بولی۔

"فاریہ اُٹھو فجر کی آذان ہو گئی ہے۔"

فاریہ مکمل نیند میں تھی اس لیے بہن کی آواز نہ سن پائی۔ اُسے بے سدھ دیکھ کر فروہ نے ایک بار پھر اُسے جھنجھوڑا۔ اب کی بار جہاں فروہ کی آواز بلند تھی وہاں ہاتھ میں بھی سختی تھی۔ جسے فاریہ نے محسوس کر لیا۔ لہٰذا لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اچھا!"

وہ ابھی تک غنودگی کے عالم میں تھی اسے بیدار کرنے کو کسی طاقت ور میسج کی ضرورت تھی۔ فروہ نے اس بات کے پیش نظر اپنے جملے میں تبدیلی لائی۔

"فاریہ اُٹھو نماز قضا ہو جائے گی......تم جانتی ہو آج ہمارا رزلٹ ہے۔"

فروہ کو توقع تھی کہ اب کے اس کا خمار جاتا رہے گا مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔

"تو آنے دو......میں کیا کروں؟"

یہ کہتے ہی اُس نے کروٹ بدلی اور پھر سے نیند کے آغوش میں چلی گئی۔

"فاریہ......اُٹھو بھی......کم از کم آج کے دن ہی اچھے نمبرز کے لیے دُعا مانگ لو۔"

فروہ نے اسے ہلاتے ہوئے کہا تو اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اچھا! اُٹھتی ہوں......"

"جلدی سے اُٹھو......میں وضو کے لیے جا رہی ہوں میری واپسی تک اگر تم مجھے بستر پر نظر آئی تو سوچ لینا میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں......"

فاریہ کے رویے کے پیش نظر فروہ نے دھمکی لگائی مگر اس پر نیند کا ایسا خمار تھا کہ کوئی دھمکی بھی اس پر اثر انداز نہ ہو پائی۔ فروہ کے جاتے ہی خاموشی نے اپنا ڈیرہ ڈال لیا تو خمار اور بڑھ گیا۔ مگر جب وہ واپس لوٹی تو بہن کو بے سدھ پا کر اس کے پاس چلی آئی اور زبردستی اس کا بازو پکڑ کر بیٹھا دیا۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔

"فاریہ واقعی نماز قضا ہو رہی ہے......تم اسے مذاق نہ سمجھو......اپنے اردگرد نظر ڈالو تمہیں خود بخود علم ہو جائے گا......"

فاریہ نے پوری آنکھیں کھول دیں۔

"میں نماز پڑھنے لگی ہوں اور تم بھی اب سونے کی کوشش نہ کرنا۔"

اس کے بعد فروہ جائے نماز فرش پر بچھائے نماز ادا کرنے لگی۔ ایک بار پھر خاموشی طاری ہو گئی تو اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ مگر جوں ہی فروہ نے نماز ادا کی اور قرآن پاک لیے بیڈ پر آئی ایک لمحے کو بھی خاموش نہ ہوئی بالآخر فاریہ بیدار ہو گئی تب اس نے محسوس کیا کہ نماز قضا ہو رہی تھی اب تو فٹ سے بستر چھوڑا اور جلدی جلدی وضو کرتے ہوئے جائے نماز کی جانب لپکی۔ ابھی وہ نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ ہی اُٹھا پائی تھی کہ اس کے کانوں میں والد کی آواز پڑی۔

"فضیلت بیگم فروہ، فاریہ اُٹھ گئیں کیا؟"

اس نے باپ کی آواز تو سن لی۔ مگر ماں کی طرف سے کوئی جواب نہ سنائی دیا۔ جس سے اس نے اندازہ لگالیا کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہونگیں۔ اب اسے اس بات کا

شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ آج اُس نے وقت پر نماز ادا نہ کی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ والد کے مسجد سے لوٹنے سے قبل نماز ادا کر چکی ہوتی تھی۔ مگر وہ اس کا ذمہ دار بہن کو ٹھہرا رہی تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ فروہ ہمیشہ وقت کی رسی کھینچ کر اُسے لمبا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ اپنی کوتاہی قبول کرنے کی بجائے بہن کو ہی مسلسل موردالزام ٹھہرا رہی تھی۔

اس کی دعا بہت مختصر ہوتی تھی اور اکثر سب گھر والے اُسے اس بات پر ٹوکا کرتے تھے۔ مگر وہ ان سب کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتی تھی۔

"رب سے مانگنے کو کچھ ہے نہیں سب کچھ تو دے رکھا ہے پھر کیا مانگو؟"

مرتضٰی صاحب کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے جائے نماز اُٹھایا اور الماری کے اوپر رکھنے کے بعد قرآن شریف لیے بہن کے پاس چلی آئی۔

مرتضٰی صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو بیگم کو تلاوت کرتے پا کر بولے۔

"بیگم بچیوں کو جگا دیتیں آج ان کا رزلٹ آ رہا ہے......انہیں کہیے اپنے لیے رب سے دعا مانگیں۔"

فضیلت بیگم خاموشی سے قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہیں۔ مرتضٰی صاحب بیڈ کے قریب چلے آئے اور پھر اس پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولے۔

"آپ بھی اُن کے لیے دعا مانگیں......میں بھی ان کے حق میں دُعا مانگ کے آ رہا ہوں......اگر دونوں بہنوں کو اچھے کالج میں ایڈمیشن مل گیا تو ان کی زندگیاں سنور جائیں گی۔"

بیگم کو چپ پا کر آخر کار مرتضٰی صاحب بھی خاموش ہو گے۔ تلاوت کے بعد فضیلت نے کوئی پندرہ بیس منٹ دُعا مانگی اور پھر قرآن پاک کو الماری میں رکھتے ہوئے شوہر سے مخاطب ہوئیں۔

"فروہ، فاریہ خود ہی نماز کے لیے بیدار ہو جاتی ہیں اور آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں پھر اس قدر شور کیوں مچا رکھا تھا......جہاں تک میرے دعا مانگنے کا سوال ہے تو سن لیں میں ان کی ماں ہوں سگی ماں میں ان کے لیے دعا نہیں مانگوں گی تو کون مانگے گا......میں ان پڑھ ضرور ہوں مگر عقل و شعور سے بے بہرہ نہیں......فہم و فراست صرف آپ جیسے لوگوں کی ملکیت نہیں ہوتی ہم جیسوں کا بھی اُس پر کچھ حق ہوتا ہے......میں جانتی ہوں کہ آج میری بچیوں کا رزلٹ آ رہا ہے آپ کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔"

بیگم کی باتیں سن کر مرتضٰی صاحب مسکرانے لگے۔

"میں تو بس یاددہانی کو کہہ رہا تھا۔"

"میں سب جانتی ہوں ...... وہ بڑے بوڑھے کہتے ہیں نا! کہنا بیٹی کو سمجھنا بہو کو...... آپ کا بھی وہی حال ہے۔"

"آپ تو بڑی سمجھدار ہیں میں تو آپ کو پاگل ہی سمجھتا رہا۔"

مرتضیٰ صاحب مسکرا رہے تھے مگر فضیلت بیگم غصے سے آگ بگولہ ہو گئیں اور اسی عالم میں کمرے سے باہر صحن میں چلی آئیں۔

☆

دفتر روانگی سے پہلے مرتضیٰ صاحب نے کئی بار بیوی اور بیٹیوں کو دس بجے کے قریب قریبی بک شاپ سے رزلٹ معلوم کرنے کی فہمائش کی۔ مرتضیٰ صاحب جب بھی کسی بات کے بارے بہت زیادہ فکر مند ہوتے تو یوں ہی بار بار اُسے دوہرایا کرتے تھے۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں ان کی اس عادت سے واقف تھیں مگر آج تاکید کچھ زیادہ طوالت اختیار کر گئی تھی اس لیے چڑنے لگی تھیں۔ فاریہ جب باپ کو دروازے تک چھوڑنے آئی تو ایک بار پھر باپ کی زبانی سنا۔

"بیٹی یاد سے رزلٹ معلوم کر لینا۔ تمہاری ماں بہت غیر ذمہ دار خاتون ہے تم ایسا مت کرنا۔"

"جی ابو۔"

جوں ہی مرتضیٰ صاحب نے دروازہ عبور کیا فاریہ نے خود سے کہا۔

"ابو یہاں سارے پاگل تھوڑی رہتے ہیں ...... امی جیسی خاتون کیسے غیر ذمہ دار ہو سکتی ہیں۔"

ابھی وہ دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی جب اُس نے دروازہ کھولا تو سامنے والد کو پا کر حیرت سے بولی۔

"ابو کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ...... بس میں یہ کہنے آیا ہوں کہ جاتے ہوئے رول نمبر سلپ ضرور ساتھ لے جانا یا کم از کم ایک پرچی پر رول نمبرز ہی لکھ لینا۔"

"جی ابو۔"

وہ سٹپٹا کر رہ گئی مگر کچھ کہہ نہ سکی۔

شوہر کے جانے کے بعد فضیلت گھر کے کام کاج میں لگ گئیں اور دونوں بہنیں اضطراب کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگیں۔ پہلے تو فاریہ نے کسی پریشانی یا فکر کو خود پر سوار نہ کیا مگر

جب باپ اور بہن کو دیکھا تو خود بخود ٹینشن کا شکار ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ پریشان ہیں تو اُسے بھی ہونا چاہیے۔ لہٰذا اب وہ مکمل طور پر ٹینشن کے ہتھے چڑھ چکی تھی۔ اب اس کی پریڈ شروع ہو چکی تھی۔ کبھی کمرے میں جاتی تو کبھی صحن میں۔ کبھی ماں کا سر کھاتی تو کبھی بہن کو تنگ کرنے لگتی۔ ساڑھے نو بجے تک اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا لہٰذا ماں کو ساتھ لیے قریبی بک شاپ پر چلی آئی۔ مگر وہاں جا کر انہیں پتہ چلا کہ ابھی گزٹ نہیں آیا۔ شاپ کیپر نے اُنہیں آدھے پونے گھنٹے بعد پتہ کرنے کا کہا تو انہوں نے گھر جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ اتنی دیر وہاں کھڑے رہنا غیر مناسب سا تھا پھر ان کے گھر اور دوکان کا فاصلہ بھی صرف پانچ منٹ کا تھا۔ جوں ہی وہ دروازے سے اندر داخل ہوئیں فروہ ان کی سمت لپکی۔

"کیسا رزلٹ رہا؟"

فاریہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

"فی الحال گزٹ نہیں آیا دوکاندار نے آدھے پونے گھنٹے بعد آنے کا کہا ہے۔"

گھر لوٹتے ہی فضیلت بیگم پھر سے کام کاج میں محو ہو گئیں۔ اور فاریہ نے بھی پھر سے پریڈ شروع کر دی۔ دس بج کر بیس منٹ پر ایک بار پھر ماں بیٹی دوکان کے سامنے کھڑی تھیں۔

"آنٹی آپ گیارہ بارہ بجے پتہ کیجیے گا۔ گزٹ تھوڑا لیٹ ہے۔"

فضیلت بیگم نے کئی بار فاریہ کو منع کیا مگر وہ نہ مانی اور ساڑھے گیارہ پھر ماں کو لیے وہاں پہنچ گئی۔ مگر ساڑھے بارہ کا سن کر واپس لوٹ آئیں۔ آخر کار ساڑھے بارہ بجے جب وہ بک شاپ پر گئیں تو دوکاندار انہیں دیکھ کر پہلے تو مسکرایا اور پھر بولا۔

"آنٹی آج آپ بھی تھک گئیں ہوں گی مگر اب کے آپ کو دوبارہ چکر نہیں لگانا پڑے گا۔ گزٹ آچکا ہے آپ رول نمبر سلپ دے دیں۔"

فاریہ نے جھٹ سے اپنی سلپس اس کے حوالے کر دیں گزٹ میں سے نمبر دیکھنے کے بعد وہ بولا۔ ماشاءاللہ آنٹی آپ کی دونوں بیٹیوں نے بہت اچھے نمبر لیے ہیں۔

فضیلت نے گرم جوشی سے پوچھا۔

"اچھا! ...... یہ تو بتاؤ کتنے مارکس حاصل کیے ہیں۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فضیلت بولیں۔

اس بات کو چھوڑو بیٹا یہ بتاؤ نمبر کس کے زیادہ ہیں۔

"فاریہ کے۔"

یہ سنتے ہی فضیلت بیگم نے حیرانی سے پہلے فاریہ کو دیکھا اور پھر دوکاندار کو۔

''کیا ہوا آنٹی؟''

''بیٹا ذرا غور سے دیکھنا......''

''آنٹی......جس رول نمبر کے زیادہ نمبرز ہیں اس کا نام سلپ پر فاریہ ہی لکھا ہوا ہے۔''

فضیلت بیگم نے افسردگی سے کہا۔

''اچھا بیٹا ہمیں یہ پرچی دے دو۔''

پھر دونوں ماں بیٹی گھر کی طرف چل دیں۔ فاریہ خاموش تھی مگر فضیلت بیگم مسلسل بول رہی تھی۔

''محنت کر کر کے میری بیٹی فروہ تھک گئی اور نمبر تم نے لے لیے...... سارا دن تو تم ٹی۔وی دیکھتی رہتی تھی یا اس منحوس ماری اخبار کو سامنے رکھے بیٹھی رہتی تھی پھر تمہارے نمبر کیسے زیادہ آ گئے...... میں نہیں مانتی...... اب کی بار تو نمبر بہت ہی زیادہ لیے ہیں۔'' فضیلت بیگم بولتی رہیں اور فاریہ خاموشی سے سنتی رہی اُسے جہاں اپنی ہائی فرسٹ ڈویژن کی خوشی تھی وہاں بہن کے کم نمبرز آنے کا دکھ بھی تھا اور اس دکھ کی وجہ سے اُسے اپنی خوش بھی خوشی محسوس نہ ہو رہی تھی مگر ماں کی باتیں سن کر تو اُسے واقعتاً یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس کی بہن کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ خاموش ہو گئی جوں ہی وہ گھر لوٹیں فروہ نے انہیں دیکھتے ہی استفسار کیا۔

''کیا بنا؟''

فاریہ نے خاموشی سے چٹ اس کے حوالے کر دی۔ نمبرز دیکھتے ہی فروہ نے بہن کو گلے لگا لیا اور بہت مبارک باد دی۔ اس کی خوشی اور آنکھوں کی چمک دیکھ کر ایک لمحے کو فضیلت بیگم بھی دھوکہ کھا گئیں اور انہیں یقین تک نہ رہا کہ نمایاں پوزیشن فاریہ نے لی تھی وہ بہن کی اعلیٰ کامیابی پر یوں کھلکھلا رہی تھی جیسے اس نے کوئی میدان سر کر لیا ہو۔

''بیٹی نمبر تمہارے آنے چاہیے تھے۔''

''امی یہ ناممکن تھا......''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ فاریہ بہت ذہین ہے اور میں اوریج سٹوڈنٹ ہوں۔''

''یہ پڑھتی تو ہے نہیں۔''

''خیر امی اب ایسی تو بات نہیں اتنی تو محنت کی ہے فاریہ نے۔''

''میں جانتی ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے فضیلت بیگم کمرے میں چلی آئیں اور وہ دونوں بہنیں صحن میں ہی بیٹھ گئیں۔

فاریہ حیرت سے بہن کو دیکھ رہی تھی بے پناہ غور و فکر کے باوجود اُسے بہن کے جذبے میں رتی برابر بھی کھوٹ نظر نہ آیا تھا۔ وہ دل و جان سے اس کی کامیابی کو منا رہی تھی۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کبھی نظریں ماں کی طرف جاتیں اور ذہن میں ان کی باتیں گونجنے لگتیں تو کبھی بہن کا ہنستا مسکراتا چہرا اور ناچتا گاتا دل دکھائی دینے لگتا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ جوں جوں نظریں بہن کی جانب اُٹھتیں توں توں وہ خود کو اس کا مجرم سمجھنے لگتی اس کی خوشیوں کی قاتل۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ماں اُسے خوب ڈانٹے حتیٰ کہ فروہ بھی اُسے کوسے۔

''فروہ تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آ رہا۔''

''مگر کیوں؟''

''میں نے تمہارا حق مارا ہے۔''

''کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو...... میں جانتی تھی ایسا ہی ہو گا۔''

''تم کیسے جانتی تھی؟''

''فاریہ اس میں کیسے جاننے والی تو کوئی بات نہیں تم ذہین ہو اس لیے منٹوں میں گھنٹوں کا کام کر لیتی ہو...... امی اس بات کو نہیں سمجھتی انہیں گھنٹے تو دکھائی دے سکتے ہیں لیکن ذہانت کو وہ نہیں جان سکتیں...... لیکن تم فکر نہ کرو میں اُنہیں سمجھا لوں گی...... تم خوش ہو ہنسو مسکراؤ گاؤ......''

''میرا جی نہیں چاہ رہا......''

''میرا تو چاہ رہا ہے لہٰذا میں تو ہنسوں گی۔''

اور پھر وہ خوب ہنسی بلکہ بہن کو بھی گدگدایا جس سے بے اختیار اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆

سب خاموشی سے دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

فاریہ نے اُٹھنا چاہا مگر مرتضیٰ صاحب نے بیٹی کو روک دیا۔

''تم بیٹھو بیٹی میں دیکھتا ہوں کون ہے؟''

مگر جانے سے پہلے انہوں نے کلائی پر باندھی گھڑی پر نظر ڈالی تو اُسے آٹھ بجاتا پا کر بہت حیران ہوئے اسی دوران دستک دوبارہ ہوئی۔

"اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے۔"

فضیلت بیگم بولیں۔

"رب خیر کریں۔"

"آمین۔"

مرتضیٰ صاحب اُٹھے اور دروازے کی سمت چل دیے جب قریب پہنچے تو دروازہ کھولنے سے پہلے ایک بار سڑک پر موجود شخص کے بارے جاننا چاہا تو استفسار کیا۔

"کون؟"

گلی میں سے آواز آئی۔

"میں حمید......آپ کا دوست۔"

یہ سنتے ہی انہوں نے مزید پوچھ گچھ کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے دوست اور اس کی بیگم کو ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اُٹھائے کھڑے پا کر ورطہ حیرت میں ڈوب گے۔

"اسلام علیکم مرتضیٰ صاحب۔"

"وعلیکم اسلام......اسلام علیکم بھابھی۔"

"وعلیکم سلام!"

"حمید صاحب آپ اس وقت۔"

"کیا ہم اس وقت نہیں آسکتے۔"

"ارے آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ آپ کا گھر ہے جب جی چاہے آئیں۔"

"اندر آنے کا بھی کہیں گے یا ساری باتیں یہیں کرنے کا ارادہ ہے۔"

"آئیں حمید صاحب تشریف لائیں۔"

پھر وہ مہمانوں کے ہمراہ برآمدے میں چلے آئے جہاں وہ بیوی بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ مہمانوں کی آمد پر مرتضیٰ صاحب کی طرح ان کی فیملی بھی حیرت زدہ ہوگئی۔ مگر کسی کے سوال کرنے سے پہلے ہی مرتضیٰ صاحب نے مہمانوں کا تعارف کروایا۔

"یہ حمید صاحب ہیں ......بیگم ہماری ان سے دوستی بس سٹاپ پر ہوئی اور اب یہ ہمارے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں۔"

اسلام علیکم بھائی صاحب......

فضیلت بیگم کے سلام کرتے ہی فروہ، فاریہ نے بھی ماں کی تقلید کی۔

"آئیں بیٹھیں کھانا کھائیں......"

فضیلت بیگم کی دعوت پر حمید صاحب بولے۔

"بہت بہت شکریہ بھابی ہم ابھی سیر ہو کر آرہے ہیں اگر ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو کبھی سامنے پڑے رزق سے منہ نہ موڑتے......نا!"

سب خوب کھلکھلا کے ہنسے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"بیگم آپ ذرا چائے کا بندوبست کریں میں مہمانوں کو کمرے میں لیے جاتا ہوں۔"

"جی بالکل!"

"ارے مرتضیٰ صاحب آپ تو تکلف میں پڑ گئے ......ہم گھر کے فرد ہیں کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔ کیونکہ خواہ مخواہ میں بھابی کو زحمت دے رہے ہیں۔"

"بھائی صاحب اس میں زحمت والی کونسی بات ہے؟ آپ چلیں میں بس پانچ منٹ میں آتی ہوں۔"

حمید صاحب ان کی بیگم اور مرتضیٰ صاحب کمرے میں چلے آئے اور فضیلت بیگم کچن میں چائے بنانے میں مصروف ہوگئیں فروہ، فاریہ جلدی جلدی دسترخوان سے برتن اُٹھانے لگیں۔ جب فضیلت چائے لیے کمرے میں چلی آئیں تو دونوں بہنیں برتن دھونے لگیں۔

فضیلت نے جوں ہی چائے کا کپ حمید صاحب کی طرف بڑھایا وہ بولے۔

"بھابی آخر آپ تکلف سے باز نہیں آئیں۔"

حمید صاحب کی بیگم نے بھی فوراً شوہر کی تائید کر دی۔ سب کو چائے تھمانے کے بعد جب فضیلت بیگم کپ پکڑے حمید صاحب کی بیگم کے قریب بیٹھ گئیں تو ان کی نظر میز پر رکھے مٹھائی کے ڈبے پر پڑی۔

"آپ ہمیں تکلف کرنے سے منع کر رہے ہیں اور خود اسی تکلف کے ساتھ ہمارے گھر کی راہ لی۔"

"حمید صاحب فضیلت ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

حمید صاحب کی بیگم جو کافی دیر سے چپ تھیں بولیں۔

"یہ تکلف نہیں خوشی کی علامت ہے......آپ ہمیں اس کے اظہار سے روک نہیں سکتے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

فضلیت اور حمید صاحب کی بیگم نے گھریلو گفتگو شروع کر دی اور حمید اور مرتضیٰ صاحب نے سیاست کو موضوع بحث بنالیا۔ باتوں باتوں میں وہ بولے۔

"ارے ہماری بیٹیوں کو تو بلوائیں......ہم انہیں انعام دینا چاہتے ہیں۔"

فضلیت نے حیرت سے پوچھا۔

"انعام......مگر کس لیے؟"

"بھابی آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ ہماری بچیوں نے نمایاں پوزیشن حاصل کی ہے اور آپ پوچھ رہی ہیں کس لیے؟"

مرتضیٰ صاحب کو اچانک یاد آیا کہ آج جب وہ بس سٹاپ پر کھڑے تھے تو حمید صاحب بھی آ گئے بس آنے میں وقت تھا اس لیے دونوں محو گفتگو ہو گئے اور اسی دوران انہوں نے حمید صاحب سے ذکر کیا تھا کہ آج ان کی بیٹیوں کا رزلٹ آ رہا تھا مگر ان کی سوچ سے یہ بات بالاتر تھی کہ آخر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی نے نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی۔

"مرتضیٰ صاحب کس سوچ میں پڑ گئے...... اب یہ مت پوچھیں گا کہ ہمیں ان کی کامیابی کا علم کیسا ہوا؟"

"میں یہ ہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔"

"مرتضیٰ صاحب فروہ، فاریہ آپ کی اولاد ہیں ایک قابل انسان کی بیٹیاں اب ان کی کامیابی پر یقین نہ کرنا کچھ احمقانہ سی بات لگتی ہے......اب آپ جلدی سے بچیوں کو بلوائیں کہیں باتوں میں ہم بھول ہی نہ جائیں۔"

فضلیت بیگم نے بیٹیوں کو آواز دی تو دونوں جو کمرے میں بیٹھی گپیں ہانک رہی تھیں جھٹ سے وہاں چلی آئیں۔ حمید صاحب نے دونوں کو اپنے قریب صوفے پر بیٹھا لیا اور پھر پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"تو ہماری بیٹیاں کیا لینا چاہیں گی۔"

دونوں نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"کچھ بھی نہیں انکل۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہے...... انعام آپ کا حق ہے اور اپنے حق سے دستبردار ہونا تو بزدلی کہلاتی ہے۔"

دونوں نے حیرت سے انکل کی طرف دیکھا۔

"چلیں پہلے اپنے اپنے مارکس بتائیں پھر ہم آپ کو انعام دیں گے۔"

فروہ نے مارکس بتانے کی بجائے جھٹ سے جواب دیا۔

"انکل فاریہ کے مارکس زیادہ ہیں۔"

"وری گڈ......"

"مگر انکل امی فاریہ سے خفا ہیں ان کا خیال ہے کہ فاریہ نے چیٹنگ کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے......سچ تو یہ ہے کہ فاریہ ذہین ہے جو کام میں گھنٹوں میں کرتی ہوں وہ یہ منٹوں میں کر لیتی ہے۔"

فضلیت بیگم نے بیٹی کے دلائل کے جواب میں کہا۔

"میں سب جانتی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ ماں بیٹی اُلجھتیں حمید صاحب نے ہزار ہزار کے دو نوٹ جیب سے نکالے اور دونوں بہنوں کے ہاتھ میں تھما دیے۔ انعام وصول کرتے ہی دونوں اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ انہوں نے تو انعام لینے سے مسلسل انکار کیا مگر انکل کے بے حد اصرار اور والد کے کہنے پر بالآخر رقم وصول کر لی۔

"بھابی کیا فروہ بیٹی ٹھیک کہہ رہی تھی؟"

"بھائی صاحب یہ سب مجھے غلط سمجھ رہے ہیں ...... میں تو بس فروہ کی محنت کا اقرار کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھابی وہ سب تو ٹھیک ہے مگر اس بات کا خیال ضرور رکھیے گا کہ کسی ایک کی محنت کا اقرار دوسرے کی دل آزاری نہ کر دے۔"

کچھ دیر سب آپس میں بات چیت کرتے رہے اور پھر دس بجے کے قریب حمید صاحب بیگم کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ مہمانوں کی روانگی کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ البتہ فروہ اور فاریہ کا کمرہ ابھی اس خاموشی کی زد میں نہ آیا تھا ان دونوں بہنوں کی سرگوشیاں جاری تھیں۔

"فاریہ مجھ سے تحفہ نہیں لو گی کیا؟"

"تحفہ......مگر کیوں؟"

"بھائی اپنی کامیابی پر اور کس لیے۔"

"کامیابی وہ تو تمہیں بھی ملی ہے تو پھر یہ عنایت میرے لیے ہی کیوں؟"

"بھائی جتنی نمایاں پوزیشن ہو گی اسی تعداد میں تحفے تحائف ملیں گے نا......! تم نے

بڑی کامیابی حاصل کی ہے اس لیے ہر کوئی تمہیں انعام دینا چاہتا ہے......"

فروہ نے بہن کے چہرے پر نظر ڈالی وہاں ابھی تک بارہ بج رہے تھے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کو بولی۔

"ارے بابا تم اُداس کیوں ہو؟......تحفہ نہیں لوگی......؟ سچ تو یہ ہے اگر تم انکار بھی کرو تب بھی میں تمہیں اپنی پسند سے آگاہ ضرور کروں گی۔"

"پسند......کیسی پسند؟"

"اوہ! یہ کیا ہوا؟ ابھی تو میں نے سسپنس کریئٹ کرنا تھا......چلو خیر اب بتائے دیتی ہوں۔ ویسے بھی اگر میں نے تاخیر کی تو تمہارے منہ پر بارہ بجے ہی رہیں گے۔"

فاریہ نے یہ پرتجسس انداز میں بہن کو دیکھا فروہ کو اب بہن کے چہرے پر رنج والم کا کوئی اثر نظر نہ آیا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں نے شاذ کو تمہارے لیے پسند کیا ہے۔"

"شاذ......کون شاذ؟"

"وہی دبلا پتلا سا سنگر جس کی تعریف میں تم آسمان وزمین کے قلابے ملا رہی تھی......واقعی! وہ قابل تعریف انسان ہے......"

"اچھا!"

"ہاں فاریہ"

"اگر اتنا ہی اچھا ہے تو اپنے لیے کیوں نہیں پسند کر لیتی؟"

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟"

"میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے"

"ہاں......میں نے شاذ کو بھائی کی نظر سے دیکھا ہے اور ویسے بھی میری خواہش ہے کہ تمہارے لیے اپنے پسندیدہ شخص کا انتخاب کروں......بھائی تو مجھے پہلی ہی نظر میں باقی سبھوں سے جدا اور منفرد لگے تھے مگر کل جوان کی بات سنی تو میری رائے یقین میں بدل گئی۔"

فاریہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہی تھی اس لیے ورطہ حیرت میں ڈوبی اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

"کل میں اپنے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی تو بھائی کو ٹی۔وی پر کہتے سنا......"

"میں پاکستان سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اس لیے نہیں کہ ہزاروں لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں بلکہ مجھے اپنے وطن سے دلی الفت ہے۔ I love Pakistan"

ویسے تو فاریہ......شوبز کا ہر شخص اس قسم کے الفاظ کہتا ہے مگر مجھے وہ بناوٹی سے لگتے ہیں مگر شاذ بھائی کے جذبوں کی سچائی میں نے ان کی زبان سے ادا ہونے والے جملوں میں محسوس کی تھی......ایک ایک لفظ صداقت کا منبع تھا۔"

"تو......"

"تو یہ کہ تم شاذ بھائی کو اپنے لیے منتخب کر لو......جو انسان اپنے وطن سے محبت کرتا ہے وہ زندگی میں ہر رشتے سے مخلص ہوتا ہے اور میری یہ تمنا ہے کہ میری پیاری، اچھی اور مخلص بہن کو بھی سنسیئر انسان ملے جو کہ یقیناً شاذ بھائی ہیں۔"

"فروہ کیا یہ درست ہوگا؟"

"اس میں غلط کیا ہے۔"

"وہ ایک سلیبرٹی ہے اور میں ایک عام اور معمولی شکل وصورت کی لڑکی......ہم میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایسا ہونا تو دور کی بات ایسا سوچنا بھی حماقت ہوگا......ناممکن کبھی ممکن کا روپ نہیں دھار سکتا۔"

"ناممکن......"

فروہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر بہن کو فہمائش کرنے لگی۔

"ممکن اور ناممکن......حضرت علیؓ کا قول ہے ممکن اور ناممکن صرف انسان کی نظر میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی ناممکن نہیں۔"

"بے شک مگر......"

"مگر فاریہ......ہم کونسا کسی انسان سے کچھ مانگ رہے ہیں ہماری دُعا تو اُس ذات بے نیاز سے ہے جس کی نظر میں سب ادنیٰ واعلیٰ برابر ہیں......ہم شاذ بھائی سے بھی اُن کو نہیں مانگیں گے اگر جھکیں گے فریاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے اور مجھے رب پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ کبھی ہمیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔"

فاریہ نے پہلو تہی کر دی۔

"میں سونا چاہتی ہوں......تم بھی سو جاؤ۔"

پھر وہ بیڈ پر دراز ہوگئی مگر آنکھیں بند کرنے کے باوجود نیند نہ آ رہی تھی بار بار بہن کے الفاظ اس کے دل ودماغ میں گونج رہے تھے۔ دل میں عجیب سے بے قراری تھی وہ بار بار کروٹیں بدلتی رہی فروہ بھی بیڈ پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ فاریہ کافی دیر بے چینی واضطراب کا شکار

رہی مگر آخر کار نیند نے اس پر غلبہ ڈال دیا۔ رات کے ڈیڑھ بجے اس کی آنکھ کھلی تو بہن کو بستر پر نہ پا کر حیران رہ گئی جلدی سے بیڈ سے اُٹھی اور برآمدے میں چلی آئی مگر وہاں اُسے فروہ دیکھائی نہ دی پھر یہ سوچ کر کچن میں چلی آئی کہ شاید پانی پینے وہاں آئی ہو مگر وہ وہاں بھی موجود نہ تھی۔ پھر اچانک صحن کا خیال ذہن میں آیا۔ جب وہاں آئی تو فروہ کو وہاں بچھی چارپائی پر بیٹھی سسکیاں لے کر روتے دیکھا۔ فاریہ کے قدم اس سے کچھ فاصلے پر رُک گئے۔ فروہ نے سر ٹانگوں میں دبا رکھا تھا۔ فاریہ کو سسکیاں تو سنائی دیں مگر بہن کی زبان سے حرف شکایت نہ سنا۔ اس کے باوجود وہ ان سسکیوں کا سبب جانتی تھی فروہ نے دن بھر تو کسی کو اپنے دکھ کا احساس نہ ہونے دیا تھا مگر رات کے اندھیرے میں رو دی تھی۔

"انسان آخر انسان ہوتا ہے چاہے تمہارے جیسا مضبوط اعصاب کا مالک ہو یا میرے جیسا کمزور دل والا دونوں پر دکھ ایک ہی طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کمزور سب کے سامنے دن کے اُجالے میں بھی رو لیتا ہے اور مضبوط اعصاب والا رات کی تاریکی کا انتظار کرتا ہے۔ خاموشی، تنہائی اور اندھیرا زیادہ دیر اُسے اپنے جذبات پر قابو نہیں پانے دیتے۔"

فاریہ بہن کی پشت دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ مگر اس سے پیشتر کہ فروہ کو اس کی آمد کی خبر ہوتی یا بہن کے سامنے اپنے کمزور پڑنے کا پتہ چلتا فاریہ وہاں سے چلی آئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فروہ یہ سب جانے۔ آخر کو اس نے فاریہ کے سامنے خود کو بہادری کا مجسمہ بنا رکھا تھا۔

☆

فرسٹ رو میں بیٹھی فاریہ بظاہر تو ڈائس پر کھڑی لیکچرر کو دیکھ اور سن رہی تھی مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس بیٹھی لڑکیاں بھی فاریہ بننے کی کوشش کر رہی تھیں فرسٹ رو کی محویت اور انہماک کو دیکھتے ہوئے لیکچرار بھی ہر مبہم نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے انہی پر نظریں گاڑے رکھتی تھیں۔

فاریہ کا وجود تو اس کمرے میں قید تھا مگر ذہن کسی کے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ کسی موہوم سی کرن کی طرح شاذ کا تصور اس کی روح میں اُتر رہا تھا۔ یہ تصور ہوا کے لطیف جھونکوں کی طرح اس کے جسم کو چھو رہا تھا جیسے وہ اسے بیدار کرنا چاہ رہا ہو۔ اسے جھنجھوڑ رہا ہو۔ آخر وہ اس کے ہمراہ چل رہی تھی اور اب وہ اس کلاس سے بہت دور نکل آئی تھی۔ یہاں شاذ کے علاوہ کوئی آدم زاد نہ تھا۔ وہ نظریں جھکائے اس کے سنگ چلتی آئی تھی مگر اب وہ اُسے پلکیں اُٹھانے کا کہہ رہا تھا۔ آخر اس نے ڈرتے ڈرتے پٹ کھولے تو سب سے پہلے اس کے سامنے دو گہری گہری سی

آنکھیں تھیں۔ پھر شاذ کی وجیہہ و خوبرو شخصیت کے سحر نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ اس جمال کے مرقع کو تحیر سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے فاصلے پر کھڑا تھا مگر اس کی موجودگی کا احساس ہی سے وہ گھبرا گئی۔ اُسے اپنا سارا جسم لرزتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

پہلے تو وہ اُسے اپنا تصور ہی خیال کرتی رہی مگر پھر آہستہ آہستہ تصور نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ اب تو اسے شاذ کا عکس صاف اور واضح دیکھائی دینے لگا تھا۔ کافی دیر وہ اسے دیکھتی رہی شاید وہ کئی گھنٹے اسی سحر میں ڈوبی رہتی جو کلاس میں شور نہ مچتا۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا سبھی لڑکیاں لیکچرار کے نکلنے کے بعد اپنی اپنی سیٹ چھوڑ کر باہر نکل رہی تھیں۔ اُسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب پریڈ آف ہو گیا۔

انگلش کے پریڈ کے بعد وہ اسلامیات کی کلاس میں چلی آئی یہاں بیٹھی وہ اپنی تبدیلی کے بارے سوچ رہی تھی کالج کے دو سالوں میں یہ پہلی بار ہوا تھا اس نے نہ تو کبھی شاذ کے بارے بات کی تھی اور نہ سوچا تھا پھر اچانک اس کا خیال اس کے ذہن میں کیسے آیا تھا وہ اس پر ششدر تھی۔ اب جو اس نے تھوڑا سا شاذ کے بارے سوچا تو وہ اُسے بہت منفرد اور جدا لگا تھا۔ اس کی شخصیت کی طرح اس کی عادات و خصائل بھی شوبز کے لوگوں سے مماثلت نہ رکھتی تھیں۔ وہ نہ تو ان کی طرح اپنی تعریفوں کے پل باندھتا تھا اور نہ بات بے بات جھوٹ بول کر ہمدردیاں اکٹھی کرنے اور دوسروں کو اپنا گرویدہ بنانے کی سعی کرتا تھا اسے اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ کوئی اس کی وطن سے محبت اور ہم وطنوں کے لیے محبت کے جذبے پر یقین رکھتا تھا یا نہیں اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ اس کے جذبوں میں صداقت تھی۔ اس نے کبھی شاذ کو کسی کی عیب جوئی اور برائی کرتے نہ سنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خود سے کہہ رہی تھی۔

"شاذ آپ گریٹ ہو۔ فروہ ٹھیک کہتی تھی جو لوگ وطن سے محبت کرتے ہیں وہ ہر رشتے سے سنسیئر ہوتے ہیں۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں......"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی خواب بنتی یا اس کے اور اپنے مستقبل کے متعلق کوئی منصوبہ بناتی اس نے فوراً اس خیال اور تصور کو یہ کہہ کر ذہن سے جھٹک دیا۔

"فاریہ تم پاگل ہوگئی ہو کیا...... کہاں وہ اور کہاں تم...... تم حقیقت میں رہو تو تمہاری لیے بہتر ہوگا ہوا میں اڑنے کی کوشش نہ کرو...... تم ایک غریب والدین کی بیٹی ہو شہزادی بننے کے خواب نہ دیکھو وہ بہت خوبصورت ہے...... فاریہ تم نے آسمان سے تارے توڑ لانے کی باتیں تو سنی ہوں گی مگر کبھی کسی کو توڑ لاتے دیکھا بھی ہے۔ بالکل اسی طرح تم اس کے ساتھ جیون

گزارنے کا سوچ تو سکتی ہو زندگی بسر نہیں کر سکتی...... سیدھی طرح اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔''

اب اس نے اپنی تمام تر توجہ سوچوں سے ہٹا کر ٹیچر کی سمت مبذول کر دی۔ مگر بار بار یہ خیال اسے تنگ کر رہا تھا اور ہر بار وہ اُسے جھٹک رہی تھی۔ اب اس نے آنکھیں اِدھر اُدھر گھمانا شروع کر دیں اس طرح اس کا خیال تھا کہ وہ ان سوچوں سے پیچھا چھڑا پائے گی۔ کالج ٹائم میں اس کا ذہن بار بار اس اچانک تبدیلی کی طرف جاتا رہا۔ پریڈ اٹینڈ کرتے ہوئے وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ یہ تبدیلی کیونکر آئی مگر بے حد غور و خوض کے باوجود کوئی سرا اُس کے ہاتھ نہ لگا تھا جہاں وہ غور و خوض کر رہی تھی وہاں اس بات پر بھی رب تعالیٰ کی بے حد مشکور تھی کہ فروہ اس کے ساتھ نہ تھی ورنہ وہ جھٹ سے اس تبدیلی کو نوٹ کر لیتی اور پھر سوالات کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا جس کے جوابات اس کے پاس نہ تھے کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کیونکر ہوا تھا۔ وہ اس بات پر خوش تھی کہ ان کی ٹیچرز مختلف تھیں۔ دونوں بہنوں نے یہ سوچ کر سبجیکٹ سلیکشن ایک سی کی تھی کہ وہ ایک ہی ٹیچر کے پاس پڑھ سکیں گی۔ ان کے درمیان جدائی نہ آئے گی۔ مگر ان کی خواہش بر نہ آسکی۔ سیم سبجیکٹ سلیکشن کے باوجود انہیں مختلف لیکچررز ملیں تھی کیونکہ ان کے رول نمبر طاق اور جفت تھے فاریہ طاق رول نمبر والیوں کے ساتھ تھیں اور فروہ جفت۔

سکول میں تو دونوں اکٹھی رہیں جبکہ کالج جوائن کرنے کے بعد ایسا نہ ہوا تھا۔ سبجیکٹ سلیکشن سیم ہونے کی وجہ سے ان کا جو پریڈ فری ہوتا تھا اس کی ٹائمنگ سیم تھی۔ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب وہ ایک دوسرے سے مل پاتی تھیں۔

ان دو سالوں میں فاریہ میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ بقول سب کے اب وہ پہلے والی فاریہ نہ رہی تھی۔ وہ کافی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ جس قدر پہلے وہ پڑھائی میں لاپرواہی برتتی تھی اب اُتنا ہی دل لگا کر پڑھتی۔ کالج سے لوٹنے کے بعد وہ کھانا کھاتی کچھ دیر آرام کرتی اور پھر سٹڈی کرنے لگ جاتی جب تھوڑی سی اکتاہٹ محسوس کرتی ماں کا ہاتھ بٹانے لگتی۔ نہ تو وہ کالج کا کام بھولتی اور نہ رات گئے تک بیٹھی رہتی جوں ہی فری ہوتی فوراً سو جاتی۔ بہن کے ساتھ باتیں ضرور کرتی مگر پہلے کی نسبت کم گو ہو گئی تھی۔

اب فروہ یا فضلیت بیگم کو اُسے تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ انہوں نے ان دو سالوں میں اُسے کبھی بھی پڑھائی کا نہ کہا تھا۔ پہلے بھی بہت کم ایسا ہوا تھا مگر اب تو یہ سلسلہ مکمل ختم ہو گیا تھا۔ کالج کے پہلے ہفتے میں اس نے کلاسز چھوڑیں تھیں مگر پھر اس نے خود میں ایک انجانی طاقت اُبھرتی محسوس کی تھی جو اُسے بنک کرنے ہی نہ دیتی تھی جب بھی وہ ایسا کرتی دل

بے چین ہو جاتا اور اُسے محسوس ہوتا کہ کوئی طاقت اسے مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ رہی تھی وہ اس کے ساتھ چلتی جاتی اور بالآخر کلاس روم میں آ جاتی۔ اس کے لیے پانچ منٹ بھی کلاس سے باہر رہنا مشکل ہوتا تھا وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا تھا وہ ایسا کیوں کر رہی تھی۔ روز بروز اس کے دل میں آگے بڑھنے اونچا مقام حاصل کرنے کی خواہش اُبھرتی جا رہی تھی مگر فی الوقت وہ اس بات کو شعوری طور پر قبول کرنے پر رضامند نہ تھی۔ اس کی ذاتی رائے تھی کہ یہ سب اس کا وقتی جنوں تھا جو جلد ہی دم توڑ دے گا اور وہ ایک بار پھر سے لاپرواہ، غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ درانہ رویہ اختیار کرے گی۔ پھر وہی ٹی۔ وی ہوگا اور فاریہ۔ کتابیں اُسی طرح یا تو بیگ میں رکھی جائیں گی یا وہ افراتفری کے عالم میں ان کی ورق گردانی کر رہی ہوگی مگر وہ اس وقت کے انتظار میں ہی رہی اور دو سال گزر گے۔ البتہ اس کی سنجیدگی اور علم سے محبت کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ وہ کالج کی لائق ترین سٹوڈنٹ کے طور پر جانی پہچانی جانے لگی تھی۔ تقریباً سبھی سٹوڈنٹ اور ٹیچرز اس کے نام سے واقف تھے۔ ہر کوئی اُس کے گن گاتا نظر آتا تھا۔ سبھی اس کی طرح بننا چاہتی تھیں۔

مگر جانے کیوں اس کی روح ان تعریفوں سے خوش نہ ہوتی تھی۔ وہ ظاہری طور پر تو یہی شو کرواتی تھی کہ وہ بہت خوشی محسوس کرتی تھی مگر اس نے کئی بار خود کو ٹٹولا تھا تب وہ یہ جان پائی تھی کہ ایسا نہ تھا۔ اس کی سمجھ سے یہ بات بالاتر تھی کہ آخر وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ اکثر اپنے کمرے میں بیٹھی خود سے پوچھا کرتی تھی۔

''فاریہ کیا تمہیں کسی اور کی تعریف کا انتظار ہے؟ کیا تم خوش نہیں ہو کہ تمہاری ستائش ہوتی ہے۔''

مگر وہ خود کو اس کا جواب نہ دے پاتی۔

اب وہ پہلے والی کنفیوز فاریہ نہ رہی تھی جس نے جب پہلے روز کالج میں قدم رکھا تو اس کی وسیع و عریض اور علی الشان بلڈنگ کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ سکول میں اس کے اِرد گرد بیس تیس کے قریب لڑکیاں تھیں مگر اب وہ سینکڑوں کے ہجوم میں آ کر گھبرا گئی تھی۔ پہلے چند روز وہ اپنا اور ان لڑکیوں کا موازنہ کرتی رہی تھی۔ وہ سادہ اور سستے یونیفارم میں ملبوس تھی اس لیے باقیوں کے اعلیٰ اور سٹائلش یونیفارم دیکھ کر رشک کرتی تھی۔ اُس کے بال گوندھے ہوئے تھے اور سر دوپٹے سے ڈھکا ہوا تھا جبکہ وہاں ہر کوئی گلے میں دوپٹہ ڈالے نظر آتا تھا۔ کسی نے بوب اور لیئر کٹنگ کروا رکھی تھی تو کسی نے سٹیپ۔ اسے لڑکیوں کی فرنچ پلیٹ اچھی لگتی تھی۔ وہ بھی چاہتی تھی

کہ اگر وہ اپنی ہائٹ کی وجہ سے ہیل نہیں پہن سکتی تو کم از کم سٹائلش سینڈل ہی پہنے۔ لڑکیوں کے ہونٹوں پر لگی ہلکی سی لپ اسٹک اور آنکھوں پر لگا مسکارا اور لائنر اسے بھاتے تھے۔ وہ یہ سب حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی اور گھر آتے ہی بہن سے ان سب چیزوں کے بارے بات چیت شروع کر دیتی۔

"فروہ تم نے میری کلاس کی سیکنڈ رو میں بیٹھنے والی لڑکی کی کٹنگ دیکھی ہے...... سینڈل بھی اچھے ہیں نا......! لڑکیوں کو تھوڑا بہت میک اَپ بھی کرنا چاہیے۔"

فروہ لاپرواہی سے جواب دیتی۔

"اگر تمہارا جی چاہتا ہے تو کرلو۔"

مگر بہن کو دیکھ کر وہ ارادہ ترک کر دیتی۔

"نہیں اگر تم نہیں کرو گی تو میں کیوں اپنے منہ کو لیپوں۔"

فاریہ کی نسبت فروہ کو کوئی بھی چیز امپریس نہ کر سکی۔ اسے سادہ رہنا اچھا لگتا تھا اس لیے وہ اس ہی حال میں خوش تھی۔

پھر جلد ہی فاریہ بھی بہن کی طرح اپنی سادگی کو برا نہ سمجھتی تھی اور پھر رزلٹ نے تو اس کے اعتماد میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہ نمایاں پوزیشن حاصل کر پائی تھی۔ اس کی اس خوبی نے تمام سٹائلش اور خوبصورت لڑکیوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ جسے دیکھو اس کے پاس چلی آتی تھی۔ کوئی کسی سبجیکٹ کے بارے پوچھتی تو کوئی کسی۔ سب اس سے نمبر حاصل کرنے کی ٹریک لینا چاہتی تھیں۔ لیکچرار کے جاتے ہی وہ اس کے گرد جمع ہو جاتیں۔

"فاریہ آخر ہمیں بھی تو اپنی کامیابی کا راز بتاؤ۔"

وہ مسکرانے لگتی۔

"راز......"

"ہاں......راز"

"میرے پاس کوئی راز ہو تو بتاؤں...... سمپل سا فارمولا ہے جب جی چاہے پڑھو اور جب بوریت یا تھکان محسوس کرو تو کتابیں چھوڑ دو۔"

سب اس کی بات پر ہنس دیتیں۔

"یہ کیسا فارمولا ہوا؟ اگر ہم صرف تھکان کو ذہن میں رکھیں تو شاید تھوڑا بہت پڑھ لیں مگر بوریت...... بوریت تو ہر وقت ہی محسوس ہوتی ہے۔"

"اس کا آسان حل ہے؟ کوئی اہم مقصد بنالو......"

وہ بات مکمل نہ کر پائی تھی کہ سوچنے لگی کیا اس کا کوئی اہم مقصد ہے اسے اپنی محنت کے پیچھے چھپے ہوئے میسج کا علم نہ تھا بلکہ اس کے نزدیک تو وہ محنت ہی نہ کرتی تھی۔ فوراً ہی دوسرا آپشن اس کے ذہن میں آ گیا۔

"یا پھر شادی کرلو۔"

سب مسکرانے لگتیں۔

ہر روز فروہ ماں کو کسی نہ کسی لڑکی کے فاریہ کے لیے کہے ہوئے ستائشی جملے سناتی۔

"امی میری کلاس فیلو کہہ رہی تھی فاریہ ایک گوہر نایاب ہے۔"

"ٹھیک تو کہتی ہے بس اللہ نظر نہ لگائے میری بیٹی کو۔"

فاریہ تنبیہ کرتی۔

"تم میری تعریف نہ کیا کرو۔"

"میں کب کرتی ہوں؟ میں تو صرف پیغام رساں ہوں۔"

"فروہ میں نہیں چاہتی کہ میں مغرور بنوں۔ کیونکہ مجھے ایسے لوگ بہت بُرے لگتے ہیں جو دوسروں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں......ایک حقیر سی مخلوق جو انسان کے پاؤں میں آتی ہے اور روندھی جاتی ہے۔"

فضلیت فوراً فہمائش کرتی۔

"بیٹی کبھی ایسا غضب مت کرنا......اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے۔"

"میں بھی تو یہی چاہتی ہوں اس لیے ان تعریفی کلمات سے پرہیز کرتی ہوں اسی طرح جس طرح کوئی بیمار انسان پرہیز کرتا ہے۔"

جہاں فاریہ کی ذہانت کے چرچے تھے وہاں اس کا اخلاق بھی بہت مشہور تھا۔ ہر لڑکی بات کرنے سے پہلے اسے مغرور سمجھتی تھی کیونکہ وہ خود سلسلۂ گفتگو نہ چھیڑتی تھی مگر جب ایک بار بات کر لیتی تو اپنی رائے بدل لیتی۔

"فاریہ تم مغرور لگتی ہو مگر ہو نہیں۔"

ایف اے میں اس کی شخصیت میں کافی تبدیلیاں آ گئی تھی۔ بی۔اے میں تو وہ بالکل ہی بدل کر رہ گئی۔ اب اس کی شوبز کے لیے پسندیدگی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ ہر وقت ٹی۔وی کے سامنے والی شوبز نیوز سننے والی اور سیلبریٹیز کا کریز رکھنے والی فاریہ بہت کم ٹی۔وی کے سامنے

دیکھائی دیتی تھی۔ فروہ کی نسبت فضیلت بیگم اور مرتضٰی صاحب نے بیٹی کی شخصیت میں رونما ہونے والی اس تبدیلی کو بہت زیادہ محسوس کیا تھا۔ فضیلت بیگم تو اس بات پر بہت خوش تھیں۔

''بہت اچھی بات ہے۔ کیا رکھا ہے اس ٹی۔وی میں۔ خواہ مخواہ میں وقت بھی برباد کرواو اپنی نظر بھی......''

مرتضٰی صاحب اور فروہ بیٹھے ٹی۔وی دیکھ رہے تھے جبکہ فضیلت بیگم کسی کام کی غرض سے اس کمرے میں چلی آئی تھیں۔ مرتضٰی صاحب بار بار فروہ کو فاریہ کو بلوانے کا کہہ رہے تھے جبکہ وہ مسلسل انکار کیے جا رہی تھی۔

''ابو فاریہ نہیں آئے گی۔ آپ خواہ مخواہ میں میرا بھی ڈرامہ خراب کر رہے ہیں۔''

''بیٹی ایک بار جاؤ تو سہی شاید آجائے۔''

''ابو وہ نہیں آئے گی۔''

باپ بیٹی کے جھگڑے کو ختم کرنے کو فضیلت بیگم نے اپنی رائے دی تھی۔ مگر مرتضٰی صاحب نہ مانے آخر فروہ کو مجبوراً آنا پڑا جب وہ صحن میں آئی تو فاریہ چارپائی پر لیٹی آسمان کو تکے جا رہی تھی۔

''فاریہ ابو بلا رہے ہیں۔''

''فروہ مجھے ڈرامہ نہیں دیکھنا۔''

''نہ دیکھو مگر شو تو دیکھو گی نا! وہ تو تمہیں بہت پسند ہے۔''

"Now my liking has changed"

(اب میری پسند بدل گئی ہے۔)

''کیا کہا تم نے؟''

''کچھ نہیں......''

فاریہ نے بات بدل ڈالی جبکہ فروہ یہ نہیں چاہتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے بہن کو کریدنے کی کوشش نہ کی۔ مگر اسے حیرت بھی نہ ہوئی تھی۔ اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''جانتی ہوں......''

فاریہ کی نظریں اب آسمان پر چمکنے والے چاند ستاروں سے ہٹ کر فروہ پر جم گئیں۔ صحن میں اندھیرا تھا مگر فروہ چونکہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی پھر آسمان پر جلنے والے دیوں کی موجودگی نے بھی سہولت دے رکھی تھی اس لیے فاریہ کو اس کے چہرے کو دیکھنے میں دقت نہ

ہوئی۔ فاریہ اب اکثر ہی صحن کی لائٹ آف کر کے چارپائی پر لیٹ کر چاند ستاروں میں کھو جایا کرتی تھی اُسے بلب کی روشنی بالکل بھی نہ بھاتی تھی۔ فاریہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے بہن کو دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔

''فروہ وہ کیا ہے جو تم تو جانتی ہو مگر میں نہیں؟''

یہ بات اس کے لیے حیران کن تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ راز سب سے پہلے انسان اپنی ذات سے شیئر کرتا ہے کیونکہ رازوں کے ہمیشہ افشاں ہونے کا جو اندیشہ رہتا ہے۔

''میں نے تو ابھی کوئی بھی خفیہ بات خود سے شیئر نہیں کی تو پھر تم کیسے جان گئی ہو؟''

اس کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ کیا جان گئی تھی وہ یہ پوچھ کر فروہ کو اس بات کی یقین دہانی نہ کروانا چاہتی تھی کہ واقعتاً کوئی راز تھا۔ مگر اس وقت اس کا اپنا وجود کئی حصوں میں بٹ چکا تھا۔ دل و دماغ، آنکھیں اور جسم کچھ بھی تو یکجا نہ تھا پھر وہ کسی پر قدرت کیسے رکھ سکتی تھی۔

''تم کیا جانتی ہو؟''

اُسے خود بھی علم نہ ہو سکا کہ کب زبان نے دماغ میں اُٹھنے والے سوال کو ادا کر دیا۔ اس کے سوال پر فروہ نے اُلٹا سوال کر ڈالا۔

''میں......میں کیا جانتی ہوں؟''

زبان اب بھی فاریہ کے قابو میں نہ رہی۔

''ہاں......میں بھی یہی پوچھ رہی ہوں کہ تم کیا جانتی ہو؟''

''ارے بابا میں کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ مجھے ڈرامہ دیکھنا ہے اور تمہارے پاس کھڑے رہنے سے اس کا حرج ہو رہا ہے لہٰذا میں چلتی ہوں۔''

فروہ وہاں سے چلی آئی مگر فاریہ کو لگا کہ اس نے جانتے بوجھتے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا اور بہانے سے وہاں سے کھسک گئی تھی۔

''فروہ رکو......رکو تو......''

وہ آوازیں دیتی رہ گئی اور فروہ وہاں سے چلی آئی اُسے لگا تھا کہ وہ اس کی مشکل حل کر سکتی تھی اُسے اس راز تک پہنچا سکتی تھی جس کا راستہ تلاش کرتے کرتے وہ گورکھ دھندے میں پھنس گئی تھی۔ اُلجھ گئی تھی۔

''کیا میں اُلجھ گئی ہوں؟''

اب اس کی توجہ فروہ سے ہٹ کر دوبارہ آسمان پر مبذول ہو گئی۔ اس نے سب سے

جدا نظر آنے والے ستارے کی طرف دیکھتے ہو خود سے کہا۔

''شاید...... شاید نہیں...... یا شاید ہاں...... ہاں میں اُلجھ گئی ہوں مگر کس میں کہاں؟''

''اُلجھن تبدیلی کو کہتے ہیں ذہنی وجسمانی تبدیلی اور یہ تم میں رونما ہو چکی ہیں؟''

''ہاں...... میں پہلے جیسی نہیں رہی...... نہیں میں پہلے جیسی ہی تو ہوں؟''

اس نے خود پر نظر ڈالی۔

''اُسی طرح کھاتی ہوں پیتی ہوں...... ٹی۔وی...... ہاں ٹی۔وی ذرا کم دیکھتی ہوں...... نیوز پیپر میں جی نہیں لگتا شوبز کے لیے پسندیدگی......''

شوبز کے لیے پسندیدگی کا سوچتے ہی اس کا پورا جسم لرز کر رہ گیا اور وہ اتنا زور سے کپکپائی کہ اس کی آنکھوں سے نمی بہہ کر رخسار پر آ گئی۔

''ارے میں کپکپا کیوں رہی ہوں...... شوبز میں ایسا کیا ہے جو میں ڈر رہی ہوں...... کچھ بھی تو ڈرنے والی بات نہیں...... ہاں کچھ بھی تو نہیں۔''

اس نے خود کو دلاسا دیا۔ مگر وہ پھر کپکپائی۔

''شاید مجھے سردی لگ رہی ہے مجھے اندر جانا چاہیے۔''

پھر وہاں سے یوں خوفزدہ ہو کر بھاگی جیسے کوئی آسیب اُس کی طرف بڑھ رہا ہو مگر کمرے تک آتے آتے اس نے خوف پر قابو پا لیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو بہن اور والد کو محوِ گفتگو پایا۔

''ابو میں نہ کہتی تھی وہ نہیں آئے گی۔''

''میں جانتا ہوں بیٹی مگر تصدیق چاہتا تھا۔ جانے فاریہ بیٹی کو کیا ہو گیا ہے؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا ابو......''

مرتضیٰ صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم آ گئیں۔''

''جی ابو...... بس ذرا سا موڈ نہیں بن رہا تھا اور آپ سمجھے میں شوبز سے دور ہو گئی ہوں...... ابو جی میں اور شوبز الگ تھوڑے ہیں ہمارا تو جنم جنم کا ساتھ ہے۔''

فضیلت بیگم جو قریب ہی کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں مصروف تھیں بولیں۔

''سن لیں...... اب تو آپ خوش ہیں اچھی خاصی میری بیٹی سمجھ دار ہو گئی تھی مگر آپ سے برداشت نہ ہوا۔''

سب مسکرانے لگے مرتضیٰ صاحب بیوی کو چڑانے کو بولے۔

''ٹی۔وی دیکھنا بھی اچھی بات ہے بہت نالج ملتا ہے مگر آپ ان باتوں کو کہاں سمجھیں گی۔''

''آپ کو تو سوائے طنز و تشنیع کے کچھ نہیں سوجھتا۔''

فاریہ سب کے درمیان تو بیٹھی تھی مگر یہاں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا یہاں آتے ہی اس کا جی چاہنے لگا تھا کہ وہ پھر سے صحن میں چلی آئے پھر اُسی چارپائی پر لیٹ کر جگمگاتے ستاروں میں کھو جائے۔ مگر اب اس کا وہاں سے اُٹھنا اس کو سب کی نظروں میں مشکوک بنا سکتا تھا۔ اسے تنہا بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ حالانکہ اُسے خود بھی تنہائی میں کوئی خاص قسم کی بات نظر نہ آتی تھی مگر پھر بھی وہ اس کی پسندیدہ چیز بنتی جا رہی تھی۔

☆

بریک میں فاریہ کالج گراؤنڈ میں بیٹھی بہن کا انتظار کر رہی تھی۔ بہت سی لڑکیاں اس کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھیں ہر ایک کی زبان سے وہ اپنے لیے تعریفی کلمات سن سن کر تھک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ان ستائشی جملوں سے راستہ ہموار کر کے صرف یہ جاننا چاہ رہی تھیں کہ آخر وہ کیا طریقہ کار تھا جس پر عمل کرتے ہوئے وہ پوزیشن حاصل کر پاتی تھی اُس نے کئی بار اس راز کو افشاں کیا تھا۔

''جب جی چاہیے پڑھو اور جب بوریت محسوس کرو تو چھوڑ دو۔''

مگر وہ سب یہ سمجھتی تھیں کہ یہ سب جان چھڑانے کے طریقے تھے حالانکہ وہ انہیں سچ بتاتی تھی وہ خود اسی پر عمل کرتی تھی۔ کالج میں تو سارا وقت پریڈز کے لیے کلاسز کے چکر لگاتے گزر جاتا تھا بریک میں وہ بہن کے ساتھ وقت گزارتی تھی البتہ گھر پہنچ کر وہ پڑھائی پر ضرور توجہ دیتی تھی۔ مگر اس وقت تک جب تک وہ اکتاہٹ محسوس نہ کرتی تھی۔ مگر اب اس کی شخصیت میں اتنا فرق ضرور آ گیا تھا کہ وہ بہت کم اکتاہٹ فیل کرتی تھی اسے پڑھنا اچھا لگتا تھا۔ کیوں اچھا لگتا تھا؟ اس کا سبب وہ خود بھی نہ جانتی تھی۔ اسے لاشعوری طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ اُسے پڑھنا چاہیے ہر حال میں اور اسی پر وہ عمل کر رہی تھی۔ مگر کوئی بھی اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

''فاریہ تم کب اکتاہٹ فیل کرتی ہو۔''

وہاں موجود لڑکیوں میں سے جب ایک نے یہ سوال پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''اس کا جواب میرے پاس نہیں کیونکہ......''

دوسری نے اس کی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”ہر ایک کی بوریت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔“

”بالکل!“

اب وہ لڑکیوں سے بات چیت کر رہی تھی کہ اس کے کانوں میں فروہ کی آواز پڑی۔

”فاریہ......“

فاریہ نے آواز کی سمت آنکھیں گھمائیں تو اُسے اپنے سے دور کوری ڈور میں فروہ دیکھائی دی۔ جو اُسے ہاتھ کے اشارے سے آنے کا کہہ رہی تھی۔ اس نے بھی کہا۔

”میں ابھی آتی ہوں۔“

فروہ اسے جلدی آنے کا کہہ رہی تھی۔ فاریہ کو بہت حیرت ہوئی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ خود اس کے پاس کوئی نہیں آ رہی۔ مگر اسے اتنا ضرور علم ہو گیا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور تھی۔

“I will see you later”

(میں تم لوگوں سے بعد میں ملتی ہوں)

جلدی سے بیگ اُٹھایا اور خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے چلی آئی۔ اس کے جاتے ہی لڑکیوں آپس میں گفتگو کرنے لگیں۔

”کالج کے یہ تین سالوں میں ان دونوں بہنوں نے کبھی کسی کو دوست نہیں بنایا۔“

”ہیلو ہائے تو سب سے ہے۔“

”ہاں مگر فرینڈ شپ نہیں۔“

”شاید وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں۔“

”شاید نہیں یقیناً۔“

”اچھی بات ہے۔“

I also think, it's good

(میرے خیال میں بھی یہ اچھی بات ہے)

”مگر اب بہت کم ہوتا ہے کہ بہنیں اچھی فرینڈز ہوں۔“

“Yes, you are right”

فاریہ فروہ کے قریب پہنچی تو استفسار کیا۔

”مجھے کیوں بلا رہی تھی؟“

”بتاتی ہوں پہلے تم میرے ساتھ چلو......“

”یہیں بتا دو۔“

”نہیں وہ یہاں بتانے والی بات نہیں۔“

اتنے میں بشریٰ ان کے قریب آ گئی۔ فروہ نے تعارف کروایا۔

”یہ میری کلاس فیلو بشریٰ ہے۔“

”میں جانتی ہوں......“

فاریہ بشریٰ کو جانتی تھی وہ فروہ کی کلاس میٹ تھی مگر وہ اچانک اس کا اس سے تعارف کیوں کروانے لگی تھی اسے اس بات پر تعجب ہوا۔

”ہمارے ساتھ چلو۔“

فروہ کی بات سن کر فاریہ نے دریافت کیا۔

”مگر کیوں؟“

”ساتھ تو چلو......“

پھر وہ تینوں ایک خالی روم میں چلی آئیں جہاں ایک کونے میں تین چیئرز رکھی ہوئی تھیں وہ سیدھا اسی سمت آئیں۔

”اگر اتنی پرائیویسی چاہیے تو دروازہ لاک کر دوں۔“

فاریہ کی بات سن کر فروہ بولی۔

”نہیں اب اتنی بھی پرائیوایسی کی ضرورت نہیں۔“

جب تینوں اطمینان سے بیٹھ گئیں تو فروہ بولی۔

”فاریہ اپنا ہاتھ دیکھاؤ۔“

فاریہ نے اپنا دایاں ہاتھ فروہ کے سامنے کر دیا۔

”مجھے نہیں بشریٰ کو۔“

”مگر کیوں؟“

”کیونکہ یہ پامسٹ ہے۔“

”پامسٹ......“

”ہاں......“

”مگر مجھے ہاتھ دیکھانے کا کوئی کریز نہیں۔“

"مگر مجھے تو ہے۔"

"تو دکھا دو میں نے کیا منع کیا ہے۔"

"مگر مجھے تمہارا ہاتھ دیکھنا ہے۔"

دونوں بہنوں کی بحث میں بشریٰ خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی۔ فروہ نے مزید بحث و مباحثہ کے چکروں میں پڑنے کی بجائے بہن کا ہاتھ پکڑ کر بشریٰ کے سامنے کر دیا۔ اب وہ بغور اُسے دیکھنے لگی۔ پانچ منٹ بعد اس نے اپنی نظریں ہٹائیں تو فروہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"میری بہن کی قسمت کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔"

"مثلاً"

"مثلاً یہ کہ فاریہ بہت علم حاصل کرے گی۔ بیرون ملک جانے کا موقعہ بھی ملے گا۔ زندگی بہتر بلکہ بہت بہتر ہو جائے گی۔"

"بشریٰ کوئی خاص بات جو تم نے اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے نوٹ کی ہو۔"

"کوئی خاص بات۔"

"ہاں کوئی ایسی بات کہ جو تم نے کسی کے ہاتھ میں نہ دیکھی ہو۔"

"فاریہ ہاتھ دیکھاؤ۔"

بشریٰ نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا بغور دیکھنے کے بعد بولی۔

"فاریہ کو بہت شہرت ملے گی۔"

اس بات پر فروہ اُچھل پڑی۔

"بس مجھے یہی جاننا تھا۔"

"Now, it's turn to Farwa"

(بشریٰ اب فروہ کی باری ہے)

"Why not?"

But i don't like prophecy

(لیکن مجھے پیش گوئی پسند نہیں)

"میرا فیوچر جیسا بھی ہوگا مجھے پرواہ نہیں......کم از کم اب نہیں۔"

"Really, Farwa"

"Yes"

فروہ نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔ بہن کے چہرے پر آنے والی اس اچانک خوشی کو دیکھ کر فاریہ کو گمان ہونے لگا کہ اس کی بہن کو آب حیات مل گیا تھا۔ مگر اُسے اس آب حیات کا علم نہ ہو سکا تھا کہ یہ اُسے کہاں سے مل پایا تھا۔ وہ تو شاید اسی وقت بہن سے ضد لگا کر بیٹھ جاتی جو بشریٰ وہاں موجود نہ ہوتی اور اُسے پریڈ گزر جانے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ اس لیے چپ چاپ گراؤنڈ فلور پر چلی آئی تا کہ کلاس اٹینڈ کر سکے۔

بس کا سفر طے کرتے ہوئے فاریہ نے ایک دو بار اس سے خوشی کی وجہ جاننا چاہی مگر اس نے خاموش رہنے کا حکم صادر کر دیا مگر گھر پہنچ کر اس نے رٹ لگائی کہ وہ اسے حقیقت سے آگاہ کرے مگر فروہ کی مرغی کی وہی ایک ٹانگ تھی۔

"وقت آنے پر سب بتا دوں گی۔"

"فروہ اب تم مجھ سے باتیں چھپانے لگی ہو۔"

"وہ تو تم بھی......"

"میں......میں نے کب ایسا کیا؟"

"یہ بھی وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

"ایک تو میں تمہارے اس وقت سے بہت تنگ ہوں ہر کام کے لیے اس استاد محترم کا انتظار کرتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ عالم پناہ آئیں اور چلے بھی جائیں اور آپ کو خبر تک نہ ہو۔"

"تب کا تب دیکھا جائے گا۔"

"کہیں اس کے انتظار میں کچھ کھو نہ بیٹھو۔"

"تم کیا مجھے اموشنلی بلیک میل کر رہی ہو......مگر یاد رکھو میں ان ہتھ کنڈوں میں پھنسنے والی نہیں۔"

"فروہ تم ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہو۔"

"جو بھی کہو۔"

"مگر میں عادت نہیں بدلوں گی۔"

فاریہ نے بہن کو اس کی غلطی کا احساس دلانا چاہا مگر وہ ذرا برابر بھی نادم نہ ہوئی۔

"تم جو بھی کہو میں اس اچھی یا بری عادت کو بدلنے والی نہیں۔"

"اچھی یا بری۔"

"ہاں...... میرے نزدیک اچھی اور تمہارے خیال میں بُری۔"

"بہت ڈھیٹ ہو۔"

"شکریہ۔"

آخر تھک ہار کر فاریہ نے ہی چپ سادھ لی۔

☆

فاریہ بیڈ پر لیٹی سو رہی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی کمرے میں چھائے اندھیرے کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اضطراب کے عالم میں وہ بہن کو پکارنے لگی مگر کوئی جواب نہ پا کر خوفزدہ ہو گئی گھبراہٹ میں بیڈ سے اُٹھی تا کہ لائٹ آن کر سکے وہ ٹھوکریں کھاتی کھڑکی تک پہنچ گئی۔ کیونکہ بے پناہ کوشش کے باوجود وہ سوئچ تلاش نہ کر پائی تھی۔ اس نے جلدی سے پردہ ہٹایا تا کہ کسی حد تک اندھیرے کو مٹا سکے۔ پردہ ہٹنے کی وجہ سے ایک موہوم سے روشنی پھیل گئی اب اس نے کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔ باہر جلنے والی روشنیوں سے اندھیرا چھپ گیا۔ اب خود کو ایک اجنبی کمرے میں پا کر وہ ششدر رہ گئی۔ وہ یہاں کیسے پہنچی تھی یہ اس کی سوچ سے بالاتر تھا کیونکہ جب وہ سوئی تھی تو اس کا اپنا کمرہ تھا مگر اب تو منظر ہی بدل چکا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے لیے وہ جلدی سے دروازے کی طرف لپکی مگر اسے لاک پا کر زور زور سے کھٹکھٹایا۔

"کوئی ہے...... دروازہ کھولو...... مجھے گھر جانا ہے۔"

مگر نہ کوئی آیا اور نہ کسی نے دروازہ کھولا۔ وہ کافی دیر تک ودو کرتی رہی مگر کامیاب نہ ہو پائی۔ پھر کھڑکی کے کھلے پٹ دیکھ کر اس جانب چلی آئی مگر جب نیچے دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ وہ ڈبل سٹوری بلڈنگ کے ایک کمرے میں قید تھی وہ اُسے چھلانگ لگانے کا سوچتے ہی خوف سے اس کا سارا بدن کانپ اُٹھا تھا۔ ایک بار پھر دروازہ تک آئی اب کے بار پھر کوشش کی کہ کسی طرح دروازہ کھل جائے مگر ایسا نہ ہو پایا تو وہ وہیں بیٹھ گئی اور سر ٹانگوں میں دبا کر رونے لگی۔ اسی اثناء میں اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور وہ جلدی سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر پائے جہاں وہ آسانی سے چھپ سکے مگر اُسے وہاں کوئی بھی محفوظ ٹھکانہ دکھائی نہ دیا آخر کو وہ کھڑکی کے پردے کے پیچھے ہی چھپ گئی۔ چند ثانیوں کے توقف سے دروازہ کھولا اور کمرے میں ایک لڑکا داخل ہوا سب سے پہلے اس نے کمرے کی لائٹ آن کی مگر جوں ہی روشنی پھیلی وہ گھبرا گیا۔

"فاریہ...... فاریہ تم کہاں ہو۔"

فاریہ نے اس کی آواز تو سن لی مگر اپنے دھڑکتے دل کی طرح ہونٹوں کو بھی سی لیا۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر اسے وہاں نہ پا کر حیران رہ گیا اچانک اس کی نظر کھڑکی کے کھلے پٹوں پر پڑی تو بولا۔

"کیا وہ فرار ہو گئی؟"

بھاگا بھاگا اِدھر آیا۔

"وہ کیسے فرار ہو سکتی ہے اتنی اونچائی سے چھلانگ لگانے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

اچانک اس کی نظر ہلتے ہوئے پردے پر پڑی تو مسکرانے لگا۔

"اچھا تو تم یہاں ہو...... شرافت سے باہر نکل آؤ۔"

وہ ڈرتی ڈرتی پردے کے پیچھے سے نکل آئی اور اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اب اس کی نظریں اس لڑکے کی طرف گئیں۔ اُسے دیکھ کر وہ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی وہ کوئی اجنبی نہ تھا جانی پہچانی شکل تھی مگر اس کے بے پناہ ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود وہ یہ یاد نہ کر پائی تھی کہ آخر اسے اُس نے کہاں دیکھا تھا۔ اس نے کپکپاتے انداز میں پوچھا۔

"تم...... تم م م م م...... کون...... ہو؟"

"بتاتا ہوں...... بتاتا ہوں...... اتنی جلدی بھی کیا ہے آرام سے بیٹھو پھر بات کرتے ہیں۔"

وہ چوکس کھڑی ہو گئی۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم تو بڑی جلدی میں لگتی ہو...... تم اب یہیں رہو گی یہ سوال بعد میں کر لینا۔"

"میں...... میں بھلا یہاں کیوں رہوں گی؟"

"رہنا پڑے گا۔"

"کوئی زبردستی ہے کیا؟"

"اگر بات نہیں مانو گی تو زبردستی تو کرنی پڑے گی۔"

"میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی۔"

وہ بھاگ کر دروازے تک آئی دروازہ کھولا تھا وہ وہاں سے باہر ہی نکل پائی تھی کہ اُس لڑکے نے اُسے پکڑ لیا اور واپس کمرے میں لے آیا اب کے اس نے دروازہ لاک کر دیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی اور وہ فرش پر بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں میری بات سننا پڑے گی۔"

"مجھے گھر جانا ہے۔"

"وہ تو میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ اگر میری بات سنو......"

اس نے جلدی سے کہا۔

"تو جانے دو گے۔"

"پتہ نہیں۔"

"وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی اور ملتجانہ انداز میں بولی۔"

"پلیز مجھے جانے دو......"

"میری بات سنو......"

"پلیز مجھے جانے دو۔"

جب اس نے دیکھا کہ فاریہ پیار سے اس کی بات ماننے والی نہیں تو تڑخ کر بولا۔

"اگر تم نے میری بات نہ سنی تو پھر میں تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں قید کرلوں گا......"

وہ روتی رہی۔

"خاموش ہو جاؤ ورنہ میرا ہاتھ اُٹھ جائے گا۔"

اس کی ہچکیاں آہستہ آہستہ رُک گئیں۔

"فاریہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ...... اتنی محبت کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی ...... پلیز مجھ سے شادی کرلو۔"

اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مگر میں تم سے محبت نہیں کرتی۔"

"کیا تم کسی اور کو چاہتی ہو؟"

"ہاں...... میں......"

اس نے بات مکمل ہونے سے پہلے ہی موضوع بدل ڈالا۔

"میں تمہیں نہیں اپناؤں گی۔"

"میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"کس کا؟"

"جس کی خاطر تم مجھے اور میری محبت کو ٹھکرا رہی ہو۔"

فاریہ نے بہت چاہا کہ وہ اُسے اس شخص کا نام بتا پائے مگر وہ خود بھی اس کے نام سے

بے خبر تھی اس لیے خاموش رہی وہ منتظر نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا اس سے بیشتر کہ وہ اپنا سوال دوہراتا فاریہ نے کہا۔

"پلیز مجھے جانے دو۔"

یہ سن کر وہ غصے سے تلملا اُٹھا۔ انگارہ نگاہوں سے فاریہ کو گھورا اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔

"اگر تمہاری یہی رٹ ہے تو پھر میری بھی سن لو اب یہی تمہاری پناہ گاہ ہے...... سنا تم نے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا اس کے جاتے ہی فاریہ کے کانوں میں دروازہ لاک ہونے کی زوردار آواز گونجی اور وہ سہم گئی۔ سر ٹانگوں میں دبائے بیڈ پر بیٹھی وہ رو رہی تھی۔ اُسے یہاں سے فرار کی کوئی صورت دیکھائی نہ دے رہی تھی یاس و ناامیدی نے اس کی سسکیوں اور ہچکیوں میں اضافہ کر دیا۔ وہ اسی طرح اپنی قسمت اور بے بسی پر ماتم کر رہی تھی کہ اس کے کمرے میں ایک شہزادہ آوارد ہوا وہ اس کی موجودگی سے لاعلم تھی حتیٰ کہ اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"فاریہ میرے ساتھ چلو۔"

وہ چونک گئی سر اُٹھا کر دیکھا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا حیرانی اور گھبراہٹ کی ملے جلے کیفیت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"آپ کون ہیں؟ اور یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اُس نے ایک ہی سانس میں پوچھ ڈالا اس کے سوالوں پر شہزادہ مسکرایا اور بڑے محبت بھرے انداز میں بولا۔

"میرا نام شاذ ہے اور میں آپ کو آزادی دلوانے آیا ہوں۔"

"کون شاذ......؟ میں کسی شاذ کو نہیں جانتی۔"

شاذ مسکرایا۔

"کیا واقعی!؟"

"ہاں...... ہاں میں کسی شاذ کو نہیں جانتی۔"

"اگر آپ مجھے نہیں جانتی تو یقیناً خود سے بھی ناواقف ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"یہ تو مشکل ہے کہ آپ سمجھتی نہیں یا پھر تسلیم نہیں کرتی۔"

"کس بات کو؟"

''اس سوال کا جواب آپ بہتر دے سکتی ہیں۔''

اُسے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا وہ سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ شاذ کا ہاتھ اس کی جانب بڑھا اور وہ اس مقناطیسی طاقت کے سامنے بے بس ہوگی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ شاذ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''کیا اب بھی آپ مجھے اجنبی سمجھتی ہیں؟''

پہلے کی طرح اس سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر اُسے اس بات کا احساس ضرور ہوگیا تھا کہ جسے وہ اجنبی اور نہ آشنا کہہ رہی تھی اُسی کا وجود تھا اس بات کی گواہی اس کا زور زور سے دھڑکتا ہوا دل بھی دے رہا تھا۔ شاذ ہی وہ شخص تھا جو برسوں سے اس کے دل میں آبسا تھا مگر وہ اس سے بے خبر تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے اندر محبت کا ایک سمندر لیے ہوئے تھیں۔ اس سمندر کی لہریں ہر بار شاذ کے چہرے کو چھو کر لوٹ رہی تھیں جیسے وہ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہوں۔ ان کی والہانہ محبت کے انداز کو دیکھ کر شاذ مسکرا دیا۔

''ہاتھ مضبوطی سے تھام لیں ہماری پرواز بہت اونچی ہے۔''

تب فاریہ نے گرفت مضبوط ہوتی ہوئی محسوس کی۔ تو اس کے بے جان ہاتھ میں جیسے زندگی دوڑ اُٹھی ہو۔ وہ ہر ڈر ہر خوف سے بیگانی ہوگئی۔ شاذ کی موجودگی اور ساتھ کے احساس نے اُسے اپنی قسمت پر ناز کرنا سکھا دیا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ آسمانوں پر اپنی منزلیں طے کر رہے تھے کہ فاریہ کے کانوں میں بہن کی آواز گونجی۔

''فاریہ اُٹھو نماز کا وقت ہوگیا ہے۔''

اس نے کروٹ بدلی مگر فروہ کی آواز نے خواب کا تسلسل توڑ ڈالا تھا اب بے پناہ کوشش کے باوجود وہ اُسے جوڑ نہ پائی۔ وہ اُٹھ بیٹھی جسے وہ حقیقت جان رہی تھی ایک خواب تھا وہ گھبرا گئی۔

''تو کیا میں خواب دیکھ رہی تھی۔''

اس کو کوئی جواب نہ ملا کیونکہ فروہ نماز کے لیے جا چکی تھی۔ اُسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ خواب کیا تھا اور حقیقت کیا۔ سارا دن کالج میں وہ اسی خواب کے بارے سوچتی رہی تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک بار پھر شاذ کے خیال نے اُسے اپنے اندر سمو لیا تھا۔ وہ اس بات پر حیران تھی کہ نہ تو کبھی اس نے شاذ کے بارے سوچا تھا اور نہ کبھی دوستوں یا بہن سے بات کی تھی اور نہ ہی کبھی اس کے اور اپنے بارے جھوٹے سچے خواب بنے تھے پھر اس خواب کی کیا منطق ہوسکتی تھی اس کی فہم و فراست سے بالاتر تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شاذ سے کوئی رشتہ نہ تھا اور نہ ہی اس نے کبھی ارادۃً

کوئی تعلق استوار کرنے کی کوشش کی تھی۔

فاریہ اپنی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے خوفزدہ رہنے لگی تھی کالج کے پہلے تین سالوں میں تو وہ ہر تبدیلی کو یہ سوچ کر نظر انداز کرتی رہی کہ یہ صرف اس کی غلط فہمی تھی حقیقتاً وہ ویسی کی ویسی ہی تھی مگر آخری سال وہ ان تبدیلیوں کو فراموش نہ کرسکی۔ کیونکہ اب ان کی تعداد میں بہت اضافہ ہو چکا تھا اُسے لگنے لگا تھا کہ وہ بالکل بدل چکی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ اس میں اس کا کوئی عمل دخل نہ تھا اس نے کبھی کوئی پلاننگ نہ کی تھی وہ تو اکثر خود کو ایک کٹھ پتلی کی طرح محسوس کرتی تھی جس کی ڈور کسی غائبی طاقت کے ہاتھ میں تھی اور وہ اسی کے اشاروں پر ناچ رہی تھی وہ طاقت جس سمت اس کو موڑتی وہ مڑ جاتی اب اس کے پیچھے کیا حکمت تھی وہ اس راز سے بالکل بے خبر تھی۔ کبھی کبھار وہ انہیں شاذ کی محبت کے نام سے موسوم کرتی مگر اگلے ہی لمحے وہ اس خیال اور سوچ کو غلط بھی قرار دے دیتی۔

جب کبھی اُسے اس قسم کی سوچ آتی وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی کافی دیر خود کو بغور دیکھتی رہتی اور آخر میں یہی کہتی۔

''کہاں تم اور کہاں وہ......شاذ کا خیال بھی دل میں مت لانا۔''

اتنا کہنے کے بعد خود ہی اپنی رائے کی تصدیق بھی کر دیتی۔

''فاریہ تم ٹھیک کہتی ہو کبھی زمین اور آسمان بھی ملے ہیں؟''

اس نے زندگی میں کبھی خوبصورتی کے بارے اتنا نہ سوچا تھا جتنا وہ اب سوچنے لگی تھی۔ وہ اکثر آئینے سے بھی سوال کرتی اور اپنے والدین اور بہن سے بھی کسی نے بھی اُسے بدصورت نہیں کہا تھا سب کے نزدیک وہ بہت حسین تھی۔ فروہ سے جب وہ اس قسم کا سوال کرتی تو وہ کہتی۔

''فاریہ تمہیں آخر احساس کمتری کس لیے ہے......؟ اونچی لمبی ہو۔ تیکھی ناک، خوبصورت بال آنکھیں اگرچہ چھوٹی ہیں لیکن بہت پرکشش، سمندر کی طرح گہری، رنگت بھی سفید ہے اور تمہیں کیا چاہیے......خوبصورتی کسے کہتے ہیں تم ہی مجھے بتاؤ۔ میری طرف دیکھی تمہاری نسبت قد بھی چھوٹا ہے۔ آنکھیں بھی تمہاری طرح چھوٹی ہیں رنگت بھی اتنی صاف نہیں مگر اس کے باوجود مجھے کوئی کمپلکس نہیں ایک تم ہو ہر وقت یہی رونا روتی رہتی ہو میں خوبصورت نہیں...... میں خوبصورت نہیں اگر تم خوبصورت نہیں تو پھر شاید کوئی بھی خوبصورت نہیں......تم اُن موڈ سکواڈ لڑکیوں کو دیکھتی ہو اور اپنا موازنہ اُن سے کرنے بیٹھ جاتی ہو اگر تم بھی ان کی طرح

فیشن ایبل بنو تو ہزار درجے حسین لگو گی۔"

"کیا واقعی!"

"ہاں۔"

"تو کیا میں ان کی طرح بن جاؤں۔"

"ابھی نہیں اپنا حسن سنبھال کر رکھو وقت آنے پر اسے نکھارنا۔"

"وہ وقت کب آئے گا۔"

"بہت جلد......"

پھر وہ خود سے سوال کرتی کیا وہ ان لڑکیوں کی وجہ سے ایسا سوچ رہی تھی کبھی کبھار اب اسے لگتا ہاں اور کبھی جواب ناں میں ہوتا تھا۔ جب وہ ماں کو میری پیاری بیٹی کہتا ہوا سنتی تو مسکرا دیتی۔ خون کے رشتے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں انسان کو بھی غیر جانبدار نہیں ہونے دیتے۔ اُسے کسی غیر جانبدار رائے کا انتظار تھا اور اکثر وہ اسی کی تلاش میں رہتی تھی۔

دونوں بہنیں کالج کے راستے پر تھیں کہ بارش شروع ہوگئی سڑک چونکہ زیر تعمیر تھی اس لیے بس نے انہیں کالج سے کافی پیچھے ڈراپ کر دیا تھا وہ پچھلے تین ماہ سے اسی طرح پیدل یہ سفر طے کر رہی تھیں آج انہیں یہ فاصلہ بہت زیادہ لگنے لگا تھا انہوں نے کوئی پناہ گاہ تلاش کرنے کی کوشش کی اور آخر کار انہیں ایک دوکان میں پناہ مل گی دوکاندار بوڑھا سا شخص تھا اس لیے فروہ نے بہن کو یہاں رُکنے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر تب تک تھوڑی بھیگ چکی تھیں۔ بارش کے تھمنے تک دونوں اسی دکان میں بیٹھی رہیں۔ دوکاندار کافی اچھا انسان تھا اس نے دونوں بہنوں کو دو کرسیاں مہیا کر دیں۔

"بیٹی تم لوگ بے خوف خطر اطمینان سے بیٹھو۔"

بارش تھمتے ہی دونوں کالج کی طرف روانہ ہوگئیں دونوں نے سر اور جسم کو دوپٹے سے اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا پھر وہ بہت زیادہ بھیگی بھی نہ تھیں اس کے باوجود فاریہ کو لگا کہ ہر کوئی اُسے تک رہا تھا۔ وہ حیران تھی اُسے جہاں حیرت تھی وہ ایسے لوگوں پر غصہ بھی آرہا تھا مگر وہ خاموش رہی جب وہ کالج میں پہنچیں تو ایک بار پھر فاریہ کو لگا کہ ہر لڑکی اُسے ہی دیکھ رہی تھی وہ حیران رہ گئی کیونکہ اب تک تو وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ ان راہ گیروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر لڑکی کو گھورتے ہیں مگر اب یہ کیوں ہو رہا تھا وہ فیصلہ نہ کر پائی۔ اُسے لگا اُسے سرخاب کے پر لگ گئے تھے جو سب اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔ کوری ڈور میں چلتے ہوئے اُس نے دو سٹوڈنٹس کو آپس میں

باتیں کرتے سنا وہ چونکہ ان کے پیچھے چلی آرہی تھی اس لیے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

"یار تم نے فاریہ کو دیکھا ہے کیا غضب ڈھا رہی ہے؟"

"یو آر رائٹ ایسا لگتا ہے کہ پری زمین پر اُتر آئی ہو۔ بھیگے ہوئے بالوں کی بکھری لٹیں اور بارش سے دُھلا چہرہ جی چاہتا ہے اُسے ہی دیکھتے رہیں۔"

"Both sisters are pretty"

(دونوں بہنیں ہی خوبصورت ہیں)

"یو آر رائٹ بٹ، فاریہ......"

دوسری نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

"لیکن فاریہ زیادہ atractive ہے۔ تم خود سوچو سمپل رہ کر اتنا حسن ہے تو میک اپ سے کیا غضب ڈھا سکتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو اگر ذرہ سا بھی سنگھار کر لے تو سب اسی پر مرمٹیں۔"

"کسی شاعر نے بھی شاید فاریہ ہی کے لیے کہا ہوگا۔

تیری سادگی میں اتنا حسن ہے تیرا سنگھار کیا ہوگا۔"

فاریہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ جب وہ دونوں اپنے رومز میں چلی گئیں تو وہ بھی تیز تیز ڈگ بھرتی کلاس اٹینڈ کرنے چل دی۔ سارا دن اس نے لڑکیوں کے کومنٹس سنے۔ کسی نے اس کے روبرو ستائشی جملے کہے تو کوئی اس کی عدم موجودگی میں اس کی تعریف کرتی رہی۔ مگر اس نے کسی نہ کسی طرح سب کی رائے سن لی تھی۔ کلاس میں بیٹھی وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔

"کیا میں واقعی خوبصورت ہوں؟ کیا امی، ابو اور فاریہ ٹھیک کہتے ہیں؟......اگر سب کی نظر میں مَیں حسین ہوں تو پھر یقیناً ایسا ہی ہوگا۔"

کالج میں اس کا دن بہت اچھا گزرا گھر لوٹی تو اپنی خوشی چھپانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہی۔ ماں نے بیٹی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے اس کا سبب پوچھا تو اس نے دل میں سوچا۔

"فروہ ٹھیک کہتی ہے مجھے اپنے احساسات و جذبات پر بالکل بھی کنٹرول نہیں جانے کیوں میرا چہرہ سب کچھ کیوں کہہ دیتا ہے۔"

اسے خاموش پا کر فضیلت بیگم نے ایک بار پھر خوشی کی وجہ دریافت کی تو بالآخر دل کی بات زبان تک آ ہی گئی۔

"امی آج کالج میں میرے حسن میں قصیدے پڑھے گئے ہیں۔ سب لڑکیوں نے میری تعریفوں کے پل باندھ دیے سب کی نظر میں میری سادگی میں حسن ہے۔"

فضیلت بیگم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس میں غلط ہی کیا ہے۔"

اس موقعہ پر فروہ کب خاموش رہنے والی تھی وہ تو بہن کی تعریف کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

"تم ہو ہی اتنی پیاری...... بس تمہیں ہماری تعریفوں پر اعتبار نہ تھا شکر ہے خدا کا تمہیں غیر جانبدار رائے مل گئی...... فاریہ اب تو مان لو میں جو بھی کہتی ہوں سچ ہی کہتی ہوں۔"

فاریہ سوچنے لگی۔

"واقعی فروہ کی ہر بات ہمیشہ سچی ثابت ہوتی ہے چاہے میری صلاحیتوں کے حوالے سے ہو یا میرے حسن کے بارے میں یا زندگی کے کسی بھی معاملے میں۔"

فروہ نے اس کی سوچوں کا تانا بانا توڑا۔

"تم میں بے شمار خوبیاں ہیں مگر تم اپنی صلاحیتوں سے بے خبر ہو۔ اس کا احساس تمہیں تب ہوگا۔ جب کوئی تمہاری تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گا...... اس وقت ایک بار پھر تمہیں کہنا پڑے گا فروہ سچ کہتی ہے...... ہمیشہ کی طرح سچ۔"

کچھ دن تو فاریہ اس سحر میں ڈوبی رہی مگر پھر احساس کمتری نے اُسے آن گھیرا۔ اب وہ اکثر ماضی کی کتاب کھول کر بیٹھ جاتی اور اس کا ہر صفحہ بڑے انہماک سے پڑھتی کہ شاید اُسے کوئی ایک ایسا ورق مل جائے جو اس کے خیال کو حقیقت ثابت کر دے مگر اُسے کوئی ثبوت میسر نہ آیا۔ وہ جتنا ماضی کی ورق گردانی کرتی اتنا ہی اسے اس بات کا یقین ہوتا چلا جاتا کہ وہ خوبصورت ہے۔ مگر وہ اس یقین کو سچ ماننے کی بجائے محض خیال کو ہی درست سمجھتی۔ تب اس کے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا۔

"کیا تم خود کو شاذ سے کمپیئر کرتی ہو۔"

مگر وہ فوراً اس کی نفی کر دیتی۔

"میں بھلا ایسا کیوں کرنے لگی؟ آخر میرا شاذ سے رشتہ ہی کیا ہے؟"

بی۔اے کے ایگزیمز قریب آ گئے تھے اور اس کی سوچوں کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ وہ جتنا ان سے پیچھا چھڑاتی وہ اتنا ہی اس کے سامنے آن کھڑی ہوتیں۔ آخر

اس نے یہ کہہ کر اُن سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی کہ اُسے خوابوں کے دھوکے میں سنہرے مستقبل کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے مگر پھر اسی وقت خیال آیا کہ وہ کس مستقبل کی بات کر رہی تھی۔ اس نے تو کبھی کسی فیوچر کے بارے پلاننگ نہ کی تھی اس لیے اپنی اس ترجیح کو بے تکا قرار دے دیا۔ وہ خود کو قائل کرنے کے لیے کئی دلیلیں دیتی رہی مگر کامیاب نہ ہو پائی۔ آخر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اُسے محنت کرنی تھی بغیر کسی ترجیح کے بنا کسی سوچ کے۔

اس نے ایگزیمز تک ہر سوچ ہر خیال کو دفن کرنے کا تہیہ کیا کیونکہ اس کا جی چاہنے لگا تھا کہ وہ نمایاں پوزیشن حاصل کرے یہ دھن اچانک ہی اس پر سوار ہو گئی تھی وہ کیوں ایسا کرنا چاہتی تھی اور کس لیے وہ بے خبر تھی۔

دونوں بہنوں نے دن رات خوب محنت کی اور یہ اسی کا ثمر تھا کہ فروہ نے بہت اچھے نمبر حاصل کیے اور وہ کالج میں نمایاں پوزیشن پر رہی۔ مگر اس کامیابی پر سوائے اس کے کسی کو بھی حیرت نہ ہوئی۔ گھر والوں کے علاوہ کالج فرینڈز اور اساتذہ نے ایک ہی طرح کے جملے ادا کیے تھے۔

"Faria, we were sure about your success."

(فاریہ ہم تمہاری کامیابی کے بارے میں یقین تھا)

سب کے تاثرات اُسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

How strange, everyone was sure except me?

(کتنی عجیب بات ہے کہ میرے علاوہ سب کو میری کامیابی کا یقین تھا)

رزلٹ دیکھتے ہی اس نے انگلش میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے میں جہاں اس کی خواہش شامل تھی وہاں والد کی تمنا اور اور خوشی کا بھی عمل دخل تھا۔ فروہ نے نفسیات کا انتخاب کیا۔ بی۔اے میں فروہ کا اس سبجیکٹ میں انٹرسٹ اتنا بڑھا کہ اس نے ایم۔ایس سی سائیکالوجی کا ارادہ کر لیا۔ فاریہ کی نسبت وہ منصوبے بھی بنایا کرتی تھی اور ارادے بھی اور پھر ان پر ہر صورت عمل درآمد بھی کرتی اس لیے مرتضٰی صاحب کے اختلاف کے باوجود اس نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ کیا۔

سکول اور کالج کی طرح دونوں بہنوں نے ایک بار پھر ایک ہی یورنیورسٹی کا انتخاب کیا۔ وہ سوچیں جنہیں فاریہ نے ایگزیمز کے پیش نظر مدفن کر دیا تھا امتحانات کے ختم ہوتے ہی آوارہ ہوئیں اس کے پاس فرصت کے بہت سے لمحات تھے اس لیے ان سے پیچھا چھڑانے کی بجائے انہیں سلف analysis کا اچھا موقعہ جانا۔

وہ زیادہ سے زیادہ ٹی۔وی سکرین کے سامنے براجمان ہونے کی کوشش کرتی، نیوز پیپر میں شوبز کا پیج نکال کر بیٹھ جاتی۔ بہن سے ستاروں کی باتیں کرنا چاہتی مگر ہر بار خود کو بے چین پاتی۔ ٹی۔وی، نیوز پیپر اور اداکاروں کے بارے باتوں میں اُس کو چارم نظر نہ آتا وہ بہن کے پاس تو بیٹھ جاتی مگر لب تھے کہ جنبش ہی نہ لیتے اور وہ بے پناہ کوشش کے باوجود زبان سے کچھ ادا نہ کر پاتی۔ جوں ہی وہ اس دنیا کے قریب جاتی خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوتی اُسے یوں محسوس ہوتا کہ اس دنیا میں ایک جادوگر کی حکومت تھی جو اُسے اپنے سحر سے ایسی صورت بنا دینا چاہتا تھا جو صرف اس کے اشاروں پر ناچے گی اگر وہ چند لمحے بھی ان کے پاس گزارتی تو خود کو تبدیل ہوتا محسوس کرنے لگتی۔ اُسے اپنے گرد جادوگر کا دائرہ تنگ ہوتا نظر آنے لگتا۔ وہ کانپ جاتی اور گھبرا کر وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوتی۔

اُسے جہاں خود پر حیرت ہوتی وہاں بہن کا رویہ بھی اُسے سوچنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ فروہ جو اس کی ذرا سی گھبراہٹ دیکھ کر سوالات کی یلغار کر دیتی تھی ٹس سے مس نہ ہوتی اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی اپنی اس تبدیلی کو بہن سے شیئر نہ کر پاتی۔

کتابیں جو ہمیشہ اس کے لیے بوریت اور اکتاہٹ کا باعث رہی تھیں ان کی طرف اس کی رغبت بڑھ گئی تھی۔ جب بھی وہ ان کی طرف دیکھتی اسے ان کے آس پاس ایک امید، ایک آرزو، خواہش اور اس کی تکمیل، جگنو اور ستاروں کی مانند جگمگاتی دیکھائی دینے لگتی۔ یہ ننھے ننھے سے ٹمٹماتے جگنو اس کو اپنی طرف بلاتے اور وہ بھاگی بھاگی ان کی طرف چلی آتی اور کتاب کو ہاتھ میں پکڑ کر سوال کرتی۔

”مجھے اپنا نام بتاؤ۔ کس امید کے جگنو ہو؟ کس خواہش کی تکمیل کے ستارے ہو؟ مجھے اپنا نام بتاؤ...... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“

آرزو کے یہ ستارے مسکراتے ہوئے بولے۔

”وقت کے ساتھ خود جان لوگی۔ ہم سے نہیں بلکہ خود سے یہ سوال کرو تو بہتر ہوگا۔“

وہ خود کو بہت ٹٹولنے کی کوشش کرتی مگر اس کے سوا کچھ نہ جان پاتی کہ وہ تو ان کتابوں کو وسیلہ علم سمجھتی تھی۔ مگر یہ دلیل اُسے مطمئن نہ کر پاتی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر سب ہی ان ننھے منے ستاروں کو دیکھ پاتے جبکہ اُس نے آج تک کسی کی زبانی ان کی موجودگی کا تذکرہ نہ سنا تھا۔

”اگر یہ صرف مجھے ہی دیکھائی دیتے ہیں تو مجھ سے واسطہ کوئی میسج ان کی پیدائش کا

مسجد تو ہوگا، آخر وہ کیا ہے؟“

وہ خود سے سوال کرتی مگر جواب نہ بن پاتا۔ اگر بھولے بھٹکے سے شاذ کا خیال بھی آ جاتا تو فوراً یہ کہہ کر نظرانداز کر دیتی۔

”بھلا ایسا کیوں ہوگا......؟ میں اس کی خواہش کیوں کرنے لگی؟ میں اپنی حقیقت سے آگاہ ہوں میں جانتی ہوں وہ ایک سلیبرٹی ہے اور میں ایک عام انسان۔“

سلف analysis میں اُس نے اپنی شخصیت کا ایک نیا روپ بھی دیکھا تھا وہ بہت عاجز ہو گئی تھی مغرور تو وہ کبھی نہ تھی مگر اب عاجزی بہت زیادہ آ گئی تھی۔ کسی سے لڑنا تو درکنار وہ تو اونچی آواز میں بھی بات نہ کرتی تھی۔ والدین کے ساتھ جو پہلے تھوڑی بہت کھٹ پٹ ہو جاتی تھی اب وہ قصہ ماضی بن گئی تھی۔ کسی کو بھی تکلیف دینے سے ڈرنے لگی تھی۔ فروہ نے اس کی شخصیت کی ہر تبدیلی کی طرح اس پر بھی تعجب کا اظہار نہ کیا تھا مگر اتنا ضرور کہا تھا۔

”فاریہ انسان کو اتنا humble بھی نہیں ہونا چاہیے۔“

فاریہ بہن کو مطمئن کرنے کو صرف یہ کہہ پائی تھی۔

”میں خود ایسا نہیں بننا چاہتی مگر بنتی جا رہی ہوں ...... جانے کیوں مجھے کسی کی دل آزاری سے ڈر لگنے لگا ہے۔“

چھٹیوں کے ایام میں اس نے جائے نماز پر اپنے طویل قیام کو بھی نوٹ کیا۔ وہ نماز ادا کرنے کے بعد پہلے کی طرح مختصر دعا کے بعد اُٹھنا چاہتی مگر ایسا نہ کر پاتی۔ اس کے ہاتھ خود بخود رب کے حضور اُٹھ جاتے اور وہ اس ذات باری تعالیٰ سے فریاد کرنے لگتی۔

اس نے اس فریاد اور التجا کو سننا چاہا مگر نہ تو لب ہلے اور نہ ہی اس کے کانوں میں کوئی آواز پڑی۔ ہاتھ ہوا میں ہی معلق تھے کہ اس نے ایک نظر خود پر ڈالی اور پھر پہلی والی پوزیشن میں آ گئی تھی۔

اس تبدیلی کو نوٹس کرنے کے بعد اس نے اپنے ماضی میں نظر دوڑائی تا کہ اس کے رونما ہونے کا سن یاد کر سکے تو اُسے پتہ چلا کہ ایسا وہ میٹرک کے رزلٹ کے بعد سے کرتی آ رہی تھی وہ کافی کافی دیر ہر نماز کے بعد جائے نماز پر بیٹھی رہتی تھی مگر رب سے کیا مانگتی تھی اُسے علم نہ تھا۔ وہ یہ بھی جان پائی کہ کسی کی غیر موجودگی میں یہ قیام بہت طویل ہوتا تھا۔ مگر اگر والدین یا فروہ میں سے کوئی آ جاتا تو وہ فوراً ہی جائے نماز فولڈ کر دیتی تھی۔ مگر اس کی کوشش کے باوجود کئی بار فروہ نے اُسے ہاتھ پھیلائے دیکھا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی اور اپنے علاوہ اس نے فروہ کو بھی

رب سے کچھ مانگتے دیکھا تھا اکثر جب رات گئے اس کی آنکھ کھلتی تو وہ بہن کو رب سے خاموش زبان میں کچھ فریاد کرتے پاتی تھی۔ اس نے کئی بار پوچھنا چاہا مگر فروہ نے حسب عادت اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ

"وقت آنے پر سب بتا دوں گی۔"

وہ اس وقت کا شدت سے انتظار کرنے لگی تھی جب فروہ اُس پر اپنے سارے راز افشاں کرے گی۔

☆

ارسہ اور فاریہ بیٹھیں ڈرامے کی اسائنمنٹ ڈسکس کر رہی تھیں کلاس میں اس وقت ان کے علاوہ کوئی نہ تھا کسی سٹوڈنٹ نے بھی میڈم آسما کے انتظار میں بیٹھنا گوارا نہ کیا تھا سب ہی جانتے تھے کہ میم نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ لنگ وسٹک ایک مشکل سبجیکٹ تھا کبھی بھی اپنی ذمہ داری نبھانے کا نہ سوچا تھا۔ اُنہیں نہ تو سٹوڈنٹس کی پریشانی کی پرواہ تھی اور نہ رزلٹ کی فکر یونیورسٹی میں موجود ہونے کے باوجود وہ کلاس کا رخ نہ کرتی تھیں۔ اس لیے سب یہ پریڈ تو گراؤنڈ میں گزارتے تھے یا کنٹین میں۔ جبکہ ارسہ اور فاریہ کے لیے یہ دونوں جگہیں کچھ زیادہ پسندیدہ واقع نہ ہوئیں تھیں اس لیے وہ اپنا وقت کلاس روم میں ہی پاس کرتی تھیں۔

ڈسکشن کے دوران ہی ارسہ کی نظر کلائی پر باندھی گھڑی پر پڑی۔

"فاریہ پریڈ اوور ہو چکا ہے I think we should leave now"

(میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔)

"ٹھیک ہے ویسے بھی ہمارا کام بھی مکمل ہو چکا ہے۔"

دونوں نے بکس سمیٹیں مگر ابھی فاریہ کرسی پر ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ سناٹا گونج اُٹھا۔ کمرے میں نعیم اور اس کا گروپ آوارد ہوا تھا۔ یہاں ہر ایک کا کوئی نہ کوئی گروپ تھا اور ہر گروہ میں تین لڑکیاں اور دو تین لڑکے ہوتے تھے۔ بس ارسہ اور فاریہ کے گروپ میں ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہ شامل ہو پایا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی نعیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارسہ کبھی آپ لوگ بھی اس روم سے نکل آیا کریں۔"

اس کی بات مکمل ہوئی ہی تھی کہ ارسہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دراصل ہمارے پاس فضولیات کے لیے وقت نہیں ہوتا۔"

نعیم نے کہا۔

"آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک سمجھے مگر ایسا ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔"

سب ارسہ کی بات سن کر مسکرانے لگے سبھی اس کا بہت احترام کرتے تھے وہ یونیورسٹی کی لائق سٹوڈنٹ تھی اس کی باتوں کا بُرا ماننے کا کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا اس لیے ماتھے شکن آلودہ کرنے کی بجائے بولے۔

"You are right"

فاریہ خاموشی سے ان کی گفتگو سنتی رہی اس نے دونوں پارٹیوں میں سے کسی کی بھی طرفداری نہ کی۔ حالانکہ ارسہ اس کی اچھی دوست تھی اور دونوں کے مزاج بھی ایک سے تھے اسی وجہ سے ان کی دوستی بھی پروان چڑھی تھی مگر وہ ارسہ کی طرح کسی کے معاملات میں دلچسپی نہ لیتی تھی جبکہ ارسہ کو جو بات بھی بُری لگتی وہ فٹ کہہ دیتی فاریہ یونیورسٹی میں ایک اجنبی کی طرح وقت گزارتی تھی اُسے کسی سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا اسے اپنے اردگرد چلتے پھرتے لوگ تو جیسے نظر ہی نہ آتے تھے وہ ہجوم میں رہ کر بھی خود کو تنہا ہی محسوس کرتی تھی۔ مگر وہ بیگانوں کا سا رویہ ارسہ کے ساتھ نہ روا رکھتی۔ اس کے ساتھ یوں بات چیت کرتی کہ کوئی گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ کسی سے بیگانی بھی ہو سکتی تھی۔ مگر ارسہ کے ساتھ بھی وہ ہمیشہ پڑھائی کے متعلق ہی بات کرتی تھی دونوں میں کسی اور معاملے پر بہت کم گفتگو ہوتی تھی۔

فاریہ نظریں کتاب پر جمائے اس بات کی منتظر تھی کہ اب ارسہ اُسے چلنے کا کہے۔ نعیم اور اس کا گروپ اپنی اپنی کتابیں اُٹھائے جا چکے تھے ارسہ نے ان کے جاتے ہی فاریہ سے چلنے کا کہا اور پھر دونوں کلاس روم سے نکل آئیں۔ وہ گیٹ کی طرف جا رہی تھیں کہ ارسہ کی نظر گراؤنڈ میں بیٹھے اپنی کلاس کے مختلف گروپوں پر پڑی۔ ان میں نعیم کا گروپ بھی شامل تھا۔ ان کو دیکھتے ہی ارسہ کو غصہ آ گیا اور وہ ناگواری سے بولی۔

"مجھے ان لڑکیوں پر بہت غصہ آتا ہے جو اپنا وقت اور والدین کا پیسہ برباد کرتی ہیں۔ یونیورسٹی ٹائمنگ ختم ہو چکی ہے انہیں اپنے اپنے گھروں کو جانا چاہیے۔ مگر یہاں بیٹھیں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گپیں ہانک رہی ہیں...... جانے کیوں انہیں سمجھ نہیں آتی نہ تو ان کے فرینڈز ان سے شادیاں کریں گے اور نہ ہی ان لڑکیوں کے والدین ہی اپنی بیٹیوں کو ان کے ساتھ بیاہنے پر رضامند ہوں گے خواہ مخواہ میں زندگیاں برباد کر لیں گئیں۔"

فاریہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی اس سے کوسوں دور جا چکی تھی اس نے ارسہ کی

کوئی بات نہ سنی تھی۔ جب سے وہ یونیورسٹی آئی تھی صرف کلاس روم کے اندر ہی خود کو ارسہ کے ساتھ پاتی تھی وہاں سے نکلتے ہی وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو کسی کے ساتھ نہ رکھ پاتی۔ اور وہ بالکل مختلف فاریہ بن جاتی تھی۔ ارسہ نے اس بات کو کبھی نوٹ نہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ یہی سمجھتی تھی کہ فاریہ اب بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ چلتے چلتے ارسہ نے فاریہ کی رائے جاننے کو پوچھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟''

وہ اس سوال پر چونک گئی۔

''کیا؟''

ارسہ کو پہلے ہی بہت غصہ آ رہا تھا اس لفظ نے اسے مزید آگ بگولہ کر دیا اور وہ ٹپٹا کر بولی۔

''فاریہ تم کہاں کھوئی ہوئی تھی؟''

''کہیں بھی نہیں۔''

''تو پھر اس سوال کا مطلب......''

فاریہ نے انداز سے کہا۔

''ہمیں کسی سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔''

فاریہ نے تو تیر ہوا میں چلایا تھا مگر وہ نشانے پر جا لگا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو مگر جانے کیوں مجھے ایسی لڑکیوں پر غصہ آتا ہے۔''

''چھوڑو ہر انسان خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے۔''

نعیم کی اچانک جو نظر دور جاتی ارسہ اور فاریہ پر پڑی تو بولا۔

''جانے ان دونوں میں دوستی کیسے ہو پائی......؟ ارسہ منہ پھٹ کھری کھری سنانے والی جبکہ فاریہ خاموش طبع اِردگرد سے بیگانی اپنی ہی دنیا میں رہنے والی......کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے فاریہ کسی کو دل و جان سے چاہتی ہے۔''

عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کم از کم تمہیں تو نہیں۔''

سب خوب کھلکھلا کر ہنسے۔

''عائشہ میں وہ خوش قسمت نہیں ہو سکتا مگر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔''

عائشہ نے اردگرد نظر دوڑائی۔

''یہاں تو کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا۔''

نعیم نے پھر اس کی بات کی تصدیق کی۔

"You are right"

وقار نے اس بحث کو ختم کرنے کو کہا۔

''You are wrong......فاریہ بہت شریف، باحیا اور شرمیلی لڑکی ہے۔''

عائشہ نے وقار کی دلیل کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا شریف اور شرمیلی لڑکیوں کو محبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔''

"Ayesha, I mean to say studies is more important for her than love."

(عائشہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پڑھائی کو محبت پر ترجیح دیتی ہے۔)

نعیم جو خاموش تھا بولا۔

''وقار تم غلط کہتے ہو......No doubt فاریہ غیر ذمہ دار سٹوڈنٹ نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس جیسے انسان ہی محبت کرنا جانتے ہیں۔''

We are empty vessel who make much noise

(ہم جیسے تھوتھے چنے باجے گھنے)

لیکن فاریہ جیسے خاموش رہ کر محبت کا حق ادا کرتے ہیں۔

وقار اس بات کو ماننے کو تیار نہ تھا مگر اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ نعیم سچا تھا۔

"Who is he"

I don't know but he will not be an ordinary man like her.

(میں نہیں جانتا لیکن وہ فاریہ کی طرح کوئی عام انسان نہیں ہوگا)

عائشہ نے اب محسوس کرنا شروع کر دیا کہ یہ بحث لمبی ہوتی جا رہی تھی اس لیے اسے ختم کرنے کو بولی۔

"No more discussion becasuse it's non of our business"

''مزید بحث نہیں کیونکہ ہمارا مسئلہ نہیں۔''

وقار اور نعیم خوب کھلکھلا کر ہنسے۔

"You are gelous of her"

اس بات پر اُسے غصہ آ گیا اس نے منہ دوسری جانب موڑ لیا۔ وقار اور نعیم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ اس سے معافی مانگنے لگے۔

☆

فاریہ کلاس روم میں بیٹھی بار بار گھڑی کو دیکھ رہی تھی پریڈ سٹارٹ ہونے کو تھا مگر اُسے ابھی تک اپنی دوست کی کوئی خبر نہ تھی۔ ہر گزرتا منٹ اُسے عجیب و غریب وسوسوں کا شکار کر رہا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ تو یونیورسٹی میں موجود ہو اور ارسہ غیر حاضر ہو۔ اگر کبھی اس کا ایسا کوئی ارادہ ہوتا بھی تو وہ ایک روز قبل ہی فاریہ کو آگاہ کر دیتی یا اگر کبھی ایمرجنسی میں اُسے یونیورسٹی سے چھٹی کرنا ہوتی تو وہ فون پر اُسے مطلع کر دیتی۔ جوں ہی گھڑی نے آٹھ پانچ بجائے اس کی آخر امید بھی دم توڑ گئی۔ اُسے اتنا تو یقین ہو گیا تھا کہ ارسہ اب نہیں آئے گی کیونکہ وہ ٹائم کی بہت پابند تھی مگر وہ دوست کی خیریت کے لیے دُعا گو ضرور تھی۔ فاریہ کو گم سم پا کر نعیم نے اپنے دائیں جانب بچھی کرسی پر بیٹھی عائشہ سے کہا۔

"Today Faria is alone"

(آج فاریہ اکیلی ہے)

"تو......"

"تو کیا ہاں ہمیں اُسے کمپنی دینا چاہیے

"After all she is our classfellow

(آخر کار وہ ہماری کلاس فیلو ہے)

"She does not need our company"

(اُسے ہماری کمپنی کی ضرورت نہیں)

"Even then we should, at least, offer"

(تب بھی ہمیں کم از کم آفر تو کرنی چاہیے)

"میں پوچھوں گی۔"

عائشہ نے استفسار کا ارادہ کر لیا مگر اس کے عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی لیکچرار روم میں آ گئیں۔ اُنہیں دیکھتے ہی اس نے پریڈ آور ہونے تک ارادہ ملتوی کر دیا۔ پھر جوں ہی

ڈرامے کی کلاس ختم ہوئی وہ فاریہ کے پاس چلی آئی۔

"فاریہ تم اکیلی ہو۔"

"نہیں تو......"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میرے کہنے کا مطلب ہے اتنے سارے لوگ جو موجود ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ارسہ کی کمی تو محسوس ہو رہی ہو گی ...... اگر تم چاہو تو آج کا دن ہمارے ساتھ گزار سکتی ہو۔"

"تھینکس"

"تم تنہا ہو۔"

"لیکن میں ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان نہ ہو۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

عائشہ مسکراتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئی نعیم کے سوال و جواب سے پیشتر ہی اس نے کہا۔

"اُسے کسی کی کمپنی کی ضرورت نہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

نعیم نے ایک نظر فاریہ پر ڈالی اور پھر وقار سے محو گفتگو ہو گیا۔

فاریہ ارسہ کی غیر موجودگی میں وقت کاٹنے کے لیے کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ مگر شاذ کا تصور بار بار اُسے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ اُس نے کئی بار ذہن جھٹکا مگر ہر بار وہ زیادہ شدت سے اسے گھیر لیتا تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر آشکبار ہو گئی وہ یوں ہی گم سم نم آنکھیں لیے بیٹھی تھی کہ فروہ وہاں چلی آئی۔ فروہ اکثر ہی اس سے ملنے چلی آیا کرتی تھی جبکہ اس نے کبھی سائیکالوجی بلاک کا رخ نہ کیا تھا۔ بہن کو جو اس حالت میں دیکھا تو آنسوؤں کی بابت دریافت کرنے کی بجائے فروہ نے ارسہ کے بارے پوچھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس کے اشکوں سے بے خبر تھی۔ جوں ہی فروہ نے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اس نے جلدی سے گال پونچھ ڈالے۔

"فاریہ ارسہ نہیں آئی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کوئی ایمرجنسی ہوگی۔"

"میں گھر جارہی ہو تم بھی چلنا چاہو گی۔"

"فی الوقت تو نہیں۔"

"میں فری ہوں اس لیے سوچا گھر ہی چلی جاؤں۔"

"تم جاؤ مجھے ابھی پریڈ لینے ہیں۔"

"او۔ کے پھر اللہ حافظ"

"اللہ حافظ"

بہن کے جاتے ہی فاریہ الرٹ ہوگئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کی برستی آنکھیں دکھائی دیں۔ وہ سوالیہ نظروں سے بچنا چاہتی تھی۔

یونیورسٹی ٹائمنگ ختم ہوئی تو وہ پوائنٹ کے لیے شاپ پر چلی آئی۔ پہلی بار اس نے یونیورسٹی پوائنٹ سے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ارسہ کو چونکہ پوائنٹ سے جانا پسند نہ تھا اس لیے وہ بھی اس کے ساتھ لوکل ہی سفر کرتی تھی۔ وہ پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی کہ نعیم اور وقار بھی وہاں چلے آئے مگر وہ ان کی موجودگی سے بے خبر تھی نعیم نے اُسے گم سم دیکھا تو وقار کی توجہ اس کی جانب مبذول کروائی۔

"اب تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔"

"میں کیسے مان لوں؟"

وقار کے سوال پر نعیم نے اس کی توجہ فاریہ کی آنکھوں کی طرف دلوائی۔

"وقار فاریہ کی متلاشی نظروں پر غور کرو۔"

وقار نے ابھی مشاہدہ شروع ہی کیا تھا کہ اسی اثناء میں پوائنٹ آگیا اور وہ سوار ہو گے۔ فاریہ سیٹ پر براجمان یوں بیٹھی تھی جیسے کسی کو روبرو پاتی ہو۔ وقار نے جو یہ نوٹ کیا تو بولا۔

"You are right Naeem, She is in love with someone. But you have to accept her love is not an ordinary love."

(نعیم تم ٹھیک کہتے ہو وہ کسی سے محبت کرتی ہے مگر تمہیں ماننا پڑے گا کہ اس کی محبت کوئی عام محبت نہیں)

فاریہ کے کانوں میں جو وقار کے جملے پڑے تو وہ محتاط انداز میں بیٹھ گئی۔ نعیم نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"Who is the lucky man"

(وہ کون خوش قسمت انسان ہے؟)

"You are not, my friend"

(میرے دوست تم نہیں)

گھر پہنچ کر بھی نعیم اور وقار کی باتیں اسے یاد آتی رہی۔ وہ عجیب سی اُلجھن کا شکار اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ فضیلت بیگم وہاں آگئیں۔

"فاریہ ارسہ کا فون آیا ہے۔"

"ارسہ......"

فاریہ کو اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ اس کے دل میں شاذ بس چکا تھا مگر وہ اپنے اس جذبے کو شعوری طور پر قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔ وہ دن رات شاذ کے تصور سے پیچھا چھڑانے کا جتن کر رہی تھی۔ رات کو اکثر جب اس کی آنکھ کھل جاتی تو وہ آنکھیں بند کیے سونے کی تگ ودو میں لگ جاتی مگر آخر ناکام ہو جاتی وہ کمرے میں رہ کر بہن کی نیند خراب نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے آہستہ سے بستر سے نکلتی اور دبے قدموں کے ساتھ صحن میں چلی آتی۔ مگر یہاں بھی اُسے سکون نہ ملتا۔ بلکہ یہاں پھیلی خاموشی، تنہائی، اندھیرا اور سرسراتی ہوا اُسے مجبور کرتی کہ وہ دل کی آواز سنے مگر وہ اس صدا کو دبانے کی سعی میں لگ جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ایک بار دل کی سنی تو ساری عمر کا روگ لگا بیٹھے گی۔ شاذ ایک سٹار تھا اونچے آسمان پر جگمگانے والا سٹار۔ جسے جھولی میں بھرنا تو درکنار وہ تو اُسے چھو تک نہ سکتی تھی۔ وہ خود کو ہزاروں دلیلیں دیتی مگر اس کا دل کسی بھی دلیل کو ماننے کو تیار نہ تھا تب وہ بے بس ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتیں۔

اگر کبھی وہ بھولے سے ٹی۔ وی کے سامنے بیٹھ جاتی تو اسی لمحے شاذ کا کوئی نہ کوئی سانگ آن ایئر ہو جاتا۔ چھ سالوں نے اسے بہت مشہور سنگر بنا دیا تھا اس لیے ٹی۔ وی پر وہ بہت دکھائی دینے لگا تھا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر خود کو یہ احساس دلانے کی کوشش کرتی کہ اُسے شاذ کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا وہ اس کے لیے دوسرے انسانوں کی طرح ایک عام سا انسان تھا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں اُسے اپنا یقین متزلزل ہوتا نظر آنے لگتا۔ اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوتی۔

کبھی جو وہ ارسہ کے ساتھ لائبریری کا رخ کرتی تو پہلی نظر اخبار پر ہی پڑتی اور وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکتی دل میں خواہش بیدار ہوتی کہ کہیں شاذ نظر آ جائے اور پھر دل کی مراد بھر آتی۔ اخبار کھولتے ہی اس کی نظر شاذ اور اس سے متعلق خبروں پر پڑتی۔ وہ شعوری طور پر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر نظریں شاذ کی تصویر کو پیار سے دیکھنے لگتیں اسے اس کی آنکھوں میں ایک مقناطیسی قوت نظر آتی تھی جو اُسے اپنی طرف کھینچتی تھی وہ جلدی سے اخبار بند کر دیتی مگر شاذ کی نظریں تب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتی تو وہ پاگلوں کی طرح وہاں سے بھاگ کھڑی ہوتی۔

ارسہ اکثر اس سے اس کے یوں اچانک چلے آنے کی بابت دریافت کرتی تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی کبھی کہتی میں بیگ بھول گئی تھی اُسے دیکھنے چلی آئی اور کبھی یہ کہہ کر اُسے ٹالنے کی کوشش کرتی کہ میرے نوٹس عائشہ کے پاس تھے خیال آیا کہیں وہ چلی نہ جائے اس سے لے لوں۔

کلاس روم سے گھر تک کا سفر اس کے لیے طے کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ لیکچر روم سے نکلتے ہی اُسے کوئی نہ کوئی ایسا ضرور مل جاتا تھا جو شاذ کے بارے بات کر رہا ہوتا تھا۔ شاذ کے بارے سنتے ہی اس کا دل بے قرار ہو جاتا تھا۔ بس میں تو تقریباً روزانہ ہی شاذ کا ٹریک چلتا تھا اس کا جی چاہتا کہ وہ کانوں میں روئی ٹھونس لے تا کہ اُسے کچھ سنائی نہ دے مگر وہ ایسا بھی نہ کر سکتی تھی۔ گھر میں وہ قدم رکھتے ہی خدا کا شکر ادا کرتی مگر مرتضٰی صاحب بھی اکثر شاذ کے بارے کوئی نہ کوئی بات کر دیتے تھے۔ اگر وہ نہ کرتے تو فروہ تذکرہ کر دیتی۔

اس نے کئی بار یہ مشاہدہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی کہ یہ سب جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا یہ اس کی سوچ کا اثر تھا کہ اس میں کچھ حقیقت بھی تھی ہر بار اُسے یہ حقیقی ہی دیکھائی دیتا تھا۔ کلاس روم واحد جگہ بچی تھی جہاں وہ خود کو پر سکون پاتی تھی مگر یہاں بیٹھے ہوئے بھی اکثر اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں ارسہ بھی شاذ کے متعلق گفتگو نہ چھیڑ دے۔ ارسہ اپنے بھانجے کی معصومانہ حرکات سنا کر فاریہ کو ہنسا رہی تھی۔

''فاریہ کل میں نے اذان سے پوچھا...... اذان میں آپ کی کیا ہوں؟ تو بولا۔ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے کہا اگر میں آپ کی کچھ بھی نہیں تو میرے سے پیسے کیوں لیتے ہو......؟ تو بولا...... کیونکہ میں نے گن خریدنا ہے۔''

فاریہ خوب کھکھلا کے ہنس دی۔ اسی لمحے فروہ بھی وہاں آ گئی۔ بہن کو ہنستا دیکھ کر بولی۔

''ارسہ آخر تم نے ایسا کونسا لطیفہ سنا دیا جو اس کے منہ پر بھی ہنسی نظر آئی۔''

فروہ اب ان کے قریب آ گئی اور کرسی پر براجمان ہو کر دوبارہ اپنی گفتگو کا سلسلہ چھیڑا۔

''گھر میں تو یہ کبھی ہنستی نہیں جب دیکھو اس کے منہ پر بارہ بجے رہتے ہیں۔''

''کیا واقعی؟''

''تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں......''

''میں نے یہ تو نہیں کہا مگر یہ سن کر حیرت ضرور ہوئی ہے کیونکہ یونیورسٹی کے تقریباً دو سالوں میں مَیں نے کبھی بھی فاریہ کو ایسا نہیں پایا۔''

''مجھے یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے اس کی شخصیت تو پچھلے چھ سالوں سے بدل رہی ہے...... اب تو پہلے والی فاریہ رہی ہی نہیں۔''

''کیسی تھی یہ؟''

''ہنسنے ہنسانے والی...... لاپرواہ...... غیر ذمہ دار اور......''

''بس بھائی بس...... میرے سامنے میری دوست کی برائیاں نہ کرو۔''

''میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔''

ارسہ نے سوالیہ نظروں سے فاریہ کو دیکھا مگر اس کے پاس ارسہ کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ فروہ نے صورت حالت کے پیش نظر موضوع بدل ڈالا۔

''اس بحث کو چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ گانے وانے سنتی ہو یا نہیں۔''

''Songs...... مجھے کچھ خاص پسند نہیں۔''

''کوئی فیورٹ سنگر......''

''شاذ...... He is reasonable''

شاذ کا نام سنتے ہی فاریہ کا رنگ فق ہو گیا۔ پھر ارسہ نے کیا کہا اُسے کچھ سنائی ہی نہ دیا۔

☆

دونوں بہنیں ارسہ کے گھر موجود تھیں وہ اکثر ہی وہاں جایا کرتی تھیں ارسہ کا بھی ان کے یہاں کافی آنا جانا تھا گو ان کے گھروں میں بیس پچیس منٹ کی مسافت تھی مگر اس کے باوجود وہ اکثر ایک دوسرے کے یہاں چکر لگا لیا کرتی تھیں البتہ ارسہ کی آمد ورفت ان کی نسبت زیادہ تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں محو گفتگو تھیں کہ ارسہ کی والدہ چائے اور لوازمات لیے وہاں چلی آئیں۔ ان کی ارسہ سے جتنی فرینکنس تھی اِسی قدر اس کی والدہ سے بے تکلفی بھی تھی۔ وہ دل کی بات بنا کسی ہچکچاہٹ کے کہہ دیا کرتی تھیں فاریہ نے تو ایسا بہت کم ہی کہا تھا البتہ فروہ بے دھڑک ہر بات کہتی تھی اس لیے جب ارسہ کی والدہ نے رزلٹ کے بعد کے پلان

کے بارے دریافت کیا تو فروہ نے بلاخوف وخطر تفصیل بیان کر دی۔

"آنٹی میں انٹرن شپ کروں گی اور اس کے بعد یا تو اپنا کلینک کھولوں گی یا کسی پرائیویٹ کلینک میں کام کروں گی البتہ فاریہ سٹڈی کنٹی نیو رکھے گی اس کے جاب کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں کیونکہ میں اسے کوئی بھی معمولی جاب نہیں کرنے دونگی۔"

"بیٹی جتنا پڑھ لیا کافی ہے ہمیں تم لوگوں کی کمائی سے کوئی لینا دینا نہیں ہم تو بس اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔"

"کیسا فرض؟"

"تم لوگوں کی شادیوں کا......"

"آنٹی پانچ سال تک تو ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"مگر کیوں بیٹی؟"

"وجہ تو میں وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

"بُری بات......ایسی باتیں نہیں کرتے والدین کا دل دُکھتا ہے۔"

"آنٹی اس میں دُکھی ہونے والی بھلا کیا بات ہے......ہم شادی ہی سے انکار کر رہے ہیں خدانخواستہ......" وہ خاموش ہوگئی۔

"بیٹی ابھی آپ چھوٹی ہو ان باتوں کو نہیں سمجھ پاؤ گی۔"

"آنٹی اب اتنی بھی بچیاں نہیں آپ ریزن تو بتائیں۔"

فاریہ نے بہن کو گھورا تو فروہ کو اندازہ ہوگیا کہ اسے اس کا یوں آنٹی کے ساتھ بحث کرنا پسند نہ آیا تھا۔ مگر فروہ نے اس کی پرواہ نہ کی وہ سچی اور صحیح بات کہنے پر کبھی شرم یا پشیمان نہ ہوتی تھی اور نہ ہی کسی کے ڈر خوف سے اپنے موقف سے ہٹتی تھی اس ہلیے اس نے بہن کی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے بحث دوبارہ شروع کرنا چاہی مگر اسی لمحے ارسہ کی کزن ناز آگئی اور ارسہ کی والدہ کچن کی طرف چلی آئیں۔

کافی دیر آپس میں باتیں ہوتی رہیں اس دوران ناز مسلسل فاریہ کو دیکھتی رہی اور جب محفل اجڑنے کا وقت آن پہنچا تو ناز بولی۔

"فاریہ آپ بہت خوبصورت ہو......آپ کی آنکھوں میں معصومیت اور حیا ہے ایک عجیب سی مقناطیسی کشش کہ انسان خود بخود ان کی طرف کھینچا چلا آتا ہے......"

پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"یونیورسٹی میں تو آپ کے بہت سے دیوانے ہونگے۔"

ارسہ نے فوراً اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

"کوئی بھی نہیں کیونکہ یہ کسی کو منہ نہیں لگاتی......آج کل دیوانے بھی اُنہی کے ہوتے ہیں جن کے پاس وقت ہوتا ہے جبکہ فاریہ کے پاس اس قسم کی فضولیات کے لیے ٹائم نہیں ہوتا۔"

"ارسہ مان لیا کہ یہ کسی کو لفٹ نہیں کرواتی مگر پھر بھی کوئی ایک تو ایسا ضرور ہوگا جو ان کی بیگانگی پر ہی فدا ہو...... جسے وقت سے نہیں ان کی آنکھوں سے الفت ہو۔"

فاریہ یہ سن کر عجیب سی گھبراہٹ کا شکار ہوگئی تھی اُسے محسوس ہوا کہ وہ کسی کی امانت میں خیانت کر رہی تھی وہ کسی کے بھی دل میں جگہ نہ چاہتی تھی کسی کی زبان سے اپنا نام سننے کی اُسے کوئی تمنا نہ تھی۔ ناز کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا اب وہ سیدھے اور صاف لفظوں میں تو اس کا ذکر نہ کر سکتی تھی اس لیے انڈر یکٹلی ہی اپنی اُلجھن بیان کر دی۔

"ایسی کوئی بات نہیں آپ کچھ زیادہ ہی تعریف کر رہی ہیں...... میں تو بہت عام سی لڑکی ہوں ویسے بھی آج کل ماڈرن لوگوں کا دور ہے میرے جیسی سیدھی سادھی لڑکی کو بھلا کوئی کیوں چاہے گا۔"

اسی اثناء میں ارسہ کا بھائی ڈرائنگ روم میں چلا آیا صرف ارسہ ہی نہیں سارے گھر والے فاریہ اور فروہ سے بہت محبت کرتے تھے اور بے تکلف بھی تھے اس لیے وہ بے دھڑک ہی وہاں چلا آیا تھا اور اندر داخل ہوتے ہی بولا۔

"آپی آپ خوبصورت ہیں...... یہ الگ بات ہے کہ آپ سچ کو تسلیم نہ کر کے عاجزی و انکساری کا ثبوت دے رہی ہیں۔"

ارسہ نے اس بحث کو ختم کرنے کو بات ہنسی میں اڑا دی۔

"فاریہ ان کی باتوں میں مت آنا یہ تمہیں اُلو بنا رہے ہیں۔"

"آپی آپ کیوں جیلس ہوتی ہیں۔"

اس بات پر سب ہی کھلکھلا کے ہنس دیے۔

☆

فاریہ بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی اور فروہ اس کے قریب ہی بیٹھی اُسے اپنے اندر کے کمپلکس کو ختم کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

"اس احساس کمتری کو ختم کر ڈالو ورنہ تم پاگل ہو جاؤ گی۔"

ارسہ کے گھر سے لوٹنے کے بعد سے فاریہ نے یہ کہہ کر بہن کا سر کھا لیا تھا کہ وہ خوبصورت نہیں جبکہ فروہ اُسے مسلسل یہ باور کروانے کی سعی کر رہی تھی کہ یہ صرف اس کی سوچ تھی اس کی حقیقت سے کوئی دور دور کا تعلق نہ تھا۔ اس سوچ نے فاریہ کو بیمار کر دیا تھا اور فروہ کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسی طرح سوچتی رہی تو بہت جلد سائیکو پیشنٹ بن جائے گی۔ اس لیے اس نے بہن کی Counseling کا ارادہ کر لیا تھا۔

''فاریہ پہلے تو یہ احساس کمتری نہ تھا آخر یہ اچانک کہاں سے وارد ہو گیا...... آج تمہیں اس کی وجہ بتانا ہی پڑے گی۔''

''وجہ؟'' فاریہ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں وجہ......''

اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ وہ حقیقت جسے وہ برسوں سے چھپانے کا جتن کرتی رہی تھی بالآخر اس کی زبان پر آ ہی گئی۔ اور اس نے خود سے لڑی جانے والی جنگ میں بالآخر ہتھیار ڈال کر شکست تسلیم کر لی تھی وہ فی الوقت وہ خود پر طاری کیفیت سے بے خبر تھی۔

''شاذ...... ہاں اس کی وجہ شاذ ہے...... وہ بہت خوبصورت ہے ریچ اور فیس جبکہ میرے پاس تو ان میں سے کچھ بھی نہیں۔''

''مگر اس کی وجہ آخر شاذ ہی کیوں ہے؟''

''کیونکہ میں اُس سے محبت کرتی ہوں آج سے نہیں پچھلے چھ برسوں سے...... ان بیتے سالوں میں ایک بھی دن ایسا نہیں گزرا جب میں نے خود سے جنگ نہ کی ہو مگر میں ہار گئی...... میں ہار گئی...... میں نے ہر لمحے خود کو یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ وہ میرے نہیں ہو سکتے اور اس کی محبت مجھے صرف دکھ دے گی مگر دل نے میری نہ مانی...... میں اب مزید شاذ کی محبت کو نہیں چھپا سکتی کیونکہ اب یہ میرے اختیار میں نہیں رہا...... میں جانتی ہوں کہ میرے حصے میں صرف یادیں آئیں گی اور وہ یادیں مجھے ختم کر ڈالیں گی مگر پھر بھی میں اس کی محبت کو دل سے نہیں نکال پائی...... میں کیا کروں......؟ میں کیا کروں؟''

نڈھال اور زخمی پرندے کی طرح اس کی گردن لٹک گئی اور آنسو تیزی سے جاری ہو گئے۔

یہ سب سن کر فروہ کو کسی قسم کی کوئی حیرت نہ ہوئی۔

''میں جانتی ہوں میں نے تمہیں خود سے لڑتے دیکھا ہے...... میں نے تمہاری آنکھوں میں شاذ بھائی کی تصویر دیکھی ہے مگر میں چاہتی تھی کہ تم خود اس عکس کو روبرو لاؤ...... بول

دو جو دل میں ہے حقیقت سے نظریں مت چراؤ۔''

''میں تھک گئی ہوں محبت حقائق پر غالب آ گئی ہے...... مگر اس کے باوجود realities اب بھی اپنی جگہ موجود ہیں اور وہ مجھے کبھی بھی شاذ کے پاس نہیں جانے دیں گی۔ ہر جگہ پہرہ دے کر میرا راستہ روک لیں گئیں...... میں انہیں ختم کرنا چاہتی ہوں مگر وہ بہت طاقتور ہیں میرا کوئی بھی ہتھیار ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا...... وہ اپنی بھیانک شکلوں سے مجھے ڈراتی ہیں...... وہ مجھے مار ڈالیں گی مگر شاذ کو میرا نہیں ہونے دیں گی۔''

وہ بولتے بولتے تھک گئی تو فروہ نے اُسے دلاسا دینے کو کہا۔

''فاریہ ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا کیونکہ جنہیں تم حقیقتیں سمجھتی ہو وہ دراصل تمہارے وہم ہیں...... شاذ بھائی ازل سے تمہارے تھے اور ابد تک رہیں گے۔ مجھے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ذات پاک مجھے کبھی مایوس نہیں لوٹائے گی...... میں نے ہر لمحے رب سے صرف شاذ بھائی ہی کو تو مانگا ہے میری دُعائیں ضروری قبول ہونگیں۔''

''میں نے شاذ کے تصور سے نکلنے کی بہت کوشش کی مگر میں ناکام ہو گئی ہوں۔''

''تم فکر مند مت ہو۔ میں شاذ بھائی کو رب سے اتنا مانگوں گی کہ اگر وہ تمہارے مقدر میں نہ بھی ہوئے تو بھی تمہیں ہی ملیں گے...... کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ دُعائیں تقدیر بدل دیتی ہیں۔''

''تم سچ کہتی ہو؟''

''ہاں۔''

فاریہ کے چہرے پر اُمید کی ایک موہوم سی کرن پھیل گئی۔

''کیا میں اس قابل ہوں؟''

''کیوں نہیں...... تم خوبصورت اور پڑھی لکھی ہو...... جہاں تک ہماری حیثیت کا تعلق ہے وہ بھی انشاء اللہ بھائی کی آمد تک بہت اچھی ہو جائے گی...... تم نے غور نہیں کیا ہمارے حالات دن بدن بہتر ہو رہے ہیں۔''

فروہ کی باتوں سے اس کے اندر کے تمام ڈر خوف ختم ہو گئے اور اُسے خود پر غصہ بھی آیا کہ اس نے اتنے سال بہن سے دل کی بات کیوں نہ کہی۔ فروہ کی باتوں سے احساس ہونے لگا کہ شاذ اُس کا ہی تھا وہ خواہ مخواہ وہم کا شکار ہوتی رہی تھی۔ مکمل اطمینان نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''شاباش یوں ہی ہنستی رہا کرو۔ ہنسنے سے خون بڑھتا ہے اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔''

"سچ......"

"ہاں......"

"تو اب میں مسکرایا کروں گی تاکہ شاذ جب مجھے دیکھیں تو دیکھتے ہی رہ جائیں۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا...... کیونکہ اسی صورت میں تمہاری احساس کمتری ختم ہوسکتی ہے...... ہماری تعریفیں تو بے کار ہیں۔"

"بس شاذ مجھے خوبصورت کہہ دے تو میں مان لوں گی کہ سب ٹھیک کہتے تھے اور اگر ایسا نہ ہوا تو......"

"پھر وسوسے......"

"آئندہ ایسا نہیں سوچوں گی۔"

اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"شاباش......"

"اب میں باقاعدہ شاذ کا نام لیکر اُسے رب سے مانگوں گی......"

"وہ تو تم پہلے بھی مانگتی تھی۔"

"نہیں......"

"مان لو فاریہ مان لو......"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"تمہارا چہرہ سب کہہ دیتا ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں...... تمہارا چہرا تمہارے دل کی بات کہہ دیتا ہے۔"

"تو کیا سب جان گے ہونگے؟"

"صرف دل کی آنکھ رکھنے والے۔"

"شکر ہے خدا کا میرے اردگرد تمہارے علاوہ کوئی عقلمند نہیں...... فروہ تم بھی میرے لیے دعا مانگنا۔"

"تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس دن سے میں نے شاذ بھائی کو تمہارے لیے پسند کیا ہے تب سے میرے لبوں پر صرف تمہارے لیے ہی دعا ہے......"

"اچھا تو تم جو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر گھنٹوں گھنٹوں جائے نماز پر سجدہ ریز نظر آتی تھی شاذ

کے لیے ہی دعا مانگتی تھی۔"

"ہاں......"

"تم بہت اچھی ہو......"

"نو مسکا......"

اسی لمحے ان کے کانوں میں ماں کی آواز پڑی فروہ نے اُٹھنا چاہا مگر فاریہ فٹ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ فروہ کو یہ دیکھ کر یقین ہی نہ ہوا کہ یہ وہی فاریہ تھی جو چند منٹ پہلے مردوں کی طرح لیٹی ہوئی تھی اور اب یوں ہشاش بشاش تھی کہ کوئی بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ بیمار ہوگی۔

فاریہ جب ماں کے پاس گئی تو فضلیت بیگم اُسے دیکھ کر حیران ہوگئی اور فکرمندی سے بولی۔

"تم بیمار ہو فروہ کو بھیج دو۔"

"امی میں بالکل ٹھیک ہوں میری ساری بیماری ختم ہوگئی ہے...... فروہ نے میرا علاج کردیا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو...... میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"امی آپ نہیں سمجھ پائیں گی...... آپ کام بتائیں۔"

"فاریہ بیٹی تمہاری طبیعت ناساز ہے۔"

"امی میں ٹھیک ہوں آپ خواہ مخواہ میں فکرمند ہورہی ہیں۔"

فضلیت بیگم نے حیرت بھری نگاہوں سے فاریہ کو دیکھا جبکہ دور کھڑی فروہ یہ سن کر مسکرانے لگی تھی۔

☆

فاریہ ہاتھ میں کتاب پکڑے کرسی پر براجمان تھی اس کی نظریں سامنے میز پر رکھے ٹیلی فون پر جمی ہوئیں تھیں مگر اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرنے کے باوجود وہ نمبر نہ ڈائل کر پائی تھی۔ فروہ اس کے قریب ہی بچھی کرسی پر بیٹھی مسلسل ناخن چبا رہی تھی۔ وہ اکثر پریشانی و بے چینی کے عالم میں ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ فروہ شاذ کو فون کرنے کے حق میں نہ تھی۔ مگر فاریہ نمبر حاصل کرنے کے بعد دوری برداشت نہ کر پا رہی تھی۔ اب فروہ بے چینی سے اس لمحے کی منتظر تھی جب فاریہ اپنی دلی تمنا پوری کر پائے گی۔

فاریہ نے کئی دنوں کی منت سماجت کے بعد فروہ کو اس بات پر رضامند کیا تھا کہ اپنی

کلاس فیلو سے شاذ کا نمبر لے گی۔ صائمہ کے انکل کا تعلق شوبز سے تھا اور یہ بات ایک روز اچانک فروہ کی زبان سے پھسل گئی تھی اُسی وقت فاریہ نے بہن کا سر کھا لیا چند دن فروہ نے ٹال مٹول کی تھی۔

"آخر تم شاذ بھائی کے نمبر کا کیا کرو گی؟"

"بات کروں گی۔"

"تم بات کرو گی۔"

"اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"فاریہ آخر تم اُسے حاصل کرنے کے لیے اُلٹے سیدھے راستے کیوں اختیار کرنا چاہتی ہو جسے رب نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے...... آخر تمہیں فکر کس بات کی ہے؟...... رب پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ بھائی خود تمہارے پاس آئیں گے...... ایک لمحے کو سوچو جب تمہیں پا کر اُنہیں یہ پتہ چلے گا کہ تم بھی عام لڑکی ہو تو اُن کا کتنا دل دُکھے گا۔"

"عام لڑکی...... میں کچھ سمجھی نہیں۔"

"دن رات فون پر باتیں کرنا عام لڑکیوں کا وطیرہ ہے...... فاریہ ایسے لوگ کھوکھلے ہوتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے اور ایک دل دوسرے دل تک کی راہ خود تلاش کرتا ہے۔ بنا کسی سہارے کے بغیر کسی لفظ کے...... فاریہ محبت تو آنکھوں میں چمکتی ہے روشنی بن کر اور بقول حضرت علیؓ اگر کوئی تمہارے آنکھوں سے تمہاری محبت نہ جان سکے اور تمہیں زبان سے اظہار کرنا پڑے تو تم پر لعنت ہے۔"

"وہ مجھے دیکھ پائیں تو اندازہ ہونا!"

"وقت آنے پر دیکھ بھی پائیں گے...... فاریہ ہم نے شاذ بھائی سے ایک مضبوط رشتہ قائم کرنا ہے کوئی عارضی تعلق نہیں بنانا اس لیے تم ایسے راستوں کو مت چنو جو کل کو تمہارے لیے باعث شرمندگی ہوں۔"

فروہ کی نصیحتوں سے وہ خاموش تو ہو گی مگر اُداس رہنے لگی تھی فروہ زیادہ دن اُس کی اُداسی اور ناراضگی برداشت نہ کر پائی تھی اور اُسے نمبر دے دیا تھا۔

"یہ لو نمبر مگر بے تکی بات...... Flirt لڑکیوں کی طرح کچھ مت ہانکنا۔"

وہ مسکرا دی۔

"او۔ کے۔"

فاریہ نے نمبر تو حاصل کر لیا تھا مگر کئی دن سوچتی رہی تھی کہ آیا فون کیا جائے یا کہ نہیں۔ جب وہ فروہ کی باتیں یاد کرتی تھی تو ارادہ ترک کر دیتی تھی مگر جب دل مجبور کرتا تھا تو سب کچھ بھول جاتی تھی۔ روز جب وہ برآمدے میں رکھے ٹیلی فون کے پاس سے گزرتی تھی تو بے چین ہو جاتی تھی مگر کبھی اسے پکڑنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔ کئی دن بعد آخر اس نے شاذ سے بات کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اُس کو نمبر تو ازبر تھا مگر اس کے باوجود اس کتاب کو تھامے ہوئے تھی جس پر شاذ کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ آخر ہمت کر کے اس نے ریسیور اُٹھا کر کان کو لگایا ایک ہاتھ میں کتاب پکڑی اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے فروہ نے اپنی آنکھیں موندھ لیں اور جلدی جلدی ناخن چبانے لگی تھی۔ مگر فاریہ کپکپاتے ہاتھ اور دھڑکتے دل کے ساتھ بمشکل ایک فیگر ہی ڈائل کر پائی تھی کہ اس کی ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔ اس نے جلدی سے ریسیور رکھا اور کرسی سے ٹیک لگا کر اپنی بے قابو دھڑکنوں کو بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

فاریہ نے جوں ہی ریسیور کریڈل پر رکھا ہلکا سا شور برپا ہوا اور اس شور کو سن کر فروہ نے آنکھیں کھول دیں اور پُرتجسس انداز سے فاریہ کو دیکھنے لگی۔ کوئی جواب نہ پا کر آخر اسے خود ہی سوال کر ڈالا تھا۔

"کیا بات ہوئی۔"

"بات کیا ہونی تھی نمبر ہی نہ ملا پائی ہوں۔"

"میں جانتی تھی اس لیے تمہیں اجازت دے دی تھی۔"

"تم جانتی تھی تو کہا کیوں نہیں۔"

"اگر میں کہہ بھی دیتی تو تم کونسا مان لیتی۔"

"میں نے کبھی تمہاری کوئی بات ٹالی ہے۔"

اس کے باوجود فاریہ شاذ سے بات کرنے کی خواہاں تھی مگر خود میں ہمت نہ پا کر اُداس چہرہ لیے سر جھکائے بیٹھ گئی۔ فروہ باہمت ضرور تھی مگر یہاں وہ خود کو بے بس پا رہی تھی۔ اس لیے وہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی تھی مگر فروہ کی نظریں بہن کے اُداس چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ زیادہ دیر ان کا مقابلہ نہ پائی تھی آخر اس نے ہمت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"اچھا اب زیادہ اُداس مت ہو...... میں ٹرائے کرتی ہوں۔"

وہ مارے خوشی کے اُچھل پڑی تھی۔

"Farwa you are so sweet"

''اچھی وچھی کا تو خیر مجھے علم نہیں مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں اس صورت حال کی ذمہ دار ہوں اور اب مجھے ہی اس سے نمٹنا ہے۔''

فاریہ نے بہن کو گلے لگالیا۔

''اب زیادہ مسکے مت لگاؤ میں بات کر رہی ہوں۔''

فروہ نے یہ فیصلہ اس کی موجودہ کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی کیا تھا اور کچھ اُسے وہ راتیں بھی یاد آگئیں تھیں جبکہ وہ بے چینی کے عالم میں جاگتی رہی تھی رب کے حضور گڑگڑاتی رہی تھی۔

''فروہ تم بات کرنا میں صرف آواز سنوں گی۔''

''مگر بات کیا کرنی ہے؟''

''مجھے کیا معلوم؟''

کچھ دیر وہ دونوں سوچتی رہیں مگر کوئی فیصلہ نہ کر پائیں۔ آخر فروہ نے سب وقت پر چھوڑ کر نمبر ملانا شروع کیا تھا۔ وہ شاذ سے پہلے اس کے والدین سے بات کرنے کی خواہاں تھیں اس لیے پہلے گھر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ فاریہ نے کان ریسیور سے لگالیا تھا مگر آنکھیں بھی بند کرلیں تھیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا فروہ بھی اپنے اندر بات کرنے کا حوصلہ پیدا کر رہی تھی۔ دوسری بل پر فروہ نے خود کو بے بس پا کر ریسیور فاریہ کو تھما دیا۔

''تم بات کرو میرے اندر اتنی ہمت نہیں۔''

''میں نہیں کرسکتی۔''

اس نے جلدی سے ریسیور دوبارہ فروہ کے کان کو لگا دیا۔ اسی اثناء میں ان کی کال اٹینڈ ہوگئی تھی دوسری جانب سے کسی خاتون کی آواز فروہ کے کانوں میں پڑی تھی۔

''ہیلو...... ہیلو......''

''فروہ بولو بھی......''

دوسری جانب سے پھر آواز آئی تھی۔

''ہیلو...... جی کون بات کر رہے ہیں؟''

فروہ نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''اسلام وعلیکم!''

''وعلیکم اسلام...... کس سے بات کرنی ہے؟''

''جی مجھے شاذ بھائی سے بات کرنی ہے۔''

''شاذ...... جی شاذ صاحب تو گھر پر موجود نہیں۔''

''آپ کون بات کر رہے ہیں؟''

''جی میں ان کی ملازمہ ہوں۔''

''ان کی والدہ یا والد سے بات ہوسکتی ہے۔''

''جی وہ بھی گھر پر موجود نہیں۔''

''او۔ کے پھر اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

فروہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فاریہ بول اُٹھی تھی۔

''تھینکس فروہ...... میں بہت خوش ہوں......''

''مگر ہماری تو بات نہیں ہوئی۔''

''بیشک مگر اتنا تو معلوم ہوگیا ہے کہ یہ شاذ کا ہی نمبر ہے...... فروہ مجھے تو ایک لمحے کو یوں لگا جیسے میرا خواب حقیقت کے روپ میں میرے سامنے کھڑا ہو......''

''تو تم خوش ہو۔''

''ایسی ویسی خوش...... میں تو ہواؤں میں اڑ رہی ہوں۔''

شاذ کے گھر فون کرنے کے بعد فاریہ بہت خوش رہنے لگی تھی اس کے والدین نے بھی اس خوشی کو محسوس کیا تھا بلکہ کئی بار تو مرتضیٰ صاحب اور فضیلت بیگم نے بیٹی سے اس کی وجہ بھی پوچھی تھی مگر اس نے بات ٹال دی تھی۔

''آپ تو جانتے ہیں مجھ پر دورے پڑتے ہیں کبھی خوشی کے تو کبھی اُداسی کے۔''

اس خوشی نے اسے رب کے اور قریب کر دیا تھا۔ اس کی دُعا دن بدن لمبی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے رب سے صرف شاذ کو مانگتی تھی۔ رفتہ رفتہ اُسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اللہ نے شاذ کو اس کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ جہاں وہ اپنے جذبے میں شدت محسوس کر رہی تھی وہاں اُسے ان کی سچائی کا بھی احساس ہونے لگا تھا مگر اُس نے سب سے یہ بات پوشیدہ رکھی حتیٰ کہ فروہ سے بھی اس کا تذکرہ نہ کیا تھا۔ بس اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ اس کا اعتراف کرتی تھی۔ وہ اکثر تنہائی میں بیٹھ کر اس ذات باری تعالیٰ سے اپنے دل کی کیفیت بیان کرتی تھی اور پھر غائب سے ایک آواز آتی ہوئی بھی سنتی تھی جس سے اُسے اطمینان ہوجاتا تھا کہ

اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کی سنتا تھا بلکہ قبول بھی کرتا تھا۔

شاذ کے گھر فون کا واقعہ یاد کر کے وہ پرسکون ہو جاتی تھی۔ اُسے لگتا تھا کہ اس کی اپنی منزل تک رسائی ہو گئی تھی۔ یہ دن اُس کے لیے بہت خوشی کے دن تھے۔

کئی بار وہ اپنی ماں کے ساتھ علی ہجویری کے دربار پر بھی گئی تھی اور مزار کی جالی کے قریب کھڑے ہو کر بہت لمبی دُعا مانگی تھی بلکہ اس وقت تک وہاں سے نہ نکلی تھی جب تک اسے یقین نہ ہو گیا تھا کہ اُس کی دعا شرف قبولیت حاصل کر چکی تھی۔

دربار سے باہر نکلنے تک اس کا دل دھڑکتا رہا تھا کیونکہ اس نے اپنی ماں سے سن رکھا تھا کہ اگر آپ کو کوئی شیرینی نہ ملے تو سمجھ جائیں کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوا تھا اور وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

☆

پروین اور فضیلت بیگم صحن میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ فاریہ کا برآمدے سے گزر ہوا اُنہیں دیکھ کر وہ آڑ میں کھڑی ہو کر ان کی گفتگو سننے لگی تھی۔

''فضیلت پریشان نہ ہو انشاءاللہ تمہاری بیٹیوں کے نصیب بہت اچھے ہونگے۔''

پروین ان کی ہمسائی تھیں اور اکثر فضیلت سے ملنے آجایا کرتی تھیں وہ جب بھی آتی تھیں ہمیشہ فضیلت سے بیٹیوں کے رشتوں کے بارے پوچھتی تھیں۔

''کہیں بات پکی نہیں ہوئی۔''

''کہاں پروین بہن؟ رشتے تو بہت آتے ہیں مگر ان کے ابو کو ہی کوئی پسند نہیں آتا...... وہ کسی کو گھر گھسنے کی اجازت دیں تو بات پکی ہو نا!''

''آخر بھائی مرتضٰی کیا کہتے ہیں؟''

''کہنا کیا ہوتا ہے...... کسی کی تعلیم کم ہوتی ہے تو انکار کر دیتے ہیں کوئی انہیں آوارہ لگتا ہے تو کسی کی بے روزگاری آڑے آجاتی ہے۔''

''آخر تم نے بیٹیوں کو اتنا پڑھایا ہی کیوں...... کم از کم اب ہی ان کی پڑھائی ترک کروا دو ورنہ ساری عمر کنواری بیٹھی رہیں گی۔''

''میں نے تو کئی بار کہا مگر وہ میری سنتے کب ہیں...... بڑے اطمینان سے کہہ دیتے ہیں جوان کے نصیب میں ہو گا مل جائے گا اب میں اس خوف سے بیٹیوں سے علم جیسا زیور بھی چھین لوں۔''

''تمہاری بیٹیوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔''

آج جو فاریہ نے اُنہیں دیکھا تو فوراً سمجھ گئی کہ وہ یہ ٹوہ لگانے آئی تھیں کہ آخر کیا بنا مگر ایک بار پھر ہمیشہ کی طرح دلاسا دے رہی تھیں۔

''بس پروین بہن دُعا کرو۔''

''وہ تو میں کرتی ہوں تم بھی کچھ کرو۔''

''میں کیا کروں کتنے پیسے تو رشتے کروانے والیوں پر خرچ کر چکی ہوں۔''

''میرے کہنے کا مطلب تھا دُعا مانگو۔''

''بھلا میں دُعا نہیں مانگوں گی۔''

''یوں کرو کلو دو کلو باجرہ لو اور دریا پر جا کر پانی میں بہا دو اور پھر وہیں کھڑے ہو کر دُعا مانگو انشاءاللہ بہت جلد تمہاری مراد بر آئے گی۔''

''یہ بھی کر کے دیکھ لیتی ہوں۔''

''سنی سنائی نہیں آزمائی بات کہہ رہی ہوں میری تو بہت سے مرادیں پوری ہوئی ہیں۔''

اسی لمحے فروہ وہاں آگئی فاریہ کو یوں چوری چوری باتیں سنتا پا کر غصہ ہونے لگی تھی۔

''وہی پرانے قصے ہیں تم انہیں کیوں سن رہی ہو...... جانے آنٹی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے روز چلی آتی ہیں۔ آخر انہیں ہماری شادیوں میں اتنی دلچسپی کیوں ہے...... ہمیں ابھی کوئی شادی وادی نہیں کرنی۔''

''فروہ تمہارا غصہ ایک طرف مگر آج بڑے پتے کی بات بتائی ہے۔''

''کس نے؟''

''آنٹی نے اور کس نے۔''

''مثلاً''

''وہ امی سے کہہ رہی تھیں کہ اگر دریا پر دُعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے...... فروہ کیوں نہ ہم بھی امی کے ساتھ جا کر دُعا مانگیں۔''

''ٹھیک ہے ہم ضرور چلیں گے...... مگر مجھے آنٹی پر بہت تپ چڑھ رہی ہے...... میں نے امی کو کئی بار منع کیا ہے کہ وہ ہمارے لیے کوئی رشتہ تلاش نہ کریں مگر وہ تگ و دو جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

''میں تو امی کو کبھی منع نہیں کروں گی کیونکہ میں کسی کی بھی ناراضگی یا بدعا افورڈ نہیں

کر سکتی...... میں نہیں چاہتی کہ میرے یا شاذ کی راہ میں کسی کی بددعا حائل ہو جائے...... پھر مجھے اللہ تعالیٰ پر پورا یقین ہے کہ وہ شاذ کے علاوہ کسی کو یہاں نہیں بھیجے گا...... جہاں تک تمہارا سوال ہے آئی تھینک امی کو کوشش کرنا چاہیے۔‘‘

’’مگر میں تمہاری رخصتی تک ایسا کوئی بندھن قبول نہیں کر سکتی۔ تمہارا کیا اعتبار امی ابو کی اموشنل بلیک میلنگ میں آ کر اپنی محبت اور میرا ارمان داؤ پر لگانے کو تیار ہو جاؤ...... میں تو ازل سے بدتمیز مشہور ہوں اس لیے بآسانی ہر معاملے میں ٹانگ اٹکا سکتی ہوں۔‘‘

’’فروہ ہمیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں...... اللہ ہمارے ساتھ ہے وہ ذات پاک بڑی بے نیاز ہے سب کی جھولیاں بھرتی ہے ہمیں بھی کبھی مایوس نہیں لوٹائے گی۔‘‘

’’یو۔آر۔رائٹ۔‘‘

’’اس لیے غصہ پی جاؤ۔‘‘

کچھ دنوں بعد وہ ماں کے ساتھ دربار پر گئیں جہاں فضیلت بیگم نے اللہ سے بیٹیوں کے گھر بس جانے کی دُعا کی تھی وہاں انہوں نے رب سے شاذ کو مانگا تھا۔

☆

دو ماہ بعد ایک بار پھر فاریہ پر شاذ کے گھر والوں سے بات کرنے کا بھوت سوار ہو گیا تھا کمرے سے نکل کر جب وہ برآمدے میں آئی تو اُس نے صحن میں ماں کو سبزی کاٹتے دیکھا اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے وہاں بیٹھ کر بات کی تو اُس کی ماں بہت سوال و جواب کریں گی اس لیے فون اُٹھائے کمرے میں چلی آئی تھی۔ فون فرش پر رکھا اور خود بھی اس کے قریب ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ فروہ جو بیڈ پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی اُسے فاریہ نے اشارے سے اپنے قریب آنے کو کہا اور خود کپکپاتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔ فروہ نے ناگواری سے کتاب بیڈ پر رکھی اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ جوں ہی فاریہ کے کانوں میں بل کی آواز پڑی تھی اس نے ریسیور بہن کے ہاتھ میں تھما دیا اور اپنا کان ریسیور کے انتہائی قریب لے آئی تھی تا کہ وہ بآسانی دوسری جانب سے آنے والی آواز کو سن سکے۔ فروہ بھی گھبرائی ہوئی تھی مگر اب کی بار اس نے اپنے جذبات پر کافی حد تک قابو رکھا ہوا تھا اس لیے فاریہ کو وہ بہادر دکھائی دے رہی تھی۔

تیسری بل ہوئی تو کسی نے ریسیور اُٹھایا تو فروہ کے کانوں میں ایک عورت کی آواز پڑی تھی۔

’’ہیلو......‘‘

’’اسلام وعلیکم!‘‘

’’وعلیکم سلام......! کون؟‘‘

فروہ نے دوسری جانب سے آنے والی آواز میں موجود تلخی کو محسوس کر لیا تھا اور وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ یہ روکھا پن یقیناً اس کی یعنی ایک لڑکی کی آواز سننے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا مگر اس نے اس بات کو نظر انداز کر دیا۔

’’جی مجھے شاذ بھائی سے بات کرنی ہے۔‘‘

’’شاذ......وہ تو گھر پر موجود نہیں۔‘‘

’’جی میں پوچھ سکتی ہوں آپ......کون؟‘‘

فروہ نے ڈرتے ڈرتے ہوئے سوال کر ڈالا حالانکہ وہ اندازِ گفتگو سے اتنا تو جان پائی تھی کہ دوسری جانب سے آنے والی عورت کی آواز یقیناً شاذ کی والدہ کی تھی مگر وہ پھر بھی تصدیق چاہتی تھی۔

’’میں شاذ کی والدہ بات کر رہی ہوں......‘‘

’’وہ آنٹی......‘‘

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آواز آئی۔

’’دوسرے نمبر پر امریکہ سے کال ہے۔‘‘

فروہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ فروہ نے ریسیور رکھتے ہی فاریہ کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

’’آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے......؟ تمہاری روح کو سکون کیوں نہیں ملتا......؟ کیوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے پر تلی ہوئی ہو......؟ باز آ جاؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔‘‘

’’کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہہ دیا کیا؟‘‘

’’تم نے نہیں سنا؟‘‘

’’دراصل آواز کلیئر نہ تھی اس لیے میں نہ سن پائی۔‘‘

’’شاذ بھائی کی امی بات کر رہی تھیں‘‘

اُس نے پُر تجسس انداز میں سوال کیا۔

’’کیا کہہ رہی تھیں؟‘‘

’’اُنہیں ہمارا فون کرنا پسند نہیں آیا۔‘‘

"کیا مطلب؟"

"فاریہ آنٹی کو ایسی لڑکیاں ہرگز پسند نہیں....."

"مثلاً کیسی؟"

"تمہارے جیسی اور کیسی ...... میرے خیال میں ان کا ری ایکشن بالکل ٹھیک تھا ایک سمجھ دار ماں کو ایسا ہونا چاہیے...... دیکھو فاریہ اگر تم چاہتی ہو کہ باعزت طریقے سے اس گھر میں جاؤ تو ہمیشہ کے لیے اس فون کے چکروں سے نکل آؤ ورنہ ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی...... کیونکہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔"

"سمجھ گئی۔"

فاریہ نے دُکھی اور رنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر خاموشی سے فون اُٹھایا اور لا کر واپس برآمدے میں رکھ دیا۔ پھر چپ چاپ کمرے میں آ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کے آشکار تھے کہ وہ ابھی رو دے گی۔ لہٰذا فروہ نے اسے تسلی دینا لازمی سمجھا۔

"اب زیادہ اُداس ہونے یا پچھتانے کی ضرورت نہیں ...... جو ہو گیا بھول جاؤ بس آئندہ محتاط ضرور رہنا۔"

"فروہ آنٹی مجھے بہو کی حیثیت سے قبول کریں گی؟"

"اُلٹی سیدھی باتوں میں مت اُلجھو...... بس اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر تم یوں ہی بات بے بات پریشان ہوتی رہی تو بہت جلد مینٹل ہاسپٹل پہنچ جاؤ گی۔"

"میں آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔"

"گڈ...... فاریہ میں نہیں چاہتی کہ کسی بھی قسم کی فکر و پریشانی تمہارے حوصلوں کو پست کرے اور تمہاری اُمیدیں دم توڑنے لگیں ...... جب اللہ سے مانگا ہے تو کسی انسان کی چوکھٹ پر ماتھا کیوں ٹیکیں۔ اُس ذات باری تعالیٰ کے در سے کوئی خالی نہیں لوٹتا جبکہ انسان ہر ایک کی جھولی میں خیرات نہیں ڈالتا۔"

"I will not do it again"

(میں ایسا دوبارہ نہیں کروں گی)

اس کے بعد فاریہ نے کبھی فون کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ شاذ کا فون نمبر بھی اس کے ذہن و خیال سے نکل گیا۔ شاذ کی والدہ کے لہجے نے اُنہیں اللہ کے اور قریب کر دیا تھا۔ تقریباً

روز ہی تہجد کے وقت اُس کی آنکھ کھل جاتی تھی اور وہ وہیں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے لگتی تھی۔

اس نے اپنی ماں سے سن رکھا تھا کہ تہجد کے وقت مانگی گئی دُعا ضرور شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ ایک روز قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی نظر قرآن مجید میں پڑے چند اوراق پر پڑی اس نے انہیں پڑھنا شروع کیا تو اسے ایک ایسی دُعا ملی جس کے آغاز میں لکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی تہجد کے وقت اس دُعا کو پڑھے اور کہے کہ اے میرے پروردگار میری حاجت روا کر اگر ہزار حاجتیں ہوگئیں دنیا یا دین کی اللہ تعالیٰ بر لائے گا۔

اس دن اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ یہ دُعا ضرور پڑھے گی اس نے بہن سے بھی اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا۔

"فاریہ ہم ضرور یہ دُعا پڑھیں گے۔"

دونوں بہنوں نے تین دن مسلسل روزے رکھے اور تہجد کے وقت دُعا پڑھ کر شاذ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا۔ وہ اکثر اذان کے دوران اور اختتام پر دل ہی دل میں دُعا مانگتی تھی اس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ اس وقت مانگی گئی دُعا ہر حال میں قبول ہوتی ہے۔ یہ نہ صرف اس کا وطیرہ بن چکا تھا بلکہ فروہ بھی اس پر سختی سے عمل پیرا تھی۔

فروہ نے اکتالیس دن کا وظیفہ شروع کر رکھا تھا چونکہ اس وظیفے کے بعد بولنے کی ممانعت تھی اس لیے فاریہ نے بہن کا پہرہ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ والدین میں سے کسی کو اس بات کی خبر ہو۔ چالیس دن تو بے خبری کے گزر گئے مگر اکتالیسویں دن جب وہ کھانا کھانے کے بعد نماز پڑھ کر دُعا مانگ رہی تھیں تو دروازے پر بیل ہوئی۔ فاریہ نے جلدی سے جائے نماز فولڈ کیا اور گیٹ پر چلی آئی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو سامنے انکل حمید اور ان کی بیگم کو پا کر حیران رہ گئی۔ وہ کافی عرصے بعد ان کے گھر آئے تھے اس لیے اُسے بہت حیرت ہوئی تھی۔

"اسلام وعلیکم!"

"وعلیکم اسلام!"

"آئیں انکل......"

وہ اندر داخل ہوئے تو فوراً سوال کر ڈالا۔

"ابو کہاں ہیں؟"

"انکل کمرے میں ہیں۔ آپ آئیں۔"

"نہیں بیٹی......"

اس نے حیرت سے انکل کی طرف دیکھا۔

"ہم یہاں صحن میں بیٹھنا چاہیں گے بیٹی یہاں چارپائی بچھادو......"

"جی انکل......"

فاریہ نے صحن میں کھڑی چارپائیوں کو بچھا دیا حمید صاحب اور ان کی بیگم ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"آج تمہارے والد صاحب سے اس تاروں بھرے آسمان تلے بیٹھ کر بات چیت ہوگی۔"

فاریہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیوں نہیں انکل...... میں ابو کو اطلاع دیتی ہوں۔"

فاریہ والد کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی دروازے میں کھڑے ہوکر اس نے اندر نظر دوڑائی تو اس نے والد کو بیڈ پر بیٹھے کتاب پڑھتے پایا تو جلدی سے ان کے قریب آ کر بولی۔

"ابو جی انکل اور ان کی بیگم آئی ہیں۔"

"کون انکل؟"

"انکل حمید......"

"اچھا تو حمید صاحب آئے ہیں......کہاں ہیں؟"

"صحن میں بیٹھے ہیں۔"

"صحن میں......"

"جی......انہوں نے ہی مجھے آپ کو بلوانے کو بھیجا ہے۔"

"اچھا......! آپ کی امی کہاں ہیں؟"

"شاید کچن میں......"

"آپ امی سے جا کر چائے کا کہیں میں حمید صاحب کے پاس جاتا ہوں۔"

"جی ابو......"

مرتضیٰ صاحب صحن میں چلے آئے اور فاریہ نے کچن کا رخ کرلیا۔ مرتضیٰ صاحب کو آتے دیکھ کر حمید صاحب کھڑے ہوگئے پھر جوں ہی وہ ان کے قریب پہنچے دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔ مرتضیٰ صاحب حمید صاحب کی بیگم کو سلام کرنے کے بعد سامنے ہی

بچھی دوسری چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"حمید صاحب آج تو آپ نے بڑا دل نکالا ہے...... ہمارے گھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟"

"ہم تو یاد رکھتے ہیں بس آپ ہی بھول جاتے ہیں......"

"بھائی صاحب یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ کبھی بھابھی اور بچیوں کو لے کر ہمارے گھر نہیں آتے۔"

"بس کیا کریں بھابھی فرصت ہی نہیں ملتی......لیکن انشاءاللہ اب ضرور چکر لگائیں گے۔"

فاریہ ماں کو کچن میں پا کر بولی۔

"امی انکل حمید اور ان کی بیگم آئی ہیں ابو نے کہا ہے اُن کے لیے چائے بنادیں۔"

"میں کافی دیر سے کھڑی برتن دھو رہی ہوں اب تو میری ٹانگیں جواب دے چکی ہیں یوں کرو تم اور فروہ چائے کا انتظام کرلو میں ان کے پاس جاتی ہوں......نماز تو تم لوگوں نے پڑھ لی ہوگی۔"

"جی امی......"

"فروہ کمرے میں ہے نا!"

"جی امی......"

"میں جاتے ہوئے اُسے کہے جاتی ہوں۔"

"آپ رہنے دیں میں خود بُلا لوں گی آپ تھک گئی ہیں جا کر آرام سے بیٹھیے۔"

فضیلت بیگم کچن سے نکلیں تو فاریہ دروازے میں کھڑی ہوکر ماں کا تعاقب کرنے لگی اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کمرے میں نہ چلی جائیں اور فروہ کو جائے نماز پر پا کر کوئی سوال نہ کر ڈالیں مگر جوں ہی وہ صحن کی طرف گئیں وہ واپس کمرے میں آگئی۔ فضیلت بیگم سلام ودعا کے بعد جوں ہی شوہر کے قریب چارپائی پر بیٹھیں مرتضیٰ صاحب نے اُنہیں اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"حمید صاحب اور بھابھی سعودی عرب جارہے ہیں۔"

"ماشاءاللہ...... بھائی صاحب حج کی نیت ہے یا عمرے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"بیگم حمید صاحب ہمیشہ کے لیے پاکستان کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔"

"حمید صاحب کو سعودی عرب کی ایک یونیورسٹی میں انگلش لیکچرار کی نوکری مل گئی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

فاریہ کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ میں کیا کروں چونکہ اس نے کبھی پہلے اس قسم کے انتظامات نہ کیے تھے اس لیے اس کے لیے اس صورت حال سے نمٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیا اور خود کمرے میں چلی آئی فروہ جائے نماز پر بیٹھی وظیفہ کر رہی تھی۔

"اب میں کیا کروں؟" فروہ کو بولا نہیں سکتی۔ اگر اسے بولنے کو کہا تو چالیس دن کی ریاضت خاک میں مل جائے گی جو کہ کسی صورت بھی قابل قبول نہیں۔

آخر وہ ڈرتے ڈرتے صحن میں آ گئی اسے دیکھتے ہی فضلیت بیگم نے چائے کا پوچھا۔

"چائے تیار ہوگی۔"

"ہو رہی ہے۔"

"بیٹی جلدی سے لاؤ......"

"امی میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ساتھ میں کیا لاؤں؟"

"فروہ کہاں ہے؟"

"وہ......وہ نماز...... پڑھ رہی ہے۔"

"نماز تو وہ کب کی ادا کر چکی تھی۔"

"بس دعا مانگ رہی ہے۔"

حمید صاحب نے کہا۔

"بیٹی بس ایک پیالی چائے پینا پسند کرینگے۔"

فاریہ انکل کا جواب پا کر جلدی سے کچن کی طرف چلی آئی اور پھر تھوڑی دیر بعد چائے اور کباب لے آئی۔ فاریہ نے باری باری سب کو چائے پیش کی اور پھر ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"حمید صاحب اس پاک سرزمین پر ہمارے لیے دُعا کیجیے گا۔"

"یہ بھی بھلا کہنے والی بات ہے۔"

حمید صاحب کی بیگم نے کہا۔

"بھابھی انہوں نے تو نوکری...... پیسہ سب داؤ پر لگا دیا تھا اگر کامیاب نہ ہوتے تو ہمارا کیا حال ہوتا۔"

"جب سب کشتیاں جلا دی جائیں تو منزل ضرور ملتی ہے۔"

"بس بھابھی اس ذات باری تعالیٰ کا احسان ہے۔"

مرتضٰی صاحب بولے۔

"بیشک۔"

فاریہ سب کی باتیں بغور سن رہی تھی سمجھ گئی کہ حمید صاحب اور ان کے اہل وعیال پاکستان چھوڑ کر سعودی عرف میں آباد ہو رہے تھے۔ اس پاک مٹی کا خیال آتے ہی وہ دوڑی دوڑی کمرے کی طرف آئی مگر جب فروہ کو سوتے پایا تو خیال آیا کہ وہ تو وظیفہ کر کے سو چکی تھی اب بولنا ناممکن تھا خود میں وہ اتنی ہمت نہ پا رہی تھی کہ انکل سے کہہ سکتی کہ وہ ان کے لیے بھی دُعا مانگے۔ مگر وہ اس طرح انہیں جانے بھی نہ دینا چاہتی تھی اس لیے آخر کار ہمت کر ہی ڈالی اور واپس صحن میں آ کر ڈرتے ڈرتے بولی۔

"انکل...... بیت اللہ کے قریب کھڑے ہو کر میری اور فروہ...... کی دلی......خواہش ......بر آنے کی دُعا بھی کیجیے گا۔"

حمید صاحب نے کہا۔

"بیٹی اس میں اتنا ڈرنے والی کیا بات ہے......ہم ضرور دُعا کرینگے۔"

حمید صاحب کی بیگم نے بھی اسے یقین دہانی کروائی۔

"بیٹی تم فکر ہی نہ کرو ہم تمہاری دُعا ضرور مانگیں گے۔"

کچھ عرصے بعد جب حمید صاحب کا ان کے یہاں فون آیا تو اس نے اپنی دعا کے متعلق استفسار کیا تو ان کا جواب سن کر اُسے بہت تسلی وتشفی ہوئی۔

☆

ارسہ نے جب فون پر اسے ایم۔اے کے رزلٹ کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوئی البتہ تھوڑی سے حیرانی اسے ارسہ کے زیادہ نمبروں پر بھی تھی۔ دونوں نے محنت ایک سی کی تھی پھر مارکس میں تضاد کی وجہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ دو دن وہ سوچتی رہی مگر ریزن نہ تلاش کر سکی آخر اس نے ارسہ سے ہی اس کی وجہ پوچھنے کا سوچا اور اس کا نمبر ڈائل کر دیا۔ کچھ دیر تو وہ اِدھر اُدھر کی ہانکتی رہی مگر پھر اصل پوائنٹ پر آ گئی۔

"آخر اتنے مارکس کیسے حاصل کیے ہیں؟"

"تمہارے برابر ہی تو ہیں۔"

"Irsah, don't forget there is difference"

(ارسہ مت بھولو فرق ہے)

"مجھے ٹالومت وجہ بتاؤ......"

"میں نے ایک وظیفہ کیا تھا۔"

"تم بھی وظیفے کرتی ہو۔"

"میں مسلمان ہوں رب سے مانگتی ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"مذاق کررہی تھی......کونسا وظیفہ تھا؟"

"ستر ہزار بار پہلا کلمہ پڑھنا تھا۔"

"بس......"

"ہاں......اس کے بعد میں نے دُعا کی تو وہ قبول ہوگی۔"

"ارسے تم بہت بدتمیز ہو۔"

"I am so sorry"

"It's ok, now"

فاریہ نے وظیفہ شروع کردیا اور جب وہ مکمل ہوا تو وہ جمعہ کا دن تھا اور عصر کی اذان کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ یہ نشانیاں اُسے اپنی دُعا کی قبولیت کا یقین دلا رہی تھیں۔ پھر جب فروہ نے بھی اس کی تصدیق کردی تو فاریہ نارے خوشی کے جھومنے لگی۔

☆

فاریہ بیڈ پر بیٹھی لکھ رہی تھی کہ فروہ وہاں چلی آئی اُسے بے نیاز و بے خبر دیکھ کر وہ جان گی کہ فاریہ اپنی دلی کیفیت کو لفظوں کی شکل میں ڈھال کر ڈائری کے اوراق پر محفوظ کررہی تھی اس نے بہن کو ڈسٹرب کرنا نامناسب خیال کیا اور چپ چاپ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی جوں ہی اس نے اپنا خیال منتقل کرلیا تو اس کی نظر فروہ پر پڑی۔

"فروہ تم کب آئی ہو؟"

"تھوڑی دیر پہلے۔"

"فروہ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں پوچھو۔"

"میں شاذ کو اپنی شاعری میں سے کچھ گیت ارسال کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا آئیڈیا ہے۔"

"پہلے میری بات سنو...... میں سوچ رہی تھی ہوسکتا ہے شاذ کو میرے گیتوں میں سے

کوئی ایک پسند آجائے اور وہ اُسے اپنی نئی البم کے لیے سلیکٹ کرلے۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"اب تم مجھے صحیح مشورہ دو میرے جذبات کی فکر مت کرو......"

"تمہارا آئیڈیا ٹھیک ہے۔"

"تو میں شاذ کو کال کرسکتی ہوں۔"

"ہاں۔"

☆

رات کے دس بج رہے تھے مرتضٰی صاحب اور فضیلت بیگم تو سوچکے تھے البتہ فاریہ اور فروہ دس بجے کا انتظار کررہی تھیں جوں ہی گھڑی نے دس بجائے فروہ نے شاذ کے نمبر والی کتاب اُٹھائی اور صحن میں چلی آئی فاریہ بھی برآمدے سے فون لیے اُس کے پیچھے پیچھے آگئی۔ دونوں بہنیں چارپائی پر بیٹھ گئیں فاریہ نے ٹیلی فون فروہ کی گود میں رکھا اور خود اس کے ہاتھ سے کتاب پکڑ کر نمبروں کو بغور دیکھنے لگی۔ آخر اس نے شاذ کا سیل نمبر ڈائل کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ شاذ کی والدہ سے ایک دفعہ بات ہوجانے کے بعد دونوں بہنوں میں سے کسی میں بھی اب وہاں کال کرنے کی ہمت نہ تھی۔ فاریہ نے بغیر کسی سوچ کے نمبر ڈائل کیا اس لیے اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے البتہ فروہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور وہ ڈر کی وجہ سے بار بار اپنی مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔ فاریہ ریسیور کان کو لگائے آنکھیں اِدھر اُدھر گھما رہی تھی۔

"ہیلو۔"

اس کے کان میں آواز گونجی۔ فاریہ نے کبھی شاذ سے بات نہ کی تھی مگر اس کے ہیلو کہتے ہی وہ اُسے پہچان گئی۔ جس سے اس کے سپاٹ جذبات نے کروٹ لی اس کے ہاتھ کپکپانے لگے دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور خوشی کی ایک لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ وہ بولنا چاہ رہی تھی مگر اس کے ہونٹ جنبش ہی نہ لے رہے تھے وہ اس آواز کو اپنی روح میں اترتا ہوا محسوس کررہی تھی۔ طمانیت کا احساس اُسے گھیرے ہوئے تھا۔

ریسیور سے مسلسل ہیلو ہیلو کی آواز آرہی تھی۔ اس سے پہلے کہ کال ڈراپ ہوتی فروہ نے بہن کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا اور کہا۔

"ہیلو......"

"جی کون......؟"

’’آپ شاذ بھائی بات کر رہے ہیں؟‘‘

’’جی بات کر رہا ہوں۔‘‘

’’میں آپ کو چند گیت بھجوانا چاہتی ہوں کیا آپ گائیں گے؟‘‘

’’جی......‘‘

’’میں آپ کا ایڈریس پوچھ سکتی ہوں۔‘‘

شاذ نے ایڈریس لکھوانا شروع کیا پھر جوں ہی پتہ مکمل ہوا فروہ کے خدا حافظ کہنے سے پہلے ہی شاذ نے خدا حافظ کہہ دیا۔ فاریہ کان لگائے سن رہی تھی جوں ہی فروہ نے ریسیور رکھا فاریہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

’’فروہ اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔‘‘

’’کس بات سے؟‘‘

’’میری محبت سے۔‘‘

’’فاریہ تمہیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔‘‘

’’میں پاگل نہیں۔‘‘

’’اگر تم پاگل نہ ہوتی تو یوں منہ لٹکا کر بیٹھنے کی بجائے میری طرح مطمئن اور خوش ہوتی۔‘‘

’’فروہ میں اچھی ایکٹرس نہیں۔‘‘

’’تمہارا کیا خیال ہے میں ایکٹنگ کر رہی ہوں۔‘‘

’’اور نہیں تو کیا تم خوش ہو۔‘‘

’’میں مطمئن ہوں۔‘‘

’’مگر میں حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتی......اب کچھ بھی میرے بس میں نہیں رہا۔‘‘

’’فاریہ تم شاذ بھائی کو misperceive کر رہی ہو۔‘‘

’’بس میرا ہی perception غلط ہے......فروہ آخر تم مجھے اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرنے دیتی کہ میں زمین پر رینگنے والا کیڑا ہوں اور شاذ آسمان میں اڑنے والا پرندہ...... میں بے وقعت شے ہوں۔‘‘

’’تم کوئی کیڑا ویڑا نہیں......خبردار جو تم نے آئندہ ایسی بات منہ سے نکالی۔‘‘

’’خود کو بھی نہ کوسوں تو کیا کروں......؟ آنٹی انکل کو میں پسند نہیں اور شاذ کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں۔‘‘

’’فاریہ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔‘‘

’’میں مانتی ہوں تبھی تو احساس کمتری بڑھتا جا رہا ہے......وہ مجھے کبھی قبول نہیں کرینگے۔‘‘

’’اللہ نہ کرے جو ایسا ہو۔‘‘

فروہ کو غصہ آ گیا۔

’’اگر منہ اچھا نہ ہو تو بات تو اچھی نکالا کرو......تم مجھے پاگل بنا دو گی۔‘‘

’’میں خود پاگل ہو چکی ہوں کسی کو کیا بناؤں گی۔‘‘

’’دیکھو فاریہ کوئی بھی والدین یہ فون وون کرنا پسند نہیں کرتے اور جہاں تک رہا شاذ بھائی کا سوال تو وہ بہت گریٹ انسان ہیں جلدی کسی سے محبت نہیں کرتے اور جب کرتے ہیں تو دل و جان سے چاہتے ہیں......شکر کرو وہ فلرٹ نہیں ہر ایری غیری لڑکی سے فرینک نہیں ہوتے۔‘‘

’’میں ایری غیری نہیں تھی۔‘‘

’’یہ تو ہم جانتی ہیں وہ تو اس بات سے بے خبر ہیں نا!‘‘

’’اسی بات کا تو دکھ ہے کہ میری محبت میں کوئی اثر ہی نہیں۔‘‘

’’تمہاری انہی فضول باتوں کی وجہ سے میں تمہیں فون کرنے سے منع کرتی ہوں...... ذرا سی بات لے کر خود کو کوسنا شروع کر دیتی ہو......‘‘

’’خود کو کوسنے کی تو اجازت دے دو۔‘‘

’’فی الحال میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اس وقت میری کوئی بھی بات تمہارے پلے نہیں پڑے گی۔‘‘

فروہ وہاں سے کمرے میں چلی آئی تھی مگر فاریہ وہیں بیٹھی خود کو برا بھلا کہتی رہی تھی۔ احساس کمتری اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگی تھی۔ وہ کافی دیر روتی رہی تھی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں سوجھ گئیں اور سر بھی درد سے پھٹنے لگا تھا آخر وہ بوجھل دل کے ساتھ کمرے میں چلی آئی تھی۔ ایک نظر فروہ پر ڈالی تو دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ پرسکون نیند سو رہی تھی۔ آخر وہ بھی اس کے قریب ہی لیٹ گئی۔

☆

کئی دن وہ خاموش اور اُداس رہی تھی، ایک دو بار ارسہ کا فون بھی آیا تھا فروہ نے جب بھی اُسے بات کرنے کو کہا تھا اُس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

’’میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی۔‘‘

مگر فروہ نے ارسہ سے ایسا کچھ نہ کہا تھا بلکہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیا تھا۔ تاکہ اُسے دوست کے رویے کا افسوس نہ ہو۔ ارسہ فاریہ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے کچھ دنوں بعد فون کرنے کا کہا تھا۔

فاریہ کے رویے کو دیکھتے ہوئے فروہ سمجھ گئی تھی کہ کچھ دنوں تک وہ یوں ہی گم سم رہے گی مگر اس کے باوجود وہ اس بات کی منتظر تھی کہ وہ شاعری ارسال کردے جب فروہ نے ایسا ہوتا ہوا نہ دیکھا تو خود ہی یہ فریضہ انجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک روز اس نے بہن کی شاعری کی کاپی نکالی اور اس میں سے چند گیت سلیکٹ کیے اور پوسٹ آفس چلی آئی اور انہیں شاذ کے لکھوائے ہوئے پتہ پر ارسال کر دیا تھا۔ فروہ ہر روز بہن کو احساس کمتری کے خول سے نکالنے کی کوشش کرتی تھی اُسے ایک سنہری مستقبل کی نوید سناتی رفتہ رفتہ فروہ کی باتیں اس کے دل پر اثر کرتی گئیں۔ مستقبل نے اُسے تسکین، خوشی اور اطمینان تو بخش دیا تھا مگر کمتری کا احساس اب بھی باقی تھا۔

"میں بہت بُری ہوں نا! شاید اسی کی سزا ملی ہے؟"

فاریہ نے خود ہی جواب دے دیا مگر فروہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

"تم جو سوچ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں...... تم بہت اچھی ہو...... فاریہ ایک لمحے کو اس احساس کمتری کو ذہن سے نکال کر اس وقت کے بارے میں سوچو جب تم شاذ بھائی کی بیوی بنو گی اور ایک پرسکون زندگی بسر کرو گی کیونکہ تمہیں یہ ڈر خوف نہیں ہوگا کہ بھائی بدل جائیں گے...... کیونکہ لاشعوری طور پر یہ بات تمہارے دل میں بیٹھ چکی ہوگی کہ وہ ایک باکردار انسان ہیں...... تب تم خود سے کہو گی۔"

"Everything happens for our own good"

(سب کچھ ہماری بھلائی کے لیے ہوتا ہے)

"تم ٹھیک کہتی ہو...... مگر نہ جانے کیوں مجھ پر اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"Faria, keep one thing in mind God's mill grinds slow but sure. So don't criticise youself again, Forget everything just trust in God."

(فاریہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں اس لیے آئندہ کبھی خود پر تنقید مت کرنا۔ سب کچھ بھول جاؤ بس اللہ پر بھروسہ رکھو)

فاریہ مطمئن ہوگئی۔

"سوری فروہ۔"

"کس لیے؟"

"میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے...... میں کب ایسا کرنا چاہتی ہوں۔ مگر جانے کیوں ایسا کر دیتی ہوں...... لیکن میں کوشش ضرور کروں گی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کروں۔"

"گڈ۔"

"تو میں شاذ کو شاعری ارسال کردو۔"

"وہ تو میں نے کردی۔"

"کیا؟"

"میں جانتی تھی جب غم کا دور ختم ہو جائے گا تو تمہیں پہلا خیال یہ ہی آئے گا مگر تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ ہم شاذ بھائی کی نظر میں جھوٹے بنے۔"

"فروہ تم بہت ذہین اور دوراندیش لڑکی ہو...... شاذ کو ایسی ہی لڑکی کی ضرورت ہے۔"

"Don't be silly he is my brother"

(پاگل مت بنو وہ میرے بھائی ہیں)

"آئی نو۔"

"تو آئندہ کبھی ایسی بات زبان پر مت لانا...... فاریہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے جو اُسے دوسروں سے منفرد بناتی ہے...... تمہاری پولائٹنس تمہیں مجھ پر برتری دیتی ہے...... تم کسی کا دل نہیں دکھاتی۔"

"مگر میں نے ارسہ کو ہرٹ کیا ہے۔"

"تم نے ایسا کچھ نہیں کہا...... میں نے ارسہ سے کوئی بات نہیں کی۔"

"تھینکس فروہ...... میں ابھی ارسہ کو کال کرتی ہوں۔"

"ضرور...... شاید وہ تمہیں کوئی خبر سنانا چاہتی ہے۔"

وہ جلدی سے اُٹھی اور برآمدے میں چلی آئی ارسہ کا نمبر ملایا اور اس سے بات کرنے کے بعد مطمئن ہوگئی اس کا ملال جاتا رہا مگر اُسے ارسہ سے بات کر کے یہ قطعی احساس نہ ہوا کہ وہ اس سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی تھی مگر اس کے باوجود فروہ کو یقین تھا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

فاریہ بہت خوش تھی جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ ماں کو لیکر بازار چلی آئی تھی۔ فضیلت بیگم نے بہت پوچھنا چاہا کہ وہ کیا خریدنا چاہتی تھی مگر اس نے بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب وہ ماں کے ساتھ جیولری شاپ میں داخل ہوئی تو فضیلت بیگم کو جاننے کے باوجود کہ وہ جیولری نہ پہنتی تھی کوئی حیرت نہ ہوئی تھی۔ میٹرک کے بعد سے تو فضیلت بیگم کی یہ حسرت ہی رہ گئی تھی کہ اس کی بیٹیاں بھی سجیں سنوریں، بناؤ سنگار کریں۔ وہ اکثر اُن سے کہا کرتی تھیں۔

"لڑکیاں اتنا بنتی سنورتی ہیں اور تم دونوں بڑی بوڑھیوں کی طرح زندگیاں بسر کر رہی ہو۔"

تو فروہ جھٹ سے بول اُٹھتی تھی۔

"امی آپ کی خواہش ضرور پوری ہو گی مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔"

وہ جب بھی ماں کے ساتھ بازار گئی تھیں جوتے کپڑوں کے علاوہ کبھی کچھ نہ خریدا تھا۔ آج جو فضیلت بیگم نے بیٹی میں زندگی کی رمق دیکھی تھی تو اُن کی خوشی کی انتہا ہی نہ رہی تھی وہ تو چاہتی تھیں کہ اُن کی بیٹی ڈھیر ساری جیولری اور میک اَپ خریدے مگر فاریہ نے صرف دو جوڑے بالیوں کے پسند کیے تھے۔ فضیلت بیگم نے بہت کہا کہ وہ کم از کم تین چار جوڑے تو خریدے مگر اس نے پھر کبھی کہہ کر ماں کو مطمئن کر دیا تھا۔

جب وہ گھر لوٹی تو سیدھا اپنے کمرے میں آئی الماری سے اپنے سارے جوڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیے اور کافی سوچ بچار کے بعد بالیوں کے ایک جوڑے سے میچنگ سوٹ سلیکٹ کر لائی۔ تھوڑی دیر وہ اُس لباس کو زیب تن کیے کانوں میں میچنگ بالیاں پہن کر گھر بھر میں گھومنے لگی تھی۔ دوپٹے کو ہوا میں لہرا کر یوں ایک سمت سے دوسری سمت بھاگتی تھی جیسے وہ ہوا کے سنگ اُڑ رہی ہو۔ اس کی دلی خوشی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بن کر بکھری ہوئی تھی جس نے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ یوں ہی دوپٹہ ہوا میں لہرا کر گھوم رہی تھی کہ فروہ بولی۔

"یوں ہی خوش رہا کرو...... مسکراہٹ نے تمہیں اور بھی خوبصورت بنا دیا ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"اگر یقین نہ آئے تو امی سے پوچھ لو۔ اگر پھر بھی تصدیق کی ضرورت محسوس کرو تو آئینے سے کہیں جواب مل جائے گا۔"

"ابھی آئی۔"

وہ یوں ہی گنگناتی دوپٹہ لہراتی ماں کے پاس ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

فضیلت بیگم اس وقت کمرے کی صفائی میں مصروف تھیں مگر اس نے اس بات کی ہرگز پرواہ نہ کی بلکہ اپنا سوال پوچھ ڈالا تھا۔

"امی دیکھیں...... میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

فضیلت بیگم نے اپنی توجہ بیڈ پر بچھی چادر سے ہٹا کر بیٹی پر مرکوز کی تو اس کی ستائش کیے بنا نہ رہ پائی تھیں۔

"میری بیٹی تو چاند کا ٹکڑا ہے...... اللہ نظر بد سے بچائے۔"

فاریہ نے مزید وہاں رُکنے کی بجائے جلدی سے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا اور پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود کو بغور دیکھنے لگی تھی۔ یہاں اُسے سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی کیونکہ آئینہ خود ہی بول اُٹھا تھا۔

"فاریہ تم بہت خوبصورت ہو۔"

"وہ مسکرانے لگی۔"

"کیا واقعی؟"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"تم سچ کہتے ہو شاید میں نے ہی کبھی خود کو غیر جانبدار نظر سے نہیں دیکھا...... میں بہت پیاری ہوں اتنی پیاری...... اتنی پیاری...... کہ اگر شاذ آج مجھے دیکھ لیں تو تعریف کیے بنا نہ رہ پائیں...... میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوبصورتی عطا کی علم کی دولت سے نوازا اور شاذ جیسے اچھے انسان کو میرے زندگی کا ہمسفر چنا...... سچ تو یہ ہے کہ اگر شاذ کی محبت زندگی میں نہ ہوتی تو اللہ کی سب عنایتوں سے بے خبر ہی رہتی...... شاذ......"

وہ شرما گئی تھی۔ ایک بار پھر جو اس کی نظر آئینے میں دیکھائی دینے والی فاریہ پر پڑی تو بولی۔

"میں خواہ مخواہ میں خود کو کوستی رہتی ہوں اب اتنی بُری بھی نہیں کہ شاذ حقارت سے نظریں پھیر لیں......"

وہ خود سے ہمکلام تھی کہ اس کے کانوں میں ارسہ کی آواز پڑی تو وہ گھبرا گئی۔

"ارسہ ہمارے گھر...... اس وقت۔"

فاریہ نے چونکہ کبھی ارسہ کے سامنے نہ تو دوپٹہ سر سے اُتارا تھا اور نہ ہی جیولری پہنی تھی اس لیے اُسے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ ارسہ اس کے کمرے میں آتی اور اُسے اس حال میں دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتی اور اس اچانک تبدیلی پر ڈھیروں سوال کر ڈالتی فاریہ نے

جلدی سے بالیاں اُتاریں اور انہیں ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں رکھا پھر اچھی طرح سر کو ڈھانپنے کے بعد جلدی سے صحن کی طرف چلی آئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارسہ یہاں آئے جب وہ وہاں آئی تو ارسہ کے ساتھ ناز کو دیکھ کر ششدر رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ناز ان کے گھر آئی ہوگی۔ ارسہ کی آمد تو غیر متوقع نہ تھی البتہ ناز کا آنا حیران کن ضرور تھا۔ سب کو محو گفتگو دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مل چکے تھے اور اب صرف اس کی آمد کے منتظر تھے۔

فاریہ آگے بڑھ کر ارسہ اور ناز سے گلے ملی اور ان کا حال احوال پوچھنے لگی تو فضیلت بیگم بولیں۔

"فاریہ بیٹی بہنوں کو کمرے میں لے جاؤ...... کیا یوں کھڑے کھڑے ہی سب پوچھ ڈالو گی۔"

فاریہ ارسہ اور ناز کو ساتھ لیے کمرے میں چلی آئی اور فضیلت بیگم نے فروہ کے ساتھ کچن کا رخ کر لیا تھا۔ فاریہ باتوں میں محو تھی اور فروہ ماں کے ساتھ کام میں مصروف تھی۔

"ارسہ سب خیریت ہے نا......! تم بنا بتائے آ گئی۔"

"کیا میں اطلاع دیے بنا نہیں آ سکتی۔"

"آ سکتی ہو...... کیوں نہیں آ سکتی......؟ مگر کبھی ایسا ہوا نہیں نا! بس اسی لیے تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔"

ناز نے جھٹ سے فاریہ کی حیرت کو ختم کر ڈالا تھا۔

"ارسہ اپنی engagement کی خوشخبری سنانے آئی ہے۔"

"کیا واقعی؟"

ارسہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"ناز ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"تم نے فون پر کیوں نہیں بتایا!"

"چاہا تو بہت مگر......"

"مگر شرما گئی۔"

ناز نے ہنستے ہوئے بات مکمل کر دی۔

"فروہ تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ ارسہ تم سے کوئی خاص بات کرنا چاہتی ہے مگر میں نہ مانی۔"

"فروہ کو کیونکر معلوم ہوا۔"

"وہ ایک سائیکالوجسٹ ہے...... دو سال ہو چکے اُسے پریکٹس کرتے ہوئے انٹرن شپ

کی بدولت وہ تو صرف انسان کی ٹون سن کر بتا دیتی ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے یا کیا سوچ رہا ہے؟"

ناز نے حیرت سے فاریہ کی طرف دیکھا جیسے اُسے یقین نہ ہو۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں...... ہمارے گھر تو میلہ لگا رہتا ہے کوئی نہ کوئی آیا ہی رہتا ہے اگر کوئی گھر پر نہ آ سکے تو فون پر ہی اپنے مسئلے کا حل دریافت کر لیتا ہے...... بہت سی کالز تو شکریے کی آتی رہتی ہیں۔"

"تو کیا فروہ سائیکالوجسٹ بنے گی۔"

"جانے قسمت کیا کھیل کھیلے۔ مگر میری رائے تو یہی ہے کہ وہ اسی پروفیشن کو چوز کریں...... البتہ امی کو یہ شعبہ کچھ خاص پسند نہیں ڈگمگاتی رہتی ہیں...... جب سے فروہ نے ہسپتال جوائن کیا ہے بہت کمزور ہو گئی ہے اس کی صحت کے پیش نظر امی نہیں چاہتیں کہ وہ اس پروفیشن کو کنٹی نیو رکھے پھر اُنہیں اتنی بھیڑ بھی پسند نہیں مگر جب کسی کو صحت یاب ہوتا دیکھتی ہیں تو پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیتی ہیں...... دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟"

وہ بات چیت کر رہی تھیں کہ فروہ اور فضیلت بیگم ان کے کھانے کو چائے، سموسے اور کباب لے کر آ گئیں۔ فضیلت بیگم چائے اور لوازمات رکھنے کے بعد جب جانے لگیں تو سب نے بہت اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر چائے نوش فرمائیں مگر وہ مصروفیات کا کہہ کر وہاں سے چلیں آئیں کیونکہ وہ ان کی باتوں میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس کی موجودگی میں وہ کھل کر دل کی بات نہیں کہہ پائیں گی۔ لہٰذا وہ برآمدے میں بیٹھ کر مرتضیٰ صاحب کی قمیض کے بٹن ٹانکنے لگیں اسی لمحے پروین ان کے ہاں چلی آئیں اور فضیلت بیگم سے محو گفتگو ہو گئیں۔

چائے کے دوران فروہ نے ناز کی غیر متوقع آمد پر حیرانی کا اظہار کیا تو فاریہ نے بتایا۔

"فروہ ناز حج کے لیے جا رہی ہے...... ہم سے ملنے آئی ہے۔"

"کیا واقعی!"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"

فروہ نے سوالیہ نظروں سے ناز کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ...... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

"اگر آپ نے وہاں سے کچھ منگوانا ہو تو بلا تکلف کہہ سکتی ہیں۔"

ناز کی بات سن کر فاریہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ ناز سے اس کی توقع نہیں کر

رہی تھی مگر اس بات نے اسے ایک بار پھر یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ فروہ کسی انسان کے بارے میں جو کہتی تھی وہ سو فیصد درست ثابت ہوتا تھا۔

یونیورسٹی کے پہلے روز فاریہ نے بہن سے ارسہ کا تذکرہ کیا تھا اسے بتایا تھا کہ اس کی کلاس فیلو ارسہ اس سے دوستی کی خواہشمند تھی تو فروہ نے اسے فوراً اس سے دوستی کرنے کا کہہ دیا تھا اس کا خیال تھا کہ ارسہ بہت مخلص، با کردار، تکبر و غرور سے عاری اور رشتے بنانے والی لڑکی تھی۔ فروہ نے ہی اُسے ارسہ کے گھر جانے کا کہا تھا بلکہ وہ خود بہن کے ساتھ اکثر اس کے گھر جاتی تھی۔ اگر کبھی فاریہ نے ارسہ سے دوستی ختم کرنے کا سوچا بھی تھا تو فروہ نے اسے ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی تھی۔ ان کی دوستی کو چار سال گزر چکے تھے۔ اور ایک دن بھی فاریہ کو اپنی دوستی پر پچھتاوا نہ ہوا تھا بلکہ دن بدن فخر ہی ہوتا گیا تھا۔ ارسہ ایک امیر گھرانے کی لڑکی تھی مگر اس نے کبھی بھی فاریہ کو اس بات کا احساس نہ دلایا تھا بلکہ وہ جب بھی ان کے گھر آتی تھی فاریہ کو ایک اپنائیت کا احساس ہی دے کر گئی تھی۔ فروہ نے فاریہ کو صاف کہہ دیا تھا کہ جتنی اچھی ارسہ تھی اتنے ہی اچھے اس کے رشتے دار اور گھر والے بھی تھے اور آج ناز کی بات نے یہ سچ ثابت کر دیا تھا۔

فروہ نے جواب دیا۔

''میں...... بلکہ ہم دونوں یہ چاہتی ہیں کہ تم ہمارے لیے اس مقدس مقام پر جا کر دعا مانگو۔''

''میں دعا ضرور مانگوں گی......مگر پھر بھی کوئی تو ایسی چیز ہو گی جسے آپ منگوانا چاہے۔''

''ہمارے پاس سب کچھ ہے......بس جس چیز کی کمی ہے وہ خریدی نہیں جا سکتی البتہ مانگی ضرور جا سکتی ہے۔''

''میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے وہ ضرور مانگوں گی۔''

''بلکہ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آرہا ہے۔''

''کیا؟'' ارسہ نے کہا۔

''میں ایک کاغذ پر آپ کو لکھ دیتی ہوں تم وہ خط خانہ کعبہ کے پاس گرا دینا...... ہماری فریاد اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گی۔''

ناز اور ارسہ مسکرانے لگیں مگر فروہ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر نہ تو شرمندہ تھی اور نہ ہی پچھتا رہی تھی۔ بلکہ اس نے اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا سوچا اور وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی ایک کاپی پن پکڑا اور اللہ تعالیٰ کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ بالکل ہی

بھول گئی تھی کہ وہ ایک باشعور، عقلمند اور پڑھی لکھی تھی وہ تو خود کو پہلی دوسری کلاس کی سٹوڈنٹ محسوس کر رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی فرمائش لکھ رہی تھی۔

''اسلام علیکم اللہ تعالیٰ!''

اے میرے پروردگار خط اس لیے لکھ رہی ہوں کہ جانے کب تیرے گھر کی زیارت نصیب ہو اور جب ہمیں یہ سعادت ملے تو شاید دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اس لیے اپنی دعا لکھ کر بھیج رہی ہوں۔

میرے پروردگار پنج تن پاک کے صدقے میری اور فاریہ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر دینا۔ ہم گنہگار ہیں مگر تیرے محبوب کے امتی ضرور ہیں۔ اپنے محبوب کے صدقے ہماری دعا پوری کر دینا۔

''خط میں دعا اس لیے نہیں لکھ رہی کہ اگر کسی نے پڑھ لیا تو راز فاش ہو جائے گا تیری ذات پاک تو انسانوں کے راز رکھ سکتی ہے۔ مگر یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔''

فقط تیری گناہگار

بندیاں

فاریہ اور فروہ

اس نے خط کو فولڈ کیا اور اسے لے کر کمرے میں واپس آ گئی۔ ارسہ اُسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''کیا میں تمہارا خط پڑھ سکتی ہوں؟''

فروہ خاموش رہی مگر ناز نے کہا۔

''یہ خط میں کسی کو پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔''

پھر دونوں مسکرانے لگیں تو فروہ نے کہا۔

''اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے۔ اگر ہم انسان خط کے ذریعے ایک دوسرے کو اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں۔''

''یو۔ آر۔ رائیٹ......میرا سیل نمبر لکھ لیں۔ میں خط بھی پہنچا دونگی اور دعا بھی مانگوں گی۔ آپ کال کر کے پوچھ سکتی ہیں۔''

فضلیت پروین کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ مرتضیٰ صاحب بیرون ملک بیٹیوں کو بیاہنے پر ہرگز رضامندہ نہ ہونگے مگر وہ پھر بھی اُسے شوہر سے بات کرنے کا کہہ رہی تھیں۔

آخر وہ کہنے لگیں۔

''میں مجبور ہوں......وہ چاہتے ہیں کہ فروہ اور فاریہ یہیں لاہور میں بیاہی جائیں۔''

''فضیلت بڑا اچھا رشتہ ہے......اگر تم مان جاؤ تو بہت اچھی رہو گی۔ تمہاری فروہ تو بڑی منہ پھٹ ہے وہ شاید نہ مانے مگر تمہاری فاریہ بڑی سمجھدار اور فرمانبردار بچی ہے اس کے لیے ہی ہاں کہہ دو۔''

''میرے ہاں کہنے یا نہ کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے آخر میں فیصلہ تو ان کے ابو کو ہی کرنا ہے......جب وہ ہی راضی نہیں تو میں کیا کروں؟''

اسی اثناء میں مرتضیٰ صاحب بھی دفتر سے لوٹ آئے۔ انہوں نے ان کے قریب آکر سلام کیا فضیلت سلام کا جواب دینے کے بعد چارپائی سے اُٹھ بیٹھی تاکہ شوہر کے پینے کو کچھ لے آئیں مگر جاتے جاتے پروین کو اشارے سے مرتضیٰ صاحب سے بات کرنے کا بھی کہہ گئیں۔

مرتضیٰ صاحب کچھ فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھ گئے تو پروین نے ڈرتے ڈرتے بات کرنا شروع کی۔

''بھائی صاحب بڑا اچھا رشتہ ہے لڑکا بہت پڑھا لکھا ہے لندن میں رہتا ہے......اگر آپ مان جائیں تو فاریہ بیٹی بہت سکھی رہے گی اور آپ بھی ساری عمر دعائیں دینگے''

اس سے پہلے کہ مرتضیٰ صاحب کچھ کہتے فروہ، فاریہ، ارسہ اور ناز کو لیے کمرے سے نکل آئیں فروہ نے آہستہ سے کہا۔

''فاریہ پھر تم کہتی ہو میں غصہ ہوتی ہوں اب کوئی ایسی الٹی سیدھی باتیں کرے گا تو کیا میں اس پر پھول برساؤں گی۔''

''فروہ خاموش رہو......خالہ تم سے بڑی ہیں۔''

ارسہ نے تعجب اور حیرت سے پروین اور فروہ کو دیکھا۔

''فروہ کیا بات ہے؟ تمہیں اتنا غصہ کیوں آرہا ہے؟''

''ارسہ یہ جو خالہ پروین ہیں نا آئے روز ہمارے گھر کی فضا کو گرم اور ماحول کو ناخوشگوار کر جاتی ہیں۔''

ارسہ چونکہ صورت حال سے لاعلم تھیں اس لیے اپنی تمام تر حمایت فروہ کی جھولی میں ڈال دی۔

''فروہ تمہیں ایسی عورت کو گھر میں گھسنے ہی نہیں دینا چاہیے۔''

''میں تو دومنٹ میں ان کا داخلہ بند کر دوں مگر ہر بار فاریہ ہی میری راہ میں روڑے اٹکا دیتی ہے۔''

اس سے پیشتر کہ ارسہ کچھ کہتی مرتضیٰ صاحب کی نظر اُن پر پڑی وہ کرسی سے اُٹھے اور آگے بڑھ کر ارسہ اور ناز کے سر پر پیار دیا ان کا حال احوال پوچھا۔ اسی لمحے فضیلت بیگم پانی کا گلاس لے کر وہاں آگئیں اس نے گلاس مرتضیٰ صاحب کی طرف بڑھایا مگر انہوں نے فی الحال رکھنے کا کہہ دیا تھا۔ جوں ہی وہ فضیلت، مرتضیٰ صاحب اور پروین کو خدا حافظ کر کے صحن کی طرف چلی آئیں مرتضیٰ صاحب نے پانی کا گلاس پکڑ لیا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگے۔

ارسہ اور ناز کو الوداع کہنے کے بعد فروہ اور فاریہ سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں فاریہ کو ڈر تھا کہ اگر وہ برآمدے میں رُکیں تو ماحول بگڑ جائے گا۔ فروہ تو بیڈ پر جا کر لیٹنا چاہتی تھی مگر فاریہ نے اصرار کیا کہ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر باہر ہونے والی بات چیت کو سنے۔ وہ کان لگا کر باتیں سن رہی تھیں کہ ان کے کانوں میں والد کی باتوں کی آواز آئی۔

''مجھے اس رشتے میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔''

اتنا سننا تھا کہ فروہ آگ بگولہ ہو گئی۔

''بس تم یوں ہی فرمانبردار بنی رہنا اور ابو تمہارا رشتہ طے کر دینگے اور اگر ایسا ہوا تو میں اس گھر میں طوفان برپا کر دونگی۔''

''فروہ پہلے پوری بات تو سن لو پھر دل کی بھڑاس نکالنا۔''

''لیکن میں اپنی بیٹی کو بیرون ملک بیاہنے کو تیار نہیں......دیکھیں باجی ہم کوئی رئیس اور جاگیردار تو ہیں نہیں کہ جب بیٹی سے ملنے کو جی چاہے ہم ٹکٹ کروالیں گے......ہم غریب لوگ ہیں اگر بیٹی کو اتنی دور بیاہ دیا تو اس کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جائینگے......پھر میری فاریہ بیٹی تو بہت ہی معصوم ہے آج کل تو ایسے ایسے فراڈ ہو رہے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے......میری تو دعا ہے کہ اللہ میری بچیوں کے لیے اسی شہر میں اچھے مقسوم پیدا فرماوے......اگر اس شہر میں ممکن نہیں تو کم از کم اس ملک میں۔''

''بھائی صاحب جیسے آپ کی مرضی......مگر آپ غور ضرور کیجیے گا۔''

''جب ایک کام کرنا ہی نہیں تو پھر سوچنا کیسا......وہ پنجابی کا محاورا ہے نا! جس پنڈ نہیں جانا اوہندا راہ کی پچھنا۔''

پروین مزید کچھ نہ کہہ سکیں سلام کیا اور اپنے گھر چلی آئیں۔

اب باری فاریہ کی تھی۔

''خواہ مخواہ میں آگ بگولہ ہو جانا تمہاری عادت بن چکی ہے...... تم تو خود بھی پریشان ہوتی رہتی ہو اور میرا بھی دماغ خراب کرتی ہو...... اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت......''

فروہ مسکرانے لگی۔

''ماشاء اللہ مس ٹینشن بھی ایسی باتیں کرنے لگی ہے۔''

''خبردار جو تم نے مس ٹینشن کہا...... وہ تو کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم میں خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔''

''میں خود اعتمادی کے بارے تو کچھ نہیں جانتی لیکن مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ اس گھر میں میرے لیے کوئی رشتہ نہیں آ سکتا۔''

''یہ تو تم غلط کہہ رہی ہو آج تک جتنے بھی رشتے آئیں ہیں وہ زیادہ تر تمہارے لیے ہی تھے۔''

''پاگل باقاعدہ تو کوئی نہیں آیا ناں یہ تو خالہ پروین ہیں جو آتی رہتی ہیں...... میں جانتی ہوں اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں شاذ کے علاوہ کسی کو نہیں لکھا...... یہ بات مجھے بڑی خوشی دیتی ہے کہ رب کے فیصلوں کے سامنے کسی انسان کے فیصلے اور سوچ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ...... اس لیے نو ٹینشن...... ڈونٹ وری۔''

''مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ یہ فاریہ بول رہی ہے...... ڈری سہمی، رونے والی اور ہر وقت پریشان رہنے والی فاریہ۔''

فاریہ مسکرانے لگی۔

☆

ایک سال انٹرن شپ کرنے کے بعد فروہ نے ہسپتال جانا چھوڑ دیا تھا مگر پھر بھی اکثر پیشنٹ اس کے گھر آ جایا کرتے تھے وہ اپنے پیشنٹ اور اس کی ماں کو خدا حافظ کہنے کو دروازے تک آئی تھی مگر جب اس نے دروازہ کھولا تو والد کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

مرتضیٰ صاحب عموماً چار پانچ بجے کے قریب دفتر سے لوٹا کرتے تھے مگر آج وہ دو بجے ہی گھر لوٹ آئے تھے۔ فروہ نے جب پیشنٹ کو خدا حافظ کہا تو مرتضیٰ صاحب نے سوال کیا۔

''باقی سب کہاں ہیں؟''

''باقی...... مطلب فاریہ اور امی......''

''ہاں...... میں انہی کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ برآمدے میں کپڑوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف ہیں...... ابو آپ آج اتنی جلدی گھر کیسے آ گئے...... اور یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟''

فروہ نے والد کے ہاتھ میں شاپر کو دیکھ کر سوال کیا تو مرتضیٰ صاحب نے جواب دیا۔

''یہ...... یہ مٹھائی ہے۔''

''مٹھائی...... مگر کس خوشی میں؟''

''خوشی...... خوشی تو بہت بڑی ہے مگر اندر چل کے بتاتے ہیں۔''

فروہ والد کے ہاتھ سے شاپر پکڑ کر ان کے ساتھ برآمدے میں چلی آئی۔ فروہ کی طرح فاریہ اور فضیلت کو بھی مرتضیٰ صاحب کے جلدی گھر آ جانے پر حیرت ہو رہی تھی۔

''آپ اتنی جلدی...... خیر تو ہے نا!''

مرتضیٰ صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''سب خیر ہے......''

''ابو پھر آپ اتنی جلدی گھر کیسے آ گئے؟''

فاریہ کے سوال پر مرتضیٰ صاحب ہلکا سا مسکرائے۔

''آج میں آپ سب کے لیے بہت بڑی خوشخبری لایا ہوں۔''

فضیلت بیگم نے ناگواری سے کہا۔

''خوشخبری...... خوشخبری کا بھلا یہاں کیا کام؟''

''بیگم اللہ کی ناشکری نہیں کرتے......''

فروہ کو خوشخبری سننے کی بے چینی لگی ہوئی تھی۔

''ابو آپ امی کی باتوں کا برا مت مانیں...... بس ہمیں جلدی سے خوشخبری سنائیں۔''

''سناتے ہیں...... سناتے ہیں پہلے ایک گلاس پانی تو پلا دو۔''

''میں ابھی لائی۔''

فاریہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی قمیض کو وہیں رکھا اور بھاگی بھاگی والد کے لیے پانی کا گلاس لے آئی اسے والد کی طرف بڑھا کر بولی۔

''اب جلدی سے خوشخبری سنائیں ورنہ بعد میں اصرار نہ کیجیے گا کیونکہ ہم پھر نہیں سنیں گے۔''

فروہ نے چڑ کر کہا۔

"ابو آخر آپ سسپنس کیوں کریئیٹ کرتے ہیں؟"

"بچو تم لوگوں کی سن گئی میری پرموشن ہو گئی ہے۔"

"کیا؟"

فروہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل!"

"یاہو......"

دونوں بہنیں خوشی سے اُچھل پڑیں دونوں نے آگے بڑھ کر ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ فاریہ ماں سے گلے ملنے لگی اور فروہ نے والد کو گھیر لیا۔

"آج ہم بہت خوش ہیں...... اتنے خوش...... اتنے خوش کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے......ابو اب ہماری ساری خواہشیں بر آئیں گی ہماری منزل ہمارے پاس خود چل کر آئے گی۔"

فروہ کی خوشی کو دیکھتے ہوئے مرتضٰی صاحب نے پوچھا۔

"میری بیٹی خوش ہے۔"

"ابو بہت خوش...... آپ نہیں جانتے کہ ہمیں کتنی بڑی خوشی ملی ہے......آج آپ کی پسند کا کھانا پکے گا اور اس خوشخبری میں کھانا میں اور فاریہ پکائیں گی۔"

"چلیں بیگم آج آپ ریسٹ کریں۔"

فضیلت بیگم نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"زیادہ اچھلنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟" فروہ نے کہا۔

"نظر لگ جاتی ہے...... پھر ہم غریبوں کی خوشیوں کو تو کچھ جلدی ہی نظر لگتی ہے۔"

خوشی کے عالم میں نہ تو مرتضٰی صاحب کو دروازہ بند کرنا یاد رہا تھا اور نہ ہی فروہ کو۔

پروین گلی میں سے گزر رہی تھی کہ دروازہ کھلا دیکھ کر اندر چلی آئیں انہیں اپنی آمد سے بے خبر پا کر پروین برآمدے کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہو کر ان کی باتیں سننے لگی تھیں۔

"امی ہم کونسا محلے میں ڈھنڈورہ پیٹ رہیں ہیں...... آپ تو چاہتی ہیں کہ ہم گھر میں بھی چوروں کی طرح کھسر پھسر کریں......کم از کم میرے سے تو یہ ہونے والا نہیں۔"

فروہ کی بات سن کر مرتضٰی مسکرائے۔

"اپنی ماں کی باتوں کا برا مت مانو...... جو جی میں آئے کرو ہماری طرف سے مکمل آزادی ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات......ابو زندہ باد۔"

فاریہ نے بھی نعرے لگانے میں بہن کا بھرپور ساتھ دیا تھا والد کو مسکا لگا کر فروہ نے اپنی فرمائش سامنے رکھ دی تھی۔

"ابو آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"کیسی درخواست؟"

"اب آپ ہمیں کسی اچھے سے ایریا میں بڑا سا گھر خرید دیں۔"

مرتضٰی صاحب کے کچھ کہنے سے پہلے فضیلت بیگم بول پڑیں۔

"گھر خریدیں یا تم دونوں بہنوں کی شادیاں کریں۔"

فروہ نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے کہا۔

"امی آپ کو تو ہر وقت شادیوں کی فکر کھائے رکھتی ہے......اور بھی غم ہیں زمانے میں شادیوں کے سوا......ابو ہمیں تو ایک بڑا سا اور خوبصورت سا گھر چاہیے۔ ہم نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا......"

"اللہ تم دونوں بہنوں کو بڑے بڑے گھر دے گا......ہم غریبوں کے بس کی یہ بات نہیں۔"

"امی ہمیں اپنا گھر چاہیے۔"

"بیٹی وہ ہی تو تمہارا اصلی گھر ہو گا والدین تو بیٹیوں کو عارضی ٹھکانہ ہی دے سکتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ فروہ ماں سے تکرار کرنے بیٹھ جاتی پروین اندر چلی آئی تھیں۔

"فروہ بیٹی تمہاری ماں ٹھیک کہتی ہے......بیٹیاں پرایا دھن ہی ہوتی ہیں۔"

پروین کو یوں اچانک دیکھ کر سب ہکا بکا رہ گئے۔ جوں ہی اس کی نظر چارپائی پر رکھے مٹھائی کے ڈبے پر پڑی تو بولیں۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں آئی ہے......؟ کیا دونوں میں سے کسی کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔"

فروہ تو آگ بگولہ ہی ہو گئی مگر فاریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور مدھم سی آواز میں اُسے خاموش رہنے کا کہا تھا وہ سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھ رہی تھیں اب ان کے لیے جھوٹ بولنا ناممکن تھا اس لیے مرتضٰی صاحب نے مٹھائی کی وجہ بھی بتا دی اور ساتھ ہی فروہ کو چائے بنانے کا بھی کہہ دیا۔

دونوں بہنیں کچن میں چلی آئیں۔ جوں ہی چائے تیار ہوئی فاریہ ٹرے لیے برآمدے میں آ گئی۔ کچھ دیر پروین وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں اور پھر اجازت پا کر گھر چلی آئیں جاتے ہوئے فضلیت نے ایک پیکٹ مٹھائی کا پکڑا دیا۔

ابھی پروین کو گئے دو گھنٹے گزرے تھے کہ محلے والوں کی آمد شروع ہو گئی جو رات گئے تک جاری رہی جو رات میں مبارک باد نہ دے سکے انہوں نے صبح سویرے ہی ان کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ دو تین روز ان کے گھر میلا سا لگا رہا تھا۔ اس دن فروہ اور فاریہ کا زیادہ وقت کچن میں گزرا تھا اور فضلیت بیگم کا محلے کی عورتوں کے پاس۔

ابھی پروموشن کی خوشی تازہ ہی تھی کہ مرتضیٰ صاحب نے انہیں گھر کی خوشخبری سنا دی۔ فاریہ اور فروہ تو خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگی تھیں ان کے تو پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ وہ تو سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ اتنی جلدی ان کی سب سے بڑی رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔ جس لمحے کا انہوں نے پورے نو سال انتظار کیا وہ بالآخر آ گیا تھا۔ اب تو انہیں سو فیصد یقین ہو گیا کہ یہ سب نشانیاں انہیں منزل کی نوید سنا رہی تھیں۔ وہ تو خوشی میں بھول ہی گئی تھیں کہ ان کے والد نے یہ سب کیسے کیا مگر فضلیت بیگم کو جوں ہی یہ خبر ملی انہوں نے شوہر سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

''آخر آپ کے پاس اتنی خطیر رقم کہاں سے آئی۔''

''بیگم اگر نیت ہو تو اللہ کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور بنا دیتا ہے...... میں نے بھی اچھے سے علاقے میں ایک بڑا سا گھر خریدنے کی نیت کی تھی اور میرے رب نے اس کا انتظام کر دیا۔''

''آخر پتہ بھی تو چلے یہ انتظام کیسے ہوا؟''

''میں نے یہ گھر فروخت کر دیا ہے...... ہمیں ایک دو روز میں اسے خالی کرنا ہو گا۔''

''کیا اس کی مالیت کے برابر کسی اچھے علاقے میں گھر مل سکتا ہے۔''

''نہیں......''

''یہی تو میں پوچھنا چاہتی ہوں آخر باقی کی رقم کہاں سے آئی...... آپ نے کہیں بنک سے قرض تو نہیں لے لیا...... اگر ایسا کیا ہے تو بہت برا کیا بچیوں کی ضد کی خاطر آپ نے خود کو اپنے گھر کو حتیٰ کہ اپنی ملازمت کو بھی داؤ پر لگا دیا...... سب کچھ گروی رکھ دیا...... آپ نے بہت برا کیا...... بہت برا۔''

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔''

''تو رقم کہاں سے آئی؟''

''کچھ رقم گھر فروخت کر کے ادا کی ہے اور باقی عمر بھر کی جمع پونجی سے۔''

''اب فروہ اور فاریہ کی شادیوں کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟''

''وہ اوپر والا بڑا کارساز ہے۔ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا...... پھر میں نے جو کچھ بھی کیا ہے انہی کے اچھے اور روشن مستقبل کے لیے ہی تو کیا ہے...... گھر بڑا ہو گا تو رشتے بھی اچھے ملیں گے۔''

مرتضیٰ صاحب نے بہت دلائل دیے مگر فضلیت بیگم پھر بھی شوہر کے فیصلے سے خوش نہ تھیں۔ اب کوئی راستہ بھی نہ بچا تھا سوائے اس کے کہ وہ یہ مکان خالی کر دیں۔

اگرچہ انہیں یہ گھر ایک دو روز میں خالی کرنا تھا مگر فضلیت بیگم اب یہاں رکنے کو تیار نہ تھیں آخر سب کی متفقہ رائے سے یہ طے پایا کہ وہ صبح ہی اس محلے اور گھر کو چھوڑ جائینگے۔ فروہ اور فاریہ کو جہاں نئے گھر شفٹ ہونے کی خوشی تھی وہاں پرانے گھر کو چھوڑ کر جانے کا افسوس بھی تھا۔

فضلیت بیگم کی باتوں سے مرتضیٰ صاحب بھی تھوڑے سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ فضلیت بیگم تو ویسے ہی دکھی تھیں اس لیے دونوں میاں بیوی چپ چاپ کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ سونا چاہتے تھے مگر آنکھیں موندھ لینے کے باوجود وہ بیدار تھے۔ فروہ اور فاریہ نے تو یہ رات آنکھوں میں کاٹنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے سے پہلے یہاں کی تصویر اور وابستہ یادوں کو دل و دماغ میں سمو لینا چاہتی تھیں۔ وہ رات بھر گھر بھر میں گھومتی رہیں۔ ہر کونا ہر دیوار انہیں کسی نہ کسی چیز کی یاد دلا دیتی تھی بچپن سے اب تک کے سارے دن ایک فلم کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے چل رہے تھے۔ اس گھر سے محبت و وابستگی کی ایک بڑی وجہ شاذ بھی تھا۔ وہ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھیں کہ شاذ کے تصور نے اسی گھر میں ان کے ذہن میں جنم لیا تھا۔ یادیں کبھی تو انہیں اشکبار کرتی تھی اور کبھی ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی تھیں۔

ان کا ارادہ تو خاموشی سے نئے گھر شفٹ ہونے کا تھا مگر ان کی بے پناہ کوشش کے باوجود یہ خبر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ شفٹنگ کے دوران یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ان کے گھر محلے داروں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا سب ہی ان کے یہاں سے چلے جانے پر افسردہ اور رنجیدہ تھے اس وقت فاریہ اور فروہ کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں تھیں مگر وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھیں کہ منزل تک پہنچنے کے لیے انسان کو میلوں کی مسافت طے کرنا پڑتی ہے بہت کچھ کھونا

پڑتا ہے۔ کیونکہ انسان راستے میں چاہے سالوں پڑاؤ ڈال لے ہمیشہ کے لیے وہاں نہیں رہ سکتا۔ سکون واطمینان اُسے صرف منزل ہی دے سکتی ہے گو ان کا پڑاؤ یہاں بہت طویل تھا جس کی وجہ سے اُنسیت ومحبت تھی مگر انہیں منزل کی خاطر سب قربان کرنا تھا۔

☆

مرتضٰی صاحب آفس میں بیٹھے فائلوں کی ورق گردانی کر رہے تھے کہ ان کے کانوں میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی انہوں نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا تو اپنے سامنے حمید صاحب کو پا کر ششدر رہ گئے۔ ایک دم کرسی چھوڑی اور آگے بڑھ کر دوست کو گلے لگا لیا۔ کھڑے کھڑے ہی انہوں نے ایک دوسرے سے سلام دعا کی۔ حال احوال پوچھا۔ پھر مرتضٰی صاحب نے انہیں کرسی پر بیٹھنے کا کہا اور خود بھی اپنی کرسی پر براجمان ہو گئے۔

‘‘اتنے سالوں بعد پاکستان کا خیال کیسے آ گیا؟’’

‘‘مرتضٰی صاحب انسان کہیں بھی چلا جائے کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو جائے اپنے وطن کی مٹی کو کبھی نہیں بھولتا...... مجھے بھی یہاں کی خوشبو کھینچ لائی ہے۔’’

‘‘آپ نے درست فرمایا۔’’

مرتضٰی صاحب نے گھنٹی بجائی تو حمید صاحب بولے۔

‘‘پلیز نو فارمیلٹی۔’’

‘‘اس میں تکلف والی کیا بات ہے۔’’

اتنے میں رشید کمرے میں داخل ہو گیا۔

‘‘حمید صاحب کیا لیں گے...... چائے یا کافی۔’’

‘‘چائے...... میرے خیال میں چائے ٹھیک رہے گی۔’’

‘‘رشید دو کپ چائے اور ساتھ میں کچھ کھانے کو لے آؤ۔’’

‘‘جی صاحب’’

رشید کے جانے کے بعد منقطع سلسلہ کلام دوبارہ شروع ہوا۔

‘‘میں اپنے محلے گیا تھا مگر وہاں جا کے پتہ چلا آپ مکان فروخت کر کے جا چکے ہیں...... آپ کے نئے گھر کا ایڈریس تو میں نے آسانی سے حاصل کر لیا مگر یہ سوچ کر یہاں چلا آیا کہ جانے بھابھی اور بیٹیاں مجھے پہچان بھی پائیں یا کہ نہیں۔’’

‘‘حمید صاحب آپ کیسی بیگانوں والی بات کر رہے ہیں۔’’

‘‘کئی سال بیت گئے ہمیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے...... وقت کی گرد چہرے دھندلا دیتی ہے سوچا میرا بھی چہرہ وقت کی گرد تلے دب چکا ہو گا۔’’

‘‘حمید صاحب ہم وہ لوگ نہیں جو چہروں کو فریم کروا کے سٹور میں پھینک دیتے ہیں جہاں کی گرد انہیں کھا جاتی ہے...... ہم تو دوستوں کے چہروں کو دل میں بساتے ہیں اور آنکھوں میں سجاتے ہیں۔ اب یہاں سے کسی صورت کو مٹانے کے لیے صرف اور صرف موت ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔’’

‘‘آئی نو مرتضٰی صاحب...... آئی نو......’’

‘‘جائیں حمید صاحب آپ نے تو دل ہی توڑ دیا......’’

اسی دوران رشید چائے اور لوازمات لیے کمرے میں داخل ہوا ٹرے میز پر رکھی اور بولا۔

‘‘صاحب جی کچھ اور چاہیے تو میں باہر ہی کھڑا ہوں......’’

‘‘فی الحال جاؤ اگر ضرورت پڑی تو بلوا لیں گے۔’’

کچھ دیر بات چیت کے بعد حمید صاحب نے گھر چکر لگانے کا وعدہ کیا اور پھر وہاں سے رخصت ہو گئے۔

☆

سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ فضیلت بیگم نے حمید صاحب سے فیملی کو ساتھ نہ لانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ ان کی بیوی اور بچے اپنے عزیز واقارب سے ملنے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے چونکہ انہیں لاہور میں کچھ ضروری کام نمٹانے تھے اس لیے وہ ان کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔ فضیلت بیگم کے سوال و جواب ختم ہوئے تو مرتضٰی صاحب نے سعودی عرب کے بارے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

‘‘حمید صاحب وہاں کے حالات کیسے ہیں؟’’

‘‘مرتضٰی صاحب وہاں کسی کو basic needs کے لیے یوں پریشان نہیں ہونا پڑتا جتنا یہاں ہمارے لوگوں کو۔’’

‘‘حمید صاحب اگر یہاں کے لیڈر سدھر جائیں تو ہماری عوام بھی خوشحال ہو جائے...... مگر وہ تو خود اس ملک کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔’’

‘‘مرتضٰی صاحب میں تو کہتا ہوں آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔’’

مرتضٰی صاحب خاموش تھے مگر اب فروہ نے اپنی رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھا تھا

اس لیے بولی۔

"انکل ہمارے لیے یہاں کی مٹی ہی سونا ہے...... انشاء اللہ اس ملک کو کچھ نہیں ہوگا اگر یہ ملک لیڈروں کے ہاتھوں تباہ ہونا ہوتا تو کب کا اس کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔ کیونکہ ہمیں آج تک کوئی بھی اچھا لیڈر نہیں مل سکا...... اس ملک کی حفاظت اللہ کرے گا اور ہمارا وطن تاقیامت سلامت رہے گا۔"

فاریہ بھی بولی۔

"کاش! ہمارے ملک کو بھی ایران کے بادشاہ خامنی جیسا ایک حکمران مل جائے۔"

فضلیت بیگم نے جب دیکھا کہ سیاست اور ملک پر بحث طویل ہوتی جارہی تھی تو غصے سے بولیں۔

"بھائی صاحب آپ اس بحث کو چھوڑ دیں۔ اس سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں...... کیونکہ نہ تو ہمارے ملک کے حالات بدلنے والے ہیں اور نہ ہی ہمارے گھر کے...... دونوں کے سربراہان ایک ہی خمیر کے بنے ہوئے ہیں......"

"کیا بات ہے بھابھی آپ مرتضٰی صاحب سے کچھ خفا لگتی ہیں؟"

"خفا نہ ہوں تو کیا کروں...... انہیں کسی چیز کی پرواہ جو نہیں...... بیٹیاں جوان ہیں مگر انہیں کوئی فکر ہی نہیں...... انہیں پرسکون دیکھ کر تو کبھی کبھی مجھے بھی گمان ہونے لگتا ہے کہ ابھی فروہ اور فاریہ تین چار سال کی بچیاں ہیں۔"

مرتضٰی صاحب نے ٹھوس انداز میں کہا۔

"بچیاں نہیں تو کیا بوڑھیاں ہیں؟"

"دیکھ لیں بھائی صاحب...... دیکھ لیں...... ان کی انہی باتوں سے میرا خون کھولنے لگتا ہے۔"

حمید صاحب کو نیپکین سے لبوں کو صاف کرتے دیکھ کر فضلیت بیگم بولیں۔

"بھائی صاحب آپ نے اتنی جلدی ہاتھ روک لیا...... کچھ تو اور لیں نا!"

"بھابھی میں نے بہت سیر ہو کر کھایا ہے...... کھانا بہت مزے کا تھا اس لیے چاہتے ہوئے بھی ہاتھ نہ روک سکا۔"

ملازم نے فاریہ کی کرسی کے قریب آ کر کہا۔

"بی۔ بی آپ کا فون ہے۔"

"میرا فون...... اس وقت کون ہوسکتا ہے۔"

"جی کوئی ارسہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"ارسہ......"

فاریہ نے حیرت سے کہا اور سوالیہ نظروں سے فروہ کی طرف دیکھا اس نے جواب میں کندھے اُچکا دیے۔ تو فاریہ اٹھ کر وہاں سے چلی آئی فروہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔

مرتضٰی صاحب نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا تو فضلیت بیگم نے ملازم کو آواز دی اور اسے ٹیبل سے برتن اٹھانے کا کہہ کر خود بھی ان کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

فاریہ کان کو ریسیور لگائے ارسہ سے اس وقت فون کرنے کی وجہ دریافت کررہی تھی اور فروہ اس کے پاس کھڑی اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ جلد ہی اُسے پتہ چل گیا کہ سب خیریت تھی مگر اس کے باوجود وہاں کھڑی رہی تھی۔

"بس جی چاہ رہا تھا تم سے بات کرنے کو۔"

"کسی دن گھر کیوں نہیں آجاتی؟"

"آؤں گی...... ضرور آؤں گی"

"جلدی چکر لگا لو...... ویسے بھی جب سے ہم نئے گھر شفٹ ہوئے ہیں تم ایک دفعہ بھی ملنے نہیں آئی۔"

"جلد ہی چکر لگاؤں گی۔"

اسی وقت ارسہ کو ماں کی آواز سنائی دی تو اس نے فاریہ سے پھر بات کرنے کا کہہ کے ریسیور رکھ دیا۔ فاریہ کے ریسیور رکھتے ہی فروہ اس سے اس کی ارسہ سے بات نہ کروانے پر شکوہ شکایت کرنے لگی۔ تو فاریہ نے کہا۔

"آنٹی بلا رہی تھیں اس لیے ارسہ نے جلد فون رکھ دیا۔ اب میں تمہاری بات کیسے کرواتی۔"

بہن کا جواب سن کر وہ مطمئن ہوگئی اور پھر دونوں نے ڈرائنگ روم کا رخ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر وہ ابھی اندر داخل نہ ہوئیں تھیں کہ حمید صاحب کی بات سن کر رک گئیں۔

"بھابھی اگر آپ اجازت دیں تو میں فروہ اور فاریہ کے رشتوں کے لیے کوشش کروں۔"

"ضرور بھائی صاحب یہ تو ہاتھ ہلانے والے نہیں۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں میں جاتے ہی کوشش شروع کردونگا...... ہمارے ایریا میں بہت سی ول ایجوکیٹڈ اور ول ٹو ڈو فیملیز ہیں۔"

"حمید صاحب لڑکے پڑھے لکھے ہوں۔ پڑھی لکھی بچیاں ان پڑھوں کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ ان کی بات کو سمجھ نہیں پاتے جس سے فاصلے بڑھ جاتے ہیں پھر اختلافات جنم لیتے ہیں اور نتیجہ طلاق کی صورت نکلتا ہے۔"

"دیکھا آپ نے بھائی......ان کی انہی قیاس آرائیوں کی وجہ سے فروہ اور فاریہ ابھی تک کنواری بیٹھی ہوئی ہیں...... ہر رشتے میں کیڑے نکالنا ان کی عادت بن چکی ہے اگر یوں ہی سوچتے رہے تو پھر کچھ نہیں ہونے والا...... اگر انسان دریا کے کنارے کھڑا ہو کر یہی سوچتا رہے کہ اگر میں چھلانگ لگا دوں تو جانے بچ بھی پاؤں یا نہیں تو وہ صرف وقت برباد کرتا ہے۔ بہادری تو اسی میں ہے کہ چھلانگ لگا دی جائے۔"

"میں تجربے کی خاطر اپنی بیٹیوں کی زندگیاں برباد نہیں کر سکتا۔"

"بس ڈرتے رہیں......"

"بھابھی آپ بے فکر ہو جائیں...... مرتضیٰ صاحب آپ مجھے فروہ اور فاریہ بیٹی کی qualification بتا دیں۔"

"فروہ ایم۔ایس۔سی سائیکالوجی اور ڈی۔پی سی کے بعد ایک سال کی انٹرن شپ کر چکی ہے آج کل ڈریس ڈیزائننگ کا شوق سوار ہے۔"

"اور فاریہ بیٹی۔"

"فاریہ ایم۔اے انگلش اور ایم۔ایس ماس کام کے بعد ایم فل کر رہی ہے۔"

یہ سنتے ہی حمید صاحب نے فاریہ کے لیے اپنی یونیورسٹی میں لیکچرر شپ کے لیے کوشش کرنے کا ارادہ بنا لیا تھا۔ مرتضیٰ صاحب اور فضلیت بیگم بھی آخر کار مان گئے تھے۔ کیونکہ حمید صاحب نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی یہی ان کے مسئلے کا حل تھا۔

فروہ نے جب دیکھا کہ اس کے والدین راضی ہو گئے تھے تو وہ غصے میں آ گئی۔ فاریہ اسے ٹھنڈا کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ مگر اس کا پارا اس وقت بہت چڑھ گیا جب مرتضیٰ صاحب نے فاریہ سے اپنے ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپیاں لا کر حمید صاحب کو دینے کا کہا اور فاریہ فوراً ہی ان کا حکم بجالانے کو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ فروہ بھی اس کے پیچھے آنا چاہ رہی تھی مگر اس نے بہن کو وہیں رکنے کا کہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فاریہ اپنے دستاویزات کی کاپیاں لے کر واپس آ گئی فروہ اب بھی منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ مگر فاریہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ چپ چاپ ڈاکومنٹس کی کاپیاں حمید صاحب کو تھمائیں اور خود ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

حمید صاحب نے ایک نظر کاغذات پر ڈالنے کے بعد ستائشی انداز میں کہا۔

"بیٹی کا academic career دیکھ کر میں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ فاریہ بیٹی کو لیکچرر شپ ضرور ملے گی۔ وہاں تو ایسے لوگوں کی بہت کمی ہے۔"

"حمید صاحب میں چاہتا ہوں فاریہ بیٹی کا فیوچر سیو ہو جائے۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں۔"

جتنی دیر بھی حمید صاحب وہاں بیٹھے رہے فروہ کے لبوں پر ایک بار بھی مسکراہٹ نہ پھیلی وہ غصے سے کبھی والدین تو کبھی بہن کو گھور رہی تھی۔ پھر جوں ہی حمید صاحب نے اجازت چاہی اور وہ دونوں بہنیں کمرے میں آ گئیں فروہ اس پر برس پڑی۔

"تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے...... میں تم سے اتنے احمقانہ فیصلے کی اُمید نہیں رکھتی تھی مگر تم نے میری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا...... میں تمہیں ہرگز اس کی اجازت نہیں دونگی۔ میں انکل کو ابھی منع کر دوں گی۔ تم پاکستان چھوڑ کر نہیں جا سکتی بلکہ میں تمہیں جانے ہی نہیں دونگی۔"

"مگر میں جاؤں گی...... سب کو اپنے مستقبل کو سنوارنے کا حق حاصل ہے اگر میں یہ حق استعمال کر لوں گی تو کوئی قیامت نہیں آئے گی۔"

فاریہ زندگی میں پہلی بار بہن کے غصے سے مرعوب نہ ہوئی تھی ورنہ اگر کبھی فروہ اس کے کسی فیصلے پر اسے ذرا سا بھی گھورتی یا منہ ہی بنا لیتی تو وہ سمجھ جاتی تھی کہ اس کا فیصلہ غلط تھا۔

"میں جانتی ہوں وہاں جانے سے تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے گا تم عمر بھر پچھتاؤ گی...... کیونکہ تم اپنی منزل سے جدا ہو جاؤ گی۔"

"میں منزل کو پانے کی خاطر ہی اتنا بڑا قدم اُٹھا رہی ہوں۔"

"مگر تم اُسے کھو دو گی۔"

مرتضیٰ صاحب اور فضلیت بیگم بھی حمید صاحب کے چلے جانے کے بعد یہی سوچ رہے تھے کہ آیا ان کا فیصلہ درست بھی تھا کہ نہیں۔ مرتضیٰ صاحب بیڈ پر بیٹھے وہم کا شکار ہو رہے تھے اور فضلیت بیگم چائے بناتے ہوئے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

"فروہ میں تو سمجھی تھی تم بہت عقلمند ہو مگر میں غلط تھی۔"

"مجھے پرواہ نہیں تم مجھے کیا سمجھتی تھی اور کیا نہیں۔ بس تم اپنا فیصلہ ترک کر دو۔"

"میں نہیں کروں گی...... کیونکہ میں جانتی ہوں میں شاذ کے علاوہ کسی اور کی دلہن بن

ہی نہیں سکتی۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

"میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے......فروہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی پاک سرزمین پر بلا رہا ہے۔ اور میں یہ موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دونگی۔ تم ہی تو کہتی ہو خوش قسمتی ہر ایک کے دروازے پر دستک دیتی ہے مگر اسے صرف خوش قسمت لوگ ہی سن پاتے ہیں...... میں سعودی عرب ضرور جاؤں گی۔"

"مگر ابو اور انکل مل کر تمہاری شادی کر دینگے تمہیں شاذ بھائی سے دور کر دینگے۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جب میں وہاں جا ہی اس نیت سے رہی ہوں کہ رب سے شاذ کو مانگ سکوں پھر ابو اور انکل کیسے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں......فروہ میں وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے شاذ کو اتنا مانگنا چاہتی ہوں اتنا مانگنا چاہتی ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے...... میں چاہتی ہوں میری اور شاذ کی زندگی ایک آئیڈیل لائف ہو...... ہمارا گھر دنیا میں جنت کا نمونہ ہو...... میں ایک ایسا مثالی گھر چاہتی ہوں جہاں کبھی لڑائی جھگڑے کی فضا قائم نہ ہو جہاں ہر وقت امن و آتشی، پیار و محبت رہے جہاں نہ صرف شاذ بلکہ اس کے والدین بھی مجھے چاہیں...... مجھے اپنے گھرانے کا حصہ بنانے پر فخر کرے...... میں زندہ رہوں تو مثال بن کر مروں تو مثال بن کر......نہ کبھی شاذ مجھے جیون ساتھی چننے پر پچھتائے اور نہ آنٹی اور انکل مجھے بہو بنانے پر۔"

"فاریہ بہت سے لوگوں نے تمہارے لیے خانہ کعبہ میں دعا مانگی ہے تمہیں سب ملے گا۔"

"مگر فروہ کوئی اس دل سے نہیں مانگ سکتا جس دل سے میں مانگوں گی...... کسی کے جذبے یا نیت پر میں شک نہیں کر رہی مگر عین ممکن ہے کہ کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو...... میں شادی سے پہلے ہر کمی پوری کرنا چاہتی ہوں...... میں خود وہاں جا کر مانگنا چاہتی ہوں...... کیونکہ وہاں کی گئی فریاد رد نہیں ہوتی۔"

"بے شک۔"

"تو مجھے جانے دو......فروہ میں عام زندگی گزار کے نہیں مرنا چاہتی...... نہ ہی میں چاہتی ہوں کہ میری محبت عام لوگوں کی محبت کی طرح لفظوں کی محتاج ہو یا مجھے ایک عام بیوی کی طرح اپنی وفا کا یقین دلانا پڑے...... میں چاہتی ہوں کہ نہ صرف شاذ بلکہ اس کے والدین بھی میرے مرنے کے بعد مجھے یاد رکھیں۔"

"تم ہر وقت مرنے کے بارے بات نہ کیا کرو...... تمہیں شہرت ملے گی تمہیں یاد ہے

بشریٰ نے تمہارا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا۔"

"میں شہرت بھی شاذ کے نام کی چاہتی ہوں......فروہ میرا خواب ہے کہ میری محبت اور میری زندگی قیامت تک کے لوگوں کے لیے ایک مثال ہو...... میں نہیں چاہتی کہ شاذ کو کبھی شکایت کا موقعہ ملے...... میں رب سے زندگی کی ہر خوشی مانگ لینا چاہتی ہوں......"

فاریہ کی آنکھوں میں اس کا خواب آنسوؤں کے ننھے ننھے جگنو بن کر منڈلانے لگے تھے۔ فروہ نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ فاریہ شاذ کے بارے میں سوچتی ہوگی یا کم از کم اُسے اتنا چاہتی ہوگی وہ تو یہی سوچتی تھی کہ بس وہی فاریہ کے ذہن میں شاذ کو بنانے کا جتن کرتی رہتی تھی ورنہ تو فاریہ کا دل کبھی بھی اس کے لیے نہ دھڑکا تھا۔

"فاریہ تم جب جہاز میں بیٹھو گی تو شاذ بھائی کو مانگو گی جب اس پاک سرزمین پر اترو گی تو بھائی کے لیے دعا کرو گی اور جب اس مقدس مقام کو چھوؤں گی تو رب سے صرف اور صرف بھائی کی فریاد کرو گی۔"

"فروہ میری زندگی میں شاذ کے علاوہ نہ تو کوئی دعا ہے اور نہ تمنا...... میں تو چاہتی ہوں کہ میں ہنسوں تو شاذ کے لیے روؤں تو شاذ کے لیے...... میں زندہ رہوں تو اس کے لیے مروں تو اس کے لیے...... میں سجوں سنوروں تو شاذ کے لیے...... میں دنیا و آخرت میں اُسی کے نام سے پہچانی جانا چاہتی ہوں۔"

فروہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے بہن کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کی صداقت کو محسوس کیا تھا اور اُسے افسوس بھی تھا کہ اس نے بہن کے جذبے پر شک کیا۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا تھا وہ اس بات سے بے خبر تھی۔ اس نے خود کو تسلی دینے کو کہا۔

"شاید میں جذباتی ہوگئی تھی۔"

☆

حمید صاحب سعودی عرب جانے سے پہلے جب آخری بار اُن سے ملنے کو آئے تھے تو انہوں نے انہیں لیکچرار شپ کی مکمل یقین دہانی کروائی تھی مگر یہ بھی کہا تھا کہ اس پروسیجر میں سال لگ جائے گا۔ فاریہ مطمئن تھی۔ کیونکہ اس کے ایم۔فل کے لیے بھی اتنا ہی وقت درکار تھا۔ مرتضیٰ صاحب بھی خوش تھے کہ اس طرح ان کی بیٹی کی پڑھائی میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

فاریہ نے اب اور زیادہ محنت سے پڑھائی شروع کر دی تھی فروہ بھی ڈریس ڈیزائنگ کے کورس میں بہت دلچسپی لینے لگی تھی۔ دونوں کو منزل بہت قریب دکھائی دے رہی تھی اس لیے

وہ چاہتی تھیں کہ خوب محنت کر لیں۔

بے پناہ مصروفیت کے باوجود شاذ کا تصور ہر وقت فاریہ کے ساتھ رہتا تھا اور اکثر وہ بیٹھے بیٹھے مسکرانے لگتی تھی۔

سب ٹی۔وی لاؤنج میں بیٹھے محوِ گفتگو تھے مگر فاریہ ان کے درمیان ہونے کے باوجود شاذ کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ جب کبھی بھی اُداس ہوتی تھی یا اس سے دوری کا احساس شدت اختیار کر جاتا تھا اور وہ خود کو بے بس پانے لگتی تھی کہ شاذ کا تصور عکس بن کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوتا تھا اس وقت وہ اسے اپنے اس قدر قریب محسوس کرتی تھی کہ اس کے وہم و گمان سے بھی یہ بات نکل جاتی تھی کہ وہ شاذ سے کوسوں دور تھی۔

فروہ کافی دیر سے بہن کو نوٹ کر رہی تھی اور جب اس نے محسوس کیا کہ اِرد گرد کے افراد اس کی کیفیت سے باخبر ہونے والے تھے تو وہ جلدی سے صوفے سے اُٹھی اور فاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ ہڑبڑا کر بولی۔

''کیا بات ہے؟''

''میرے ساتھ چلو۔''

مرتضٰی صاحب نے جو انہیں دیکھا تو بولے۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''ابو فروہ پتہ نہیں مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہے۔''

''میرے ساتھ چلو۔''

فروہ اُسے ساتھ لے جانے پر بضد تھی جبکہ فاریہ کا وہاں سے اُٹھنے کا کوئی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ فروہ بہن پر برسی تو فضیلت بیگم کو غصہ آ گیا اور وہ اُنہیں ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

''میں تم دونوں بہنوں کی لڑائی سے عاجز آ چکی ہوں۔''

فاریہ نے جب ماں کو غصہ ہوتے دیکھا تو چپ چاپ بہن کے ساتھ چلی آئی تھی۔ ان کے جاتے ہی مرتضٰی صاحب بیگم کو کول ڈاؤن کرنے کو بولے۔

''بیگم ایک وقت وہ بھی آئے گا جب آپ اسی نوک جھوک کو ترسا کریں گی۔''

''میں نہیں ترستی......''

لان میں آتے ہی فاریہ نے بہن سے اس اچانک تبدیلی کے بارے استفسار کیا تو وہ غصے سے بولی۔

''اگر تمہیں اپنے اموشن پر کنٹرول ہو تو مجھے ایسی حرکت نہ کرنی پڑے...... سوچو اگر امی ابو تمہارے مسکرانے کی وجہ پوچھتے تو......''

فاریہ خاموش ہو گئی کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی۔

''فروہ میں شاذ کو message سینڈ کر سکتی ہوں...... کچھ ہی عرصے میں ویسے بھی جا رہی ہوں۔''

''تو......''

''تو یہ کہ میں وہاں جا کر بھی یہ سلسلہ جاری رکھوں...... باہر کا نمبر دیکھ کر شاذ کو تجسس ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے وہ میری تلاش بھی شروع کر دے...... پھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک روز مجھ تک پہنچ جائے۔''

''فاریہ یہ اچھی بات نہیں۔''

''میں کونسا کال کروں گی...... میرے میسجز بھی سمپل اور سوبر ہونگے۔''

''بھائی تنگ آ سکتے ہیں۔''

''میں ہفتے میں صرف ایک دفعہ جمعہ کے روز سینڈ کروں گی...... حسن اتفاق دیکھو آج جمعہ کا دن ہے۔''

''آخر تمہارے دماغ میں یہ خیال کیسے آیا؟''

''یہ سب اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے...... تم جانتی ہو نا جو کام اوپر والے کی مرضی سے ہو وہ ہمیشہ سودمند ہی ہوتا ہے۔''

آخر کار فروہ راضی ہو گئی اس کے حامی بھرتے ہی فاریہ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

فاریہ سارا دن اِدھر اُدھر گھومتی رہی کئی کتابیں چھان ماریں مگر کوئی بھی خیال اس کے دل کو نہ چھوا تھا۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ نو بجے میسج سینڈ کر دے گی جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر بنا کچھ سوچے سمجھے وہ نو بجے وائرلیس لیے کمرے میں آ گئی فروہ بھی اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ دونوں بہنیں بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''فروہ درود پڑھو...... اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

فاریہ نے ابھی ''I'' ہی لکھا تھا کہ ذہن میں خیال آیا کیوں نہ میسج سینڈ کرنے سے پہلے یہ کنفرم کر لیا جائے کہ آیا اب بھی شاذ کے پاس وہی نمبر تھا کہ نہیں اس نے کئی بار نمبر ڈائل کیا مگر موبائل مسلسل مصروف جا رہا تھا۔ آخر کار اس نے سب خدا پر چھوڑ کر میسج لکھنا شروع کیا۔

انگلیاں وائرلیس کے بٹنوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور لب درود پڑھنے میں مصروف تھے۔

جب وہ میسج لکھ چکی تو فروہ نے اسے سنانے کو کہا۔

"I know you and you know me very well"

"تم نے یہ کیوں لکھا؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے......سینڈ کر دو۔"

میسج سینڈ کرنے کے بعد وہ والد کے پاس ٹی۔وی لاؤنج میں آ گئیں۔ فاریہ نے وائرلیس لا کر دوبارہ اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا۔ مرتضٰی صاحب اس وقت ایک ٹاک شو دیکھ رہے تھے فضیلت بیگم اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں چونکہ انہیں نیند نہیں آ رہی تھیں اس لیے وہاں چلی آئی تھیں۔

مرتضٰی صاحب ابھی اپنے کمرے میں گئے ہی تھے اور وہ بھی وہاں سے اُٹھ کر جا رہی تھیں کہ وائرلیس پر رنگ ہوئی۔ فروہ نے ریسیور اُٹھا کر کان کو لگایا۔

"ہیلو۔"

"دوسری جانب سے آواز آئی۔"

"جی آپ نے ابھی کال کی تھی۔"

فروہ گھبرا گئی اور جلدی سے ریسیور بہن کے ہاتھ میں تھما دیا۔ فاریہ کو تھوڑی سی حیرت ضرور ہوئی مگر اس نے بہن سے کسی بھی قسم کا سوال جواب کرنے کی بجائے ہیلو کیا دوسری جانب سے ایک بار پھر وہی جملہ دوہرایا گیا تو فاریہ کی ہوائیں اُڑ گئیں اس کے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ شاذ انہیں فون کرے گا اب اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ فروہ نے اسے ریسیور رکھنے کو کہا مگر وہ ایسا کرنے کو تیار نہ ہوئی تو فروہ نے جلدی سے خود ریسیور چھین کر کریڈل پر رکھ دیا۔

"فروہ یہ تم نے کیا کیا......شاذ کا فون تھا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"تم نے اچھا نہیں کیا......کیا ہو جاتا جو میں شاذ سے بات کر لیتی؟"

"It's wrong"

"میں نے کال نہیں کی......اگر شاذ نے بھولے سے رنگ کر دی تو بات کرنے میں کیا حرج ہے۔"

وہ اس بحث میں اُلجھی ہوئی تھیں کہ وائرلیس پر رنگ ہوئی۔ فروہ نے بہن کو کال ریسیو کرنے سے روکا مگر وہ باز نہ آئی نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے بہن کی حکم عدولی کر دی تھی۔

"ہیلو۔"

"آپ کے نمبر سے کال آئی تھی۔"

فاریہ نے جھوٹ بول دیا۔

"جی ہم نے کال نہیں کی۔"

شاذ نے وائرلیس کا نمبر اور ٹائمنگ بتائی تو اس نے جانتے بوجھتے پھر جھوٹ بول دیا۔

"ہو سکتا ہے کسی بچے نے نمبر ڈائل کر دیا ہو۔"

"آپ کہاں سے بات کر رہی ہیں؟"

"گھر سے۔"

"میرا مطلب یہ کونسا نمبر ہے۔"

"جی وائرلیس کا......"

"میں اس وقت میٹنگ میں مصروف تھا......میں سمجھا کوئی ضروری کال ہے۔"

فاریہ کا جی تو چاہ رہا تھا کہ شاذ یوں ہی بولتا رہے اور وہ اسے سنتی رہے مگر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ دس سالوں میں پہلی بار اُسے محسوس ہوا تھا جیسے شاذ بھی اس سے بات کرنے کا خواہاں تھا اس کے دل کی بات سننا چاہتا تھا اس وقت فاریہ کو اپنی محبت پر فخر ہوا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ شاذ کال ڈراپ کرے اس لیے استفسار کیا۔

"آپ......کون؟"

"آپ بہتر جانتی ہیں آپ نے کس کو کال کی ہے۔"

وہ جانتی تھی مگر شاذ کی زبان سے اس کا نام سن کر دل کو تسلی دینا چاہتی تھی وہ خاموش ہو گئی۔

"او۔کے پھر" شاذ نے کہا۔

"اللہ حافظ"

فون بند ہو گیا۔

☆

نیلگوں آسمان پر آفتاب کا تخت شاہی اُلٹ چکا تھا اس وقت مہتاب اور اس کے ساتھی

ستاروں کی سلطنت قائم ہو چکی تھی فاریہ ہاتھ میں کاپی پن پکڑے لان میں بیٹھی لکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر دو تین گھنٹے گزر جانے کے باوجود ورق کورا تھا۔ کئی بار اُس نے لان میں اُگے پھولوں کے پودوں کو دیکھا تھا وہاں جلنے والے برقی قمقموں کی روشنی میں کھو جانے کا جتن کیا تھا مگر پھر بھی کوئی خیال تخلیق نہ کر پائی تھی۔ کسی سوچ نے لفظوں کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ ان دو تین گھنٹوں میں فروہ لان کے کئی چکر لگا چکی تھی مگر ہر بار اُسے یہی سننے کو ملا تھا۔

''تم جاؤ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔''

سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے اس کے منتظر تھے مگر وہ ان کی اذیت سے بے خبر تھی کافی دیر انتظار کرنے کے بعد بالآخر فضیلت بیگم خود وہاں چلی آئیں تھیں۔ اس نے ایک بار پھر ماں کو وہی جواب دیا تھا جو وہ بہن کو دے چکی تھی۔ مگر فضیلت بیگم اُسے ساتھ لے جانے پر بضد تھیں۔

''یہ جو کام تم کر رہی ہو بعد میں بھی ہو سکتا ہے اگر کھانا ٹھنڈا ہو گیا میں ہرگز دوبارہ گرم نہیں کروں گی۔''

اُس نے بہت چاہا کہ وہ ابھی ماں کے ساتھ نہ جائے مگر اسے ہار ماننا پڑی اور ماں کے ساتھ اندر چلی آئی۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے بھی وہ سوچوں کے سمندر میں غرق تھی اُسے یوں گم سم دیکھ کر فضیلت بیگم اور مرتضیٰ صاحب نے اس سکوت کا سبب دریافت کیا تھا مگر اس نے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں......''

جوں ہی کھانا ختم ہوا وہ ایک بار پھر لان میں چلی آئی تھی۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی نگاہ آسمان کی طرف گئی تو فوراً اس کا دماغ اور پن چلنے لگے اور اس نے لکھنا شروع کیا۔

I want to fly high
High, in the blue Sky.
I have no wings to fly,
I cry, cry and cry.
Nobody hear my cry.
I don't know why?
Suddenly, I find myself High.
High, in the blue sky,

It's not the wings that make me fly,
It's the blue sky that I am high.

اب اس کی کاپی کا ورق لفظوں سے سجا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے کاپی اندر لے جانے کی بجائے وہیں رکھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی بیڈ پر ہی اُسے موبائل مل گیا تھا۔ جسے لیے وہ واپس لوٹ آئی تھی۔ چند روز پہلے ہی اس نے سیل خریدا تھا چونکہ وائرلیس پر صرف 99 حروف لکھے جا سکتے تھے اور اس کا میسج ہمیشہ نہ چاہتے ہوئے بھی لمبا ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے اُسے کبھی اسے شورٹ کرنا پڑتا تو کبھی دو تین حصوں میں سینڈ کرنا پڑتا تھا۔ یونیورسٹی میں اُسے سیل کی کافی ضرورت پیش آتی تھی چونکہ اُسے موبائل رکھنا پسند نہ تھا اس لیے اُس نے ہر ضرورت کو نظر انداز کر دیا تھا اکثر جب کبھی اُسے گھر آتے آتے اندھیرا ہو جاتا تھا تو اس کے والدین پریشان ہو جاتے تھے اور اُسے موبائل خریدنے کا مشورہ دیتے تھے۔

''کم از کم ہمیں اتنا تو پتہ چل جائے گا کہ تم کہاں ہو؟''

مگر وہ ماں کے کہے لفظوں کو سنا اَن سنا کر دیتی۔

''امی مجھے اپنے پاس سیل رکھنا پسند نہیں......انسان آکورڈ سا لگتا ہے۔''

جب سے اس نے شاذ کو میسج سینڈ کرنا شروع کیا تھا اس کی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگی تھی۔ ایک روز یونیورسٹی میں Thesis پر کام کرتے ہوئے اُسے کافی دیر ہو گئی اور جب وہ گھر لوٹی تو تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ کا ٹائم تھا فروہ، فضیلت بیگم اور مرتضیٰ صاحب بہت پریشان تھے جوں ہی اس نے گھر میں قدم رکھا جہاں سب نے اس کے خیر و عافیت سے گھر پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کیا وہاں فضیلت بیگم نے سخت الفاظ میں کہا۔

''یا تو اپنے پاس موبائل رکھ لو یا یونیورسٹی چھوڑ دو۔''

اس دن اس نے فوراً حامی بھر لی۔

''میں سیل رکھنے کو تیار ہوں......ابو آپ میرے لیے کل ہی ایک موبائل سیٹ لے آیئے گا۔''

اگلے ہی روز مرتضیٰ صاحب اس کے لیے موبائل سیٹ خرید لائے۔ مگر اس میں سم ڈلواتے ہوئے فاریہ نے اُسی کمپنی کا انتخاب کیا تھا جس کی سم شاذ استعمال کر رہا تھا۔

میسج سینڈ کرنے کے بعد وہ پرسکون ہو گئی اور اطمینان سے کمرے میں آ کر سو گئی تھی۔

☆

جب سے فاریہ نے شاذ سے لفظوں کا تعلق استوار کیا تھا وہ اپنے اردگرد کی دنیا میں بہت دلچسپی لینے لگی تھی۔ ہر چیز کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کرتی تھی کیونکہ اُسے نئے نئے Ideas کی تلاش رہتی تھی۔ ایک بار پھر اس کی نظر اپنی طرف بھی جانے لگی تھی اپنی ذات میں جھانکتے ہوئے وہ ہمیشہ خود کو ایک ذرہ سمجھتی تھی جسے شاذ جیسی روشنی نے چمکا دیا تھا۔

دوست احباب، عزیز و اقارب اور گھر والوں کی نظر میں وہ گوہرِ نایاب تھی مگر اُس نے کبھی خود کو ذرے سے زیادہ تصور نہ کیا تھا۔

یونیورسٹی آتے جاتے وہ اپنی value کے متعلق ہی سوچتی رہتی تھی اس کے نزدیک وہ ذرہ تھی جس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

فاریہ کمرے میں بیٹھی اپنے Thesis پر کام کر رہی تھی کہ ملازم نے دروازہ نوک کیا۔

"آجاؤ۔"

وہ جانتی تھی کہ دروازے پر کون ہو سکتا تھا۔ ملازم نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"آپ کو بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔"

"کون...... امی؟"

"جی......"

"تم چلو میں آتی ہوں۔"

فاریہ نے اپنا کام وہیں چھوڑا اور ڈرائنگ روم میں چلی آئی فضیلت بیگم صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں جبکہ فروہ صوفے پر یوں گری ہوئی تھی جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے لوٹی ہو۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر فاریہ بولی۔

"انسان جو نہ کر سکے اسے نہیں کرنا چاہیے...... تھوڑا سا چلنے سے تم تھک جاتی ہو مگر بازار جانا ہو تو سب سے پہلے تیار ہو جاتی ہو...... میں جانتی تھی تمہارا یہی حال ہوگا مگر میں نے تمہیں روکا نہیں کیونکہ تم رُکنے والی نہ تھی۔"

فضیلت بیگم نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو اس کو تم میرا تھوڑا سا کام کر دو۔"

فاریہ نے ان کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"جی امی بتائیں۔"

"ان چیزوں کا حساب تو کرو۔"

فروہ نے ناگواری سے کہا۔

"امی جو خرچ ہونا تھا ہو گیا اب حساب کرنے سے پیسے تو واپس نہیں آ سکتے نا!"

"میں جانتی ہوں مگر حساب کتاب رکھنا اچھی بات ہوتی ہے۔"

"امی بس بھی کیا کریں۔"

"امی آپ چھوڑیں اس بحث کو...... لائیں میں رقم کیلکولیٹ کیے دیتی ہوں۔"

فاریہ نے ابھی دو تین چیزوں کی رقم گنی تھی کہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"امی میں بس دو منٹ میں آئی۔"

"مگر جا کہاں رہی ہو؟"

"اپنے کمرے تک...... ایک بہت اچھا آئیڈیا آیا ہے بس اُسے ہی لفظوں کی شکل دینے جا رہی ہوں۔"

"جو بھی لکھنا ہے...... بعد میں لکھ لینا پہلے میرا تو کام ختم کر دو۔"

"امی بس دو منٹ۔"

فروہ تھکی ہونے کے باوجود اُٹھ بیٹھی۔

"لائیں امی میں آپ کا کام کیے دیتی ہوں...... اسے جانے دیں۔"

فاریہ شکریہ ادا کرتی ہوئی وہاں سے چلی آئی اور فروہ نے حساب کتاب شروع کر دیا وہ ہمیشہ بہن کا ساتھ دیتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار کوئی خیال ذہن سے نکل جائے تو وہ کبھی اسی صورت نہیں لکھا جا سکتا تھا اور فاریہ کے ساتھ تو بہت بار ہوا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایک بار پھر ایسا ہو۔

فاریہ نے کاپی پن پکڑا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر لکھنے لگی۔

I am Zero
What is the value of me
Before Hundred?
This thinking brings tears into my eyes.
Tears run and make a stream
I flow in it.

Suddenly, my eyes sparkle.

They sparkle like stars

If I "0" is added into 100

It's value will increase.

"100" before this addition was just "100"

But, now, it' is "1000"

So, I have value.

فاریہ نے اسے جمعہ کے دن کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

☆

فاریہ لان میں جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مرتضیٰ صاحب اندر داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا جس میں دو خوبصورت طوطے موجود تھے انہیں دیکھتے ہی وہ بے اختیار بول اُٹھی۔

''کتنے خوبصورت parrots ہیں......؟ ابو آپ انہیں کہاں سے لائیں ہیں؟''

''ایک کولیگ نے گفٹ کیے ہیں۔''

''بہت پیارے ہیں......کیا میں آپ کا تحفہ لے سکتی ہوں؟''

''انہیں دیکھتے ہی مجھے اپنی پیاری بیٹی فاریہ کا ہی خیال آیا تھا۔''

''سچ ابو۔''

مرتضیٰ صاحب نے وہ پنجرہ فاریہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

جب سے مرتضیٰ صاحب نے فاریہ کو یہ تحفہ دیا تھا وہ ہر وقت ان کی دیکھ بھال میں لگی رہتی تھی کبھی انہیں پھل کھلا رہی ہوتی تھی تو کبھی چوری۔ کبھی ان کا پنجرا اُٹھائے لان میں چلی آتی تو کبھی پارک میں انہیں سیر کروانے چلی جاتی تھی کبھی کبھی تو وہ چھت پر بھی آ جاتی تھی۔ وہ ذرا سا شور کرتے تو وہ سمجھ جاتی تھی کہ اب وہ چاہتے تھے کہ وہ ان سے باتیں کرے۔ اسے اپنا Thesis کا کام چھوڑ کر ان سے باتیں کرنے لگ جاتی تھی۔ فضیلت بیگم اسے اکثر ڈانٹا کرتی تھی۔

''فاریہ میں دیکھ رہی ہوں تمہاری توجہ پڑھائی سے ہٹ گئی ہے......تمہیں پڑھائی یا اپنے دوستوں میں سے ایک کو چھوڑنا ہوگا۔''

فاریہ انہیں اپنا دوست ہی کہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی تو مرتضیٰ صاحب بھی اسے توجہ سے اپنا Thesis مکمل کرنے کو کہتے تھے۔ جوں جوں فضیلت بیگم کی ڈانٹ بڑھتی جا رہی تھی اس

نے خود کو اپنے دوستوں کے ساتھ کمرے میں قید رکھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہرتے شور مچانا شروع کر دیتے اور اُسے مجبوراً انہیں لے کر باہر آنا پڑتا تھا۔

ان کے آ جانے سے فاریہ کا ذہن بہت تیزی سے چلنے لگا تھا کیونکہ وہ خوش اور فریش رہنے لگی تھی دس پندرہ دنوں بعد ہی فضیلت بیگم کی ڈانٹ میں کمی واقع ہوگئی تھی کیونکہ وہ جھٹ سے اپنا کام مکمل کرنے کی بعد ان کے پاس بیٹھا کرتی تھی۔

فاریہ کی طرح فروہ بھی پرندوں کی موجودگی میں ہشاش بشاش رہنے لگی تھی۔

پورا ہفتہ گزر گیا مگر وہ شاذ کے لیے ایک میسیج نہ لکھ سکی تھی جس کی وجہ سے وہ کافی پریشان رہنے لگی تھی۔ جب جمعہ کا دن آیا تو اس کی پریشانی میں بہت اضافہ ہوگیا۔ وہ اپنے دوستوں کا پنجرہ اُٹھائے چھت پر چلی آئی تھی دس بجنے میں پینتالیس منٹ رہ گئے تھے مگر وہ کچھ بھی نہ لکھ پائی تھی۔ وہ جنگلے کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کے کانوں میں دوستوں کے شور نے طوفان برپا کر دیا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسے پریشان دیکھ کر اُداس ہو گئے تھے کیونکہ اپنی آمد کے بعد کبھی بھی انہوں نے اسے رنجیدہ نہ رہنے دیا تھا۔ آخر کار فاریہ کو ان کے شور کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تو وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''دوستو کیا کروں...... بڑی مشکل میں ہوں......صرف پینتیس منٹ باقی ہیں...... کچھ تم ہی مدد کرو۔''

ایک طوطے نے پنجرہ میں بکھرے دانے کو چگنا شروع کیا تو فوراً اس کا دماغ چلنے لگا۔

''تھینکس دوستو......مگر اب نو شور......بس دس پندرہ منٹ خاموش ہو جاؤ۔''

فاریہ نے موبائل کے بٹن چلانا شروع کیے چھت پر آتے ہوئے وہ سیل بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

Like a bird I pick up grains of words to feed my thoughts, but even a pile of words is not enough to brighten my brain, to write a few words. I keep on thinking the whole week, but even a week lays down its knees and I can't creat a message. Every word, every sentence which I write appears unsuitable.

میسیج مکمل کرنے کے بعد اس نے مشکور نگاہوں سے دوستوں کو دیکھا تو وہ خوشی کا

اظہار کرنے کو شور مچانے لگے۔

''بس تھوڑی دیر...... میسج سینڈ کرتے ہی ہم ڈھیروں باتیں کریں گے۔''

اس نے درود پڑھ کر سیل کی سکرین پر پھونکا اور میسج سینڈ کر دیا۔ وہ ہمیشہ ہی ایسا کیا کرتی تھی۔

☆

سب ٹی۔ وی لاؤنج میں بیٹھے ایک میوزیکل پروگرام دیکھ رہے تھے مرتضٰی صاحب کو میوزک خاص طور پر نئے سنگرز کے گانوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے وہ بیٹیوں کو کئی بار نیوز چینل لگانے کا کہہ رہے تھے مگر ہر بار کبھی فروہ تو کبھی فاریہ کہہ دیتی تھی۔

''ابو بس پانچ منٹ''

جب مرتضٰی صاحب نے بہت اصرار کیا تو فضیلت بیگم بول اُٹھیں۔

''آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں...... اگر وہ آپ کی نہیں مانتیں تو آپ ہی ان کی مان لیں...... نہ جانے آپ لوگوں کو اس ٹی۔ وی میں کیا دکھائی دیتا ہے۔''

مرتضٰی صاحب بولے۔

''حالات حاضرہ کا پتہ چلتا ہے......''

''حالات حاضرہ جان کے کیا کریں گے...... کر تو آپ کچھ سکتے نہیں...... میں تو کہتی ہوں انسان وہ کام کرے جس سے کسی کو فائدہ حاصل ہو خواہ مخواہ میں وقت برباد کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔''

مرتضٰی صاحب نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نگاہ دوڑائی تو اسے دس بجاتا دیکھ کر کہنے لگے۔

''بیگم یہ بحث پھر کبھی کریں گے فی الحال تو میں سونے جا رہا ہوں۔''

مرتضٰی صاحب دس بجتے ہی اپنے کمرے کا رخ کر لیتے تھے اس لیے اب انکا وہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔ فضیلت بیگم بھی نو بجے ہی اپنے بستر پر چلی آتی تھیں چونکہ انہیں آج نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے سب کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ مرتضٰی صاحب کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ پانی پینے کی نیت سے اُٹھیں اور پھر کچن سے کمرے کا رخ کر لیا تھا۔

والدین کے جاتے ہی وہ بڑی توجہ سے ٹی۔ وی دیکھنے لگیں کیونکہ اس وقت شاذ کا سانگ آن ایئر تھا جس کا وہ پچھلے ایک گھنٹے سے انتظار کر رہی تھیں۔ باقی کے سنگرز کو بھی وہ اس

لیے سن رہی تھی کہ گانے کے دوران کئی بار کمپیئر شاذ کو دیکھتا تھا۔ پروگرام ختم ہوتے ہی فاریہ نے بہن سے کہا۔

''فروہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ شاذ کے لیے میرے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ جگہ بھی لے گا...... یہ سب جو رہا ہے یہ قسمت کا کھیل ہے...... قسمت انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو...... میرا تو خیال ہے جن راستوں پر انسان کے قدم خود بخود چلنے لگیں وہی اس کی منزل ہوتی ہیں۔''

''گڈ...... وری گڈ''

''کیا ہوا؟''

''تم نے بہت اچھی بات کہی۔''

اس کے تصدیق کرتے ہی فاریہ کے دوستوں نے بھی اپنی زبان میں فروہ کی بات کی تائید کی تو وہ مسکرانے لگی۔ جب سے وہ یہاں بیٹھی تھی دوستوں کو بھول ہی گئی تھی مگر اب جوانہوں نے خود اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو اسے اپنے رویے پر بڑی شرمندگی ہوئی۔

''آئی۔ ایم۔ سوری...... فرینڈز۔''

''فاریہ اگر تمہیں میری بات پسند آئی ہے تو لکھ لو۔''

''ضرور''

فاریہ نے صوفے کے ساتھ ہی رکھے ٹیبل پر سے کاپی پن اُٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔

In life ponder over those paths on which steps themselves begin to tread because they will take you to your destination.

فاریہ نے جمعہ کے دن یہ پیغام شاذ تک پہنچا دیا۔

☆

وائرلیس مسلسل بج رہا تھا گو مرتضٰی صاحب چند فرلانگ کے فاصلے پر بیٹھے ٹی۔ وی دیکھ رہے تھے مگر انہوں نے فون اٹینڈ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی کیونکہ اس وقت ملکی حالات پر ایک بہت اہم ٹاک شو آن ایئر تھا۔ فون کی آواز فروہ اور فاریہ تک نہ پہنچ پائی تھی کیونکہ وہ باہر لان میں موجود تھیں فاریہ وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اور فروہ چہل قدمی

کرتے ہوئے دل ہی دل میں اللہ سے بہن کی خوشیوں کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ فضلیت بیگم کچن میں مصروف تھیں انہوں نے ایک دو دفعہ فروہ کو آواز دی تھی مگر جب کوئی جواب موصول نہ ہوا تو سمجھ گئیں کہ وہ لان میں ہوگی اس لیے خود ہی چلی آئیں تھیں مگر جب وہاں شوہر کو بیٹھے دیکھا تو غصے سے بولیں۔

''اگر آپ یہاں موجود تھے تو فون ہی اٹینڈ کر لیتے ...... کب سے بج رہا ہے''

''میں مصروف ہوں۔''

''آپ اور آپ کی مصروفیت۔''

فضلیت بیگم نے غصے سے ریسیور اُٹھایا۔

''ہیلو۔''

''اسلام وعلیکم!''

فضلیت بیگم کا غصہ کافور ہو گیا۔

''وعلیکم اسلام......! جی کون؟''

''میں حمید بات کر رہا ہوں...... آپ فضلیت بھابھی ہیں نا!''

''جی بھائی صاحب...... آپ کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ...... یہاں سب خیریت ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے...... بھابھی اور بچوں کیا حال ہے؟''

''سب ٹھیک ہیں...... مرتضٰی صاحب گھر پر ہی ہیں؟''

''جی...... میں ابھی آپ کی بات کرواتی ہوں۔''

فضلیت بیگم نے وائرلیس اُٹھایا اور لاکر شوہر کو ریسیور تھما دیا۔

''حمید بھائی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

مرتضٰی صاحب نے ٹی۔وی میوٹ کرنے کے بعد حمید صاحب سے ان کا حال احوال پوچھا انہوں نے بھی مرتضٰی صاحب کی خیریت دریافت کرنے کے بعد خوشخبری سنائی۔

''آپ کے لیے خوشخبری ہے۔''

''خوشخبری...... کیسی خوشخبری؟''

''فاریہ بیٹی کی سلیکشن ہوگئی ہے...... انشاءاللہ ایک دو روز میں انٹرویو کال آجائے گی۔''

''حمید صاحب ابھی تو سلیکشن نہ ہوئی نا!''

''بیٹی کا میرٹ لسٹ میں دوسرے نمبر پر نام ہے۔ پھر ماشاءاللہ ہماری بیٹی ذہین بھی ہے۔ اس لیے انٹرویو کلیئر کرنا مشکل نہ ہوگا۔''

''انٹرویو کہاں ہوگا؟''

''گھر پر......''

''گھر پر......''

''یونیورسٹی والے فون کے ذریعے انٹرویو لیں گے۔''

''چلیں دعا کیجیے گا...... آپ پاک سرزمین پر بیٹھے ہیں۔''

''انشاءاللہ میں دعا کروں گا...... میں جلد ہی آپ سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے پھر اپنا خیال رکھیے گا۔ بھابھی کو سلام کہیے گا اور بچوں کو دعا۔''

''اچھا! پھر اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ''

مرتضٰی صاحب نے ٹی۔وی کا سوئچ آف کر دیا اور بیگم سے بیٹیوں کو بلانے کا کہا تھوڑی ہی دیر میں وہ فروہ اور فاریہ کے ساتھ ٹی۔وی لاؤنج میں آگئیں۔ جب مرتضٰی صاحب نے اُنہیں خوشخبری سنائی تو وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑیں۔ فاریہ اس وقت خود کو شاذ سے چند قدم کے فاصلے پر محسوس کر رہی تھی اس مقدس مقام پر پہنچ جانے کا سوچ کر ہی اُسے اپنی خواہش کے برآنے کا یقین ہونے لگا تھا۔ اُسے اس بات کی ہرگز کوئی خوشی نہ تھی کہ لیکچرارشپ سے اس کا فیوچر محفوظ ہو رہا تھا وہ تو اسے وہ مقام سمجھ رہی تھی جہاں پہنچ کر اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب پورا ہونا تھا۔ اس کے والدین سعودیہ کو اپنی بیٹی کا سسرال بنانا چاہتے تھے جبکہ وہ اس کے شاذ تک جانے کا وسیلہ سمجھ رہی تھی۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ مرتضٰی صاحب بیٹی کو فہمائش کرنے لگے۔

''چند دن محنت کر لو تا کہ انٹرویو کلیئر ہو جائے۔''

''ابو آپ فکر نہ کریں۔''

فاریہ انٹرویو کو وہ آخری رکاوٹ سمجھ رہی تھی جو اس کے اور شاذ کے درمیان حائل تھی وہ اس رکاوٹ کو عبور کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے دن رات خوب محنت کی۔ شاذ کو پالینے کا تصور اس کی ہمت بندھاتا تھا کچھ اس کے دوست اس کی ہمت نہ ٹوٹنے دیتے تھے۔ وہ ہمہ وقت اپنی زبان میں فاریہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ وہ خود کو ان کے ہمراہ بہت پر جوش محسوس کرتی تھی۔ اسے پختہ یقین تھا کہ وہ کامیاب و کامران ہوگی۔

جب ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد انٹرویو کال نہ آئی تو اسے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی رکاوٹ دور کر دی تھی۔ ایک بار پھر وہ اپنی روٹین پر واپس آ گئی تھی مرتضیٰ صاحب فاریہ کو ادھر اُدھر گھومتا دیکھتے تو اُسے تیاری کی فہمائش کرتے تھے تو وہ بڑے مستحکم انداز میں کہتی۔

''ابو میری تیاری بے کار ہے...... کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔''

وہ بہت حیران ہوئے۔

جلد ہی اُسے اپنے یقین کا ثبوت مل گیا۔ حمید صاحب نے اُنہیں انٹرویو کے بغیر ہی سلیکشن ہو جانے کی خوشخبری سنا دی۔ یہ خبر سنتے ہی مرتضیٰ صاحب نے بیٹی سے استفسار کیا کہ اسے سلیکشن کا کیسے علم ہوا تھا۔

''ابو اللہ جب اپنے بندوں کو کچھ دینا چاہتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کا بندہ اس قابل ہے بھی یا کہ نہیں...... بس جب وہ ذات پاک نوازنا چاہتی ہے تو نواز دیتی ہے۔''

اسی دن حمید صاحب نے فاریہ کو جلد از جلد اپنا پاسپورٹ نمبر فیکس کرنے کا کہا تھا وہ تو جب فاریہ کے ڈاکومنٹس لے کر جا رہے تھے تبھی پاسپورٹ کے لیے اپلائی کرنے کا کہہ دیا تھا مگر مرتضیٰ صاحب کا خیال تھا کہ انہیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ قدرت کے کاموں کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ اب جو حمید صاحب نے پاسپورٹ نمبر مانگا تو سب کو افراتفری پڑ گئی۔ کیونکہ مرتضیٰ صاحب کے پاسپورٹ کی فی الحال ضرورت نہ تھی اس لیے انہوں نے روٹین کے لیے اپلائی کیا جبکہ فاریہ کو ارجنٹ فیس ادا کرنا پڑی تھی۔ تبھی وہ پندرہ دنوں میں اپنا پاسپورٹ نمبر فیکس کر پائی تھی۔ رمضان المبارک قریب آ رہا تھا اس لیے فاریہ کی خواہش تھی کہ وہ اس مبارک مہینے میں سعودی عرب کے لیے فلائی کر جائے۔ اس لیے وہ دن رات جلد از جلد ویزا مل جانے کی دعا کر رہی تھی۔ جب سے 2009 شروع ہوا تھا اسے یقین ہوتا گیا تھا کہ یہ سال اس کی دعاؤں اور درودوں کا آخری سال تھا۔ اس کے آغاز سے ہی اس کی دعائیں طویل ہو گئیں تھیں۔ اب جب سے اس نے پاسپورٹ نمبر فیکس کیا تھا اس خواہش نے اس کے دل میں جنم لے لیا تھا کہ وہ رمضان المبارک کا مقدس اور برکتوں والا مہینہ وہاں گزارے۔ اسے اُمید تھی کہ اگر وہ ماہ صیام کے آغاز میں نہ جا سکی تو آخری عشرہ لازماً وہاں گزار پائے گی۔

جس دن رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کی امید تھی وہ مغرب کے بعد سے ہی چھت پر چلی آئی تھی۔ عشاء کی اذان تک وہ آسمان پر چاند ہی تلاش کرتی رہی مگر نہ تو اُسے چاند نظر آیا اور نہ ہی مسجد سے رمضان المبارک کے شروع ہو جانے کا اعلان ہوا تھا۔ سبھی نے اسے

چھت پر جانے سے روکا تھا ان کا خیال تھا کہ اُسے نیچے بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیے۔ مگر وہ چاند دیکھنے کے لیے اتنی بے چین تھی کہ اس کے لیے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔

آسمان پر چاند ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی گردن اکڑ گئی تو وہ جنگلے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اسی وقت مساجد سے رمضان المبارک کا چاند نظر آ جانے کا اعلان ہو گیا وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اب تھوڑی سی کوشش سے ہی اسے چاند نظر آ گیا تھا فوراً ہی اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے اور شاذ کو رب سے مانگنے لگی وہ پچھلے دس سالوں سے یوں ہی دعا مانگ رہی تھی مگر آج اس کی دعا ختم ہی نہ ہو پا رہی تھی وہ جتنا رب سے مانگتی اسے اتنا ہی اور مانگنے کا جی چاہ رہا تھا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد فروہ چھت پر آ گئی تھوڑی دیر تو وہ بہن کو دیکھتی رہی۔ آخر کار بول اُٹھی۔

''کب تک مانگو گی...... اب بس کرو سب خدا پر چھوڑ دو۔''

فاریہ نے دعا ختم کر دی۔

''فروہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں رمضان المبارک کے کم از کم کچھ دن تو سعودیہ میں ضرور گزاروں۔''

''فاریہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ تو تمہاری مرضی کے مطابق کر دیا ہے...... کیا اب بھی تمہارے دل میں خوف ہے۔''

''خوف...... شاید ہاں...... شاید نہیں...... بس میں۔''

''فاریہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے...... وہ ذات پاک تمہارے لیے جو بھی کرے گی بہتر ہی ہو گا۔ اس لیے اگر تم رمضان میں نہ بھی جا سکو تو پریشان مت ہونا اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت ہو گی۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''تم جب تک یہاں ہو یہاں دعا مانگو جب وہاں جاؤ گی تب کا تب دیکھا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

فروہ نے ہمیشہ سحری کا اہتمام کیا تھا مگر اب کے فاریہ نے ضد کر کے سحری بنانے کا کہا تھا جب سے 2009 شروع ہوا تھا اس کی زبان پر ہر وقت یہی الفاظ تھے۔

''فروہ میرا اس گھر میں آخری سال ہے...... میں چاہتی ہوں تم سب کی خوب خدمت کروں...... شادی ہو جانے کے بعد شاید کبھی یہ سب نہ کر پاؤں۔''

فروہ مسکرانے لگی اور دعائیہ انداز میں کہتی تھی۔

"تمہاری خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے...... تم شاذ بھائی کے ساتھ خوش رہو، ہمیں تمہاری خدمت کی کوئی ضرورت نہیں۔"

فاریہ کا ایم۔فل مکمل ہو گیا تھا اس لیے وہ سمجھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ وقت دعاؤں اور خدمت کے لیے دیا تھا۔ فاریہ تہجد کی اذان کے ساتھ ہی بیدار ہو جاتی پھر کمرے سے باہر چلی آتی۔ وضو کے بعد جائے نماز لیے خالی کمرے کا رخ کرتی، نوافل ادا کرتی اور ہاتھ پھیلا کر رب سے شاذ کو مانگنے لگتی۔ دعا مانگتے ہوئے اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا مگر اس کا جی نہ بھرتا۔ آخر سحری تیار کرنے کا خیال ہی اُسے جائے نماز سے اُٹھا کر کچن میں لاتا تھا۔ مگر یہاں بھی اس کے دل میں وہی دعا ہوتی تھی۔ گو وہ ہر رمضان میں ایسا ہی کرتی تھی مگر اب کے شاذ سے دوری کا احساس بہت بڑھ گیا تھا جس نے اس کی دعاؤں کو طویل کرنے کے ساتھ ان میں بہت زیادہ شدت بھی پیدا کر دی تھی۔ جوں ہی وہ سحری ٹیبل پر لگاتی سب آ جاتے۔ سحری ختم کرتے ہی وہ وضو کر کے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا لیتی جو اذان تک یوں ہی رہتے۔ پھر وہ اقامت کے وقت سجدے میں گر کے خوب گڑگڑاتی۔ تہجد سے رات سونے تک اس کی زبان پر صرف شاذ ہی ہوتا تھا۔ رات میں بھی اگر اس کی آنکھ کھل جاتی تو وہ رب سے فریاد کرنے لگتی تھی۔ پورے رمضان اس کی یہی روٹین رہی تھی۔ اس کو یوں عبادت کرتے دیکھ کر مرتضیٰ صاحب اور فضیلت بیگم بہت خوش ہوتے اور اس کو ڈھیروں دعائیں دیتے تھے۔

میسیجز کا سلسلہ اب بھی جاری تھا مگر وہ اکثر فروہ سے کہتی تھی۔

"جانے کیوں اب میرا جی چاہنے لگا ہے کہ میں یہ سلسلہ توڑ دو...... مجھے صرف خدا سے مانگنا چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو...... مگر میرا خیال ہے تمہیں ابھی ایسا نہیں کرنا چاہیے...... ایک بار خانہ کعبہ دعا مانگ لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔"

رمضان المبارک پر لگائے اڑ رہا تھا۔ جس کا اسے افسوس بھی تھا اور خوشی بھی۔ رنجیدہ وہ سعودیہ میں اس مقدس اور بابرکت مہینے کو نہ گزارنے پر تھی اور خوش اس وقت کے کم ہونے پر جو اس کے اور شاذ کے درمیان حائل تھا۔

وہ بیڈ پر گم سم اور اداس لیٹی ہوئی تھی اس کے دوست شور مچا مچا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا تھا۔ فضیلت بیگم اور فروہ کچن میں

مصروف تھیں یوں تو وہ ان کے ساتھ افطاری کی تیاری میں مصروف ہوتی تھی مگر آج اس نے کچن کا رخ نہ کیا تھا۔ اس کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے فضیلت بیگم نے فروہ کو بہن کو لانے کے لیے بھیجا تھا۔ فروہ نے جب اسے کمرے میں اُداس لیٹے دیکھا تو بولی۔

"تم یہاں ہو اور امی کچن میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

"امی سے کہہ دو آج میں ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکوں گی۔"

"مگر کیوں۔"

"بس آج دل بہت اُداس ہے۔"

"کیوں اُداس ہے؟"

"میں خود نہیں جانتی بس یوں لگتا ہے جیسے ساری کائنات ماتم کدہ بن گئی ہو......"

فروہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے حالانکہ آج ستائیسویں کی رات ہے رحمتوں، برکتوں کا مہینہ ہے مگر پھر بھی اُداسی ہے۔

"ایسا تو کچھ بھی نہیں۔"

"مگر مجھے محسوس ہو رہا ہے۔"

"تم سو جاؤ...... تمہیں آرام کی ضرورت ہے...... اس ماہ تم بہت کم سوئی ہو شاید اسی کی وجہ سے ایسا محسوس کر رہی ہو۔"

"نہیں فروہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس مجھے لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے...... کچھ بہت برا۔"

"اللہ رحم کرے گا...... تم سو جاؤ۔"

فروہ کچن میں چلی آئی اور فاریہ یوں ہی اُداس لیٹی رہی۔

آج چونکہ ستائیسویں رات تھی اس لیے افطاری کے بعد سے ہی مساجد میں اعلانات ہونے لگے مولوی حضرات لوگوں کو اس رات کی برکات اور اہمیت کے بارے آگاہ کر رہے تھے۔ مرتضیٰ صاحب نے افطاری کے فوراً بعد ہی مسجد کا رخ کر لیا تھا۔ جاتے ہوئے وہ صبح سحری کے وقت آنے کا کہہ گئے تھے۔ فضیلت بیگم بھی جائے نماز لیے کمرے میں چلی آئیں تھیں۔

فروہ وہ تمام کاغذ اکٹھے کر رہی تھی جس پر بہت سے نوافل، اس رات پڑھی جانے والی دعائیں اور سورتیں لکھی ہوئی تھیں جبکہ فاریہ نماز کے بعد کچن میں گم سم بیٹھی تھی۔ سب اکٹھا کر لینے کے بعد فروہ بہن کو بلانے آئی تو اسے دیکھتے ہی فاریہ نے اُداس لہجے میں کہا۔

"میں نے خواب دیکھا کہ شاذ میرے پاس آتا ہے اور مجھے پرپوز کرتا ہے مگر میرے

کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے موبائل پر رنگ ہوئی وہ ایک لڑکی کی کال تھی ...... فون سنتے ہی وہ دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔“

”تو تم اس وجہ سے اُداس ہو۔“

”نہیں۔“

”تو پھر...... یوں گم سم کیوں بیٹھی ہو؟“

”خواب تو میں نے چار ماہ پہلے دیکھا تھا۔“

”تم مان لو۔ تمہاری اُداسی کی وجہ تمہارا خواب ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”ہو نہیں سکتا، ہو چکا ہے۔“

”فروہ مجھے لگتا ہے بہت برا ہونے والا ہے...... اتنا برا۔“

فروہ نے اسے ٹوک دیا۔

”کوئی بری بات منہ سے مت نکالنا...... اُٹھو اور اللہ سے دعا مانگو انشاء اللہ سب اچھا ہو جائے گا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو۔“

”فاریہ آج بڑی رحمتوں اور برکتوں والی رات ہے۔ اس رات جو بھی مانگا جائے کبھی رد نہیں ہوتا۔ فاریہ جلدی سے اُٹھی اور وضو کے بعد بہن کو لیے چھت پر چلی آئی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کھلے آسمان تلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے جی بھر کے مانگے۔ فروہ تو رضا مند نہ تھی مگر بہن کی ضد کے سامنے اسے ہار ماننا پڑی تھی۔ ساری رات عبادت کرنے کے بعد وہ بڑی پرسکون ہو کر سوئی تھی۔ رات کو افطاری کے بعد ہی حمید صاحب نے انہیں ویزا لگ جانے کی خوشخبری سنا دی۔ مگر عید کے بعد سعودی embassy سے رابطہ کرنے کا بھی کہا تھا کیونکہ عید کی چھٹیوں کی وجہ سے آفس بند ہو چکا تھا۔“

فاریہ ہمیشہ گھر پر عید کی نماز پڑھتی تھی مگر اس عید پر اس نے مسجد جانے کا ارادہ کیا تھا اس لیے فجر کی نماز کے بعد نہ تو خود سوئی اور نہ فروہ کو سونے دیا اسے ڈر تھا کہ وہ سوتی رہ جائیں گی اور عید کی نماز نکل جائے گی۔

عید کی نماز ادا کرنے کے بعد سب ایک دوسرے کے گلے مل کر مبارک باد دے رہی تھیں اور وہ مسجد کے ایک کونے میں نفل ادا کرنے لگی اس کے بعد اس نے دعا مانگنا شروع

کر دی۔ اس کی دعا اتنی لمبی تھی کہ ساری مسجد خالی ہو گئی۔ مگر وہ ابھی تک ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔

فضیلت بیگم کئی بار اُسے ختم کرنے کا کہہ چکی تھیں۔ وہ مسجد کو اللہ کا گھر مانتے ہوئے اس میں بیٹھ کر خود کو اس ذات باری تعالیٰ کے بہت قریب پا رہی تھی اس لیے وہ اس موقعہ سے بھرپور استفادہ کر رہی تھی۔ اُسے تو شاید یوں بیٹھے کئی گھنٹے گزر جاتے مگر ماں کے اصرار پر اس نے دعا مختصر کر دی۔

گھر لوٹنے کے بعد وہ سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی کیونکہ وہ رات بھر ٹھیک طریقے سے نہ سو پائی تھی اسے یہ دھچکا لگا ہوا تھا کہ کہیں اس کی نماز قضا نہ ہو جائے اور وہ اس بار کی نماز کسی صورت میں قضا نہ کرنا چاہتی تھی۔

فروہ اسے بلانے کو کمرے میں آئی تھی تو مگر اسے سوتا پا کر واپس جانے کی بجائے اس کے قریب آ کر بولی۔

”اُٹھو...... میں تمہیں سونے نہیں دوں گی...... بھلا نماز کے بعد بھی کوئی سوتا ہے۔“

”کوئی نہیں سوتا تو نہ سوئے میں تو سونا چاہتی ہوں نا!“

”مگر میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی...... صبح تم نے میری نیند خراب کی اب میں تمہیں تنگ کروں گی...... صبح تو تم بڑی ہشاش بشاش تھی یہ اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“

”میرا سونے کو جی چاہ رہا ہے۔“

”تم میرے ساتھ چلو......“

”میں نہیں جاؤں گی۔“

”تمہیں جانا پڑے گا...... تم جانتی ہو میں پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں۔“

فاریہ غصے سے اُٹھ بیٹھی۔

”شاباش میرے ساتھ چلو۔“

”کہاں؟“

”ٹی۔وی لاؤنج میں۔“

فاریہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے ٹی۔وی لاؤنج میں چلی آئی اور آتے ہی صوفے پر لیٹ گئی فروہ نے ٹی۔وی آن کر دیا تا کہ شور کی وجہ سے وہ سو نہ پائے پھر بار بار اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

فاریہ اور مرتضٰی صاحب انٹرنس پر سامان کی چیکنگ کے بعد ایئر پورٹ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ چلتے چلتے فاریہ رُک گئی اس کی آنکھیں ایئر پورٹ کا معائنہ کرتے ہوئے اپنے

سامنے چلنے والوں میں سے ایک شخص پر جا ٹھہریں اُس وقت اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی سپنا دیکھ رہی ہو اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ یوں سعودیہ کے لیے فلائے کرتے ہوئے اس کی ملاقات شاذ سے ہو جائے گی۔ وہ معاً اسے پہچان گئی گو وہ اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اُسے اس قدر خوشی تھی کہ وہ پلک تک جھپکنا بھول گئی اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس وقت کو تھام لیتی اور اسے کسی صورت بھاگنے نہ دیتی۔ سارے ایئر پورٹ کو دلہن کی طرح سجا دیتی۔ وہ سانس لینا تک بھول گئی تھی سینکڑوں لوگوں کی موجودگی سے بے نیاز اس کی نظریں صرف شاذ کا تعاقب کر رہی تھیں اور وہ بت بنے کھڑی تھی۔ خوشی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں اُسے اپنے والد تک کا خیال نہ رہا تھا۔ مرتضٰی صاحب چپ چاپ چلتے جا رہے تھے کہ چلتے چلتے انہوں نے بیٹی سے پوچھا۔

''فاریہ بیٹی حمید صاحب اور ان کی فیملی کے لیے تحائف رکھ لیے ہیں۔''

کوئی جواب نہ پا کر وہ رک گے اِدھر اُدھر دیکھا مگر جب فاریہ دکھائی نہ دی تو پریشانی کے عالم میں الٹے قدم چلنے لگے۔ جب وہ انٹرنس کے قریب پہنچے تو فاریہ کو بے حس و حرکت پا کر گھبرا گئے۔

''کیا بات ہے بیٹی؟ یہاں کیوں کھڑی ہو۔''

والد کے الفاظ سن کر وہ چونک گئی۔ اور اس کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔

''......میں......''

''وہ میں چھوڑو......جلدی جلدی قدم اُٹھاؤ مبادا ہماری فلائٹ مس ہو جائے۔''

''جی ابو۔''

فاریہ خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی مرتضٰی صاحب چلنے لگے تو فاریہ نے بھی تیز تیز ڈگ بھرنا شروع کر دیے۔ جوں ہی وہ شاذ کے قریب پہنچی اس نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا اور وہ لرز گئی۔

شاذ ایک ساعت کو رُک گیا اس کے دل میں بھی ایک ہل چل سی مچ گئی۔ اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل میں بسنے والا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا وہ اپنے اندر رونما ہونے والی اس اچانک تبدیلی پر ششدر رہ گیا اس سے پیشتر کہ اس کی نظر فاریہ پر پڑتی وہ آگے بڑھ گئی تھی اس کے جاتے ہی شاذ نے خود کو نارمل محسوس کرنا شروع کر دیا وہ ہوا کے جھونکے کی طرح آنے والی تبدیلی پر حیران تھا۔ اِردگرد نگاہ دوڑانے کے باوجود جب اسے کوئی ایسی شخصیت نظر نہ آئی تو اس نے اپنی تبدیلی کو ایک وہم قرار دیا تھا۔

شاذ کو دیکھنے کا احساس اُسے سارے راستے خوشی دیتا رہا تھا اُس لمحے کو یاد کر کے وہ جھینپ جاتی تھی اور اس کا پورا جسم کانپ اُٹھتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر درود اور شاذ کو پانے کی دعا تھی۔ سارا راستہ وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی رہی تا کہ کوئی اس کے اندر کی تبدیلی کو محسوس کر کے سوال نہ کر ڈالے۔

پھر جوں ہی اس نے اس پاک سرزمین پر قدم رکھے اپنی آنکھوں سے اسے بوسہ دیا اور دل ہی دل میں شاذ کو رب سے مانگا۔

ایئر پورٹ پر حمید صاحب اور ان کی فیملی استقبال کو کھڑی تھی۔ فاریہ کو پرتپاک استقبال کی امید نہ تھی مگر مرتضٰی صاحب اسی کی توقع کر رہے تھے۔

ایئر پورٹ سے وہ سیدھا حمید صاحب کے گھر چلے آئے تھے۔ حمید صاحب نے انہیں ان کے کمرے دکھا دیے تا کہ وہ فریش ہو سکیں ادھر حمید صاحب کی بیگم ان کے لیے کھانا لگانے لگیں کیونکہ جب وہ ان کے یہاں پہنچے نو بج چکے تھے۔ جوں ہی کھانا لگ گیا سب اکٹھے ہو کر وہاں آ گئے۔ کھانے کے دوران حمید صاحب اور مرتضٰی صاحب میں پاکستان کے حالات پر گفت وشنید ہوتی رہی۔

فاریہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی کھانے کے دوران بھی شاذ کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا اس لیے اُسے وہاں بیٹھے لوگوں میں سے کوئی بھی دکھائی نہ دے پایا تھا۔ اُسے یوں خاموش دیکھ کر حمید صاحب کی بیگم نے کہا۔

''فاریہ بیٹی تم اتنی خاموش کیوں ہو......؟ بہنوں سے کوئی باتیں ہی کرو۔''

حمید صاحب کی دو بیٹیاں تھیں کنزہ اور شانزہ، کنزہ بڑی تھی اور اس کی عمر بارہ سال تھی جبکہ شانزہ صرف چھ برس کی تھی۔ کنزہ پاکستان میں پیدا ہوئی تھی اور شانزہ نے سعودی عرب میں جنم لیا تھا۔

''مانا کہ دونوں تم سے بہت چھوٹی ہیں مگر ہیں دونوں آفت کی پرکالیاں......''

ماں کی زبان سے اس ستائشی جملے کو سننے کے بعد دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کے مسکرانے لگیں۔

فاریہ نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

دونوں ہنستے ہوئے بولیں۔

''جی......''

"پھر تو ہماری دوستی شاید نہ چل سکے۔"

دونوں خوب کھلکھلا کے ہنسیں۔ پھر کنزہ بولی۔

"ہم کوئی شرارت نہیں کریں گی۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

دونوں بہنوں نے حیرت سے فاریہ کی طرف دیکھا۔

"شرارت ضرور کریں لیکن یاد رہے کہ آپ کی شرارت سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔"

دونوں یک زبان ہو کر بولیں۔

"جی۔"

کنزہ نے استفسار کیا۔

"آپ ہم سے دوستی کریں گی۔"

فاریہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں نہیں......آج سے ہماری دوستی پکی۔"

حمید صاحب کی بیگم نے بیٹیوں کو فہمائش کی۔

"آپی کو تنگ مت کیجیے گا۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا تو فاریہ مسکرانے لگی۔

ایک ہفتہ وہ حمید صاحب کے گھر ٹھہرے اس کے بعد اُنہیں یونیورسٹی کی طرف سے فلیٹ الاٹ ہو گیا تو انہوں نے وہاں شفٹ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ حمید صاحب چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رہیں پھر کنزہ اور شانزہ کی بھی یہی خواہش تھی کیونکہ اس ایک ہفتے میں وہ فاریہ سے کافی مانوس ہو چکی تھیں انہیں فاریہ کی صورت میں ایک دوست مل گئی تھی جو ہمہ وقت ان کی ہر خواہش کو پوری کرنے کو تیار رہتی تھی۔ مزے مزے کا کھانا کھانا ہو، کہانیاں سننا ہو یا کہیں سیر و تفریح کو جانا ہو وہ فاریہ سے ہی کہتی تھیں۔ مرتضٰی صاحب کو بھی یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر فاریہ یہاں رکنے پر رضامند نہ تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اس کے جانے کے بعد کنزہ اور شانزہ کے ننھے ننھے دل ٹوٹ جائیں گے پھر وہ ہمیشہ کے لیے یہاں رک بھی تو نہ سکتی تھی۔

جب وہ شفٹ ہوئے تو حمید صاحب اور ان کی فیملی نے فاریہ کی بڑی مدد کی کنزہ اور شانزہ نے دوستوں کی طرح اس کا ہاتھ بٹایا حالانکہ وہ بہت چھوٹی تھیں اور فاریہ نے اُنہیں کچھ بھی کرنے سے روکا تھا مگر وہ باز نہ آئیں جتنا اُن سے ہو سکا انہوں نے کام کیا۔ یہاں شفٹ

ہونے کے باوجود کنزہ اور شانزہ ضد کر کے اس کے پاس آ جاتی تھیں شروع میں آمد و رفت کا سلسلہ زیادہ تھا پھر آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

یہاں آنے کے باوجود فاریہ نے میسجز کا سلسلہ جاری رکھا تھا مگر اب وہ اداس رہنے لگی تھی کیونکہ اُسے شاذ کی طرف سے کوئی رسپونس نہ ملا تھا وہ اکثر تنہائی میں رو دیتی تھی کیونکہ یہاں کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنے دل کی حالت بیان کر سکتی۔ فروہ سے اس کا رابطہ بہت کم ہوتا تھا پھر جب بھی اس کی بہن سے بات ہوئی تھی صرف وہ ایک دوسرے کا حال احوال ہی پوچھ پائی تھیں۔ جمعہ کا دن تھا اور اُسے یونیورسٹی سے چھٹی تھی اس لیے وہ گھر پر ہی تھی۔ صبح سے اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ مرتضٰی صاحب کئی بار اُسے دیکھنے کو آئے تھے مگر اس نے ان کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی آنکھیں موندھ لیں تھیں تا کہ وہ یہی سمجھیں کہ وہ سو چکی تھی۔ مرتضٰی صاحب نے بھی بیٹی کو جگانے کی کوشش نہ کی تھی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی آرام کر لے پورا ہفتہ یونیورسٹی اور گھر کا کام کرتی رہتی تھی اور اُسے آرام کو بہت کم وقت ملتا تھا۔

رات کے نو بج چکے تھے اور ابھی تک وہ ویسے ہی لیٹی ہوئی تھی مرتضٰی صاحب بازار سے کھانے کو لے آئے تھے اُسے بھی کھانے کا کہا تھا مگر کوئی جواب نہ پا کر وہ واپس لوٹ گئے تھے۔ معاً فروہ کا فون آ گیا اس نے بوجھل دل کے ساتھ ہیلو کہا تو فروہ نے اس کا حال احوال پوچھنے کی بجائے دلاسا دینا شروع کر دیا۔

"تم اُداس ہوتی ہو؟ شاذ بھائی تمہارے ہیں اور تمہیں ضرور ملیں گے۔"

فاریہ جو ڈیڑھ ماہ سے خود پر قابو پائے ہوئے تھی بولی۔

"اب میں کوئی میسج سینڈ نہیں کروں گی۔"

"ایسی غلطی مت کرنا...... یہ یاد رکھو رات کے بعد سویرا ضرور ہوتا ہے تمہیں تمہارے انتظار کا پھل ضرور ملے گا۔"

"مگر مجھے ایسا نہیں لگتا...... جانے کیوں ایک ڈر ایک خوف ہر وقت میرا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ مجھے لگتا ہے شاذ میرا کبھی نہیں......"

فروہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ایسی منحوس بات منہ سے مت نکالنا...... شاباش جلدی سے میسج سینڈ کرو۔"

"اچھا!"

"حج کے لیے جا رہی ہو نا!"

''میں اور ابو جائیں گے۔''

''ابو تو جائیں گے ہی تم اپنے ارادے بتاؤ۔''

''فروہ تم بھی کبھی کبھی احمقانہ باتیں کرتی ہو......کیا میں نہیں جاؤں گی؟''

''اچھا! میں فون رکھتی ہوں......تم بھی اپنا کام کرو۔''

''او۔ کے پھر اللہ حافظ۔''

فروہ سے بات کرنے کے بعد وہ کافی حد تک ریلیکس ہو گئی تھی اس لیے جلدی سے موبائل اٹھایا۔ ابھی پاکستانی وقت کے مطابق دس بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے اس نے جلدی سے میسج لکھنا شروع کیا۔

Darkness can't be identified as an impediment in the course of Shine. It can be viewed as a contributor. It gives Shine to the stars, because being in the day present in the sky, we are deprived of their Shine.

☆

جوں ہی یونیورسٹی حج کی چھٹیوں کے لیے بند ہوئی مرتضٰی صاحب اور فاریہ مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہو گئے جب سے وہ سعودی عرب آئے تھے ہر وقت خانہ کعبہ کی زیارت کو بے تاب رہتے تھے اب جو انہیں یہ سعادت نصیب ہو رہی تھی تو ان کی خوشی آسمان کو چھونے لگی تھی۔ انہیں مکہ معظمہ میں آئے ابھی ایک دن ہی گزرا تھا کہ ان کی ملاقات پاکستان سے حج کے لیے آئے ہوئے ایک میاں بیوی سے ہوئی ان کا کمرہ فاریہ اور مرتضٰی صاحب کے کمرے سے متصل تھا اس لیے جب میمونہ بیگم بیمار پڑیں تو خالد صاحب نے انہی کے دروازے کو نوک کیا تھا۔ فاریہ نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک اجنبی شخص کو پا کر فوراً جان گئی کہ اُنہیں کسی مدد کی ضرورت تھی مگر اس کے استفسار سے پہلے خالد صاحب بولے۔

''بیٹی میں آپ کے ساتھ والے روم میں ٹھہرا ہوا ہوں۔''

''انکل آپ اندر تشریف لائیں۔''

''اس وقت تو میں آپ کی ہیلپ چاہتا ہوں۔''

''انکل میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔''

''بیٹی میری مسز بیمار ہیں۔ ہمارا کفیل اس وقت یہاں نہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں

کہ اگر آپ کے پاس کوئی میڈیسن ہو تو پلیز مجھے دے دیں۔''

''انکل میں ابھی لائی۔''

فاریہ واپس مڑنے ہی لگی تھی کہ رک گئی۔

''انکل آپ یہاں کھڑے ہیں مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ اندر تشریف لے آئیں۔''

''بیٹی میں پھر کبھی آؤں گا فی الحال تو مجھے میڈیسن چاہیے۔''

''بس میں ایک منٹ میں آئی۔''

فاریہ تیزی سے اس بیگ کی طرف لپکی جس میں اس نے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے کچھ میڈیسن رکھی تھیں تا کہ وہ بوقت ضرورت انہیں استعمال کر سکے۔ وہ بیگ اُٹھائے کمرے سے باہر جانے لگی تو مرتضٰی صاحب نے پوچھا۔

''فاریہ بیٹی کہاں جا رہی ہو؟''

''ابو میں واپسی پر بتاتی ہوں۔''

پھر وہ خالد صاحب کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئی۔ میمونہ بیگم اس وقت بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں فاریہ سیدھا ان کے پاس آئی، ٹمپریچر لینے کے بعد فاریہ نے انہیں تھوڑا سا کھانا کھلایا اور پھر اپنے بیگ میں سے بخار کی گولیاں نکال کر انہیں دیں۔ میمونہ بیگم نے میڈیسن لیتے ہی کچھ راحت محسوس کی جس کا انہوں نے زبان سے اقرار بھی کیا۔ فاریہ نے اپنے کمرے میں واپس آنے سے پہلے کہا۔

''انکل آپ فکر مند مت ہو۔ آنٹی جلد ہی اچھی ہو جائیں گی۔ میں نے میڈیسن کھلا دی ہے اب یہ کچھ دیر سوئیں گی۔''

''بہت شکریہ بیٹی۔''

''اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا بات ہے......میں آپ کی مدد نہ کرتی تو کوئی اور کر دیتا۔''

"Even then thnaks beti"

"It's ok uncle"

''اللہ حافظ۔''

شام کو دونوں باپ بیٹی میمونہ بیگم کی عیادت کو ان کے کمرے میں چلے آئے انہیں دیکھتے ہی فاریہ نے محسوس کر لیا کہ وہ پہلے سے کافی بہتر تھیں اس کے باوجود فاریہ نے انہیں ڈاکٹر

کے چلنے کا کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ دونوں میاں بیوی فاریہ کی بروقت مدد پر اس کے بے حد مشکور تھے۔ جبکہ فاریہ کو ان کا یوں بار بار شکریہ ادا کرنا شرمندہ کر رہا تھا۔

”آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں...... میں نے وہی کیا جو میری جگہ اگر کوئی بھی ہوتا تو کرتا۔“

مرتضٰی صاحب نے بھی بیٹی کی تائید کی۔

”آپ شکریہ کیوں ادا کرتے ہیں؟ فاریہ نے جو بھی کیا یہ اس کا اخلاقی فرض تھا۔“

باپ بیٹی کے کہنے کے باوجود میمونہ بیگم نے تہہ دل سے پھر ان کا شکریہ ادا کیا تو فاریہ نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”آنٹی میں نے مانا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں مگر کم از کم بیٹی جیسی تو ہوں نا! اگر اب آپ نے شکریہ ادا کیا تو میں یہی سمجھوں گی کہ آپ مجھے اپنی بیٹی جیسا بھی نہیں سمجھتیں۔“

خالد صاحب نے فاریہ کی ناراضگی کو زائل کرنے کو کہا۔

”آپ ہماری بیٹی جیسی نہیں بلکہ بیٹی ہو۔“

Then, please do not utter these kind of formal words again.

(پھر پلیز اس قسم کے رسمی الفاظ دوبارہ مت کہیے گا۔)

“O.K”

فاریہ مسکرانے لگی۔ پھر دونوں خاندانوں کی آپس میں خوب دوستی ہو گئی۔ حج کے دوران وہ ساتھ ساتھ رہے فاریہ نے اپنے والد کی طرح ان دونوں میاں بیوی کا بھی خوب خیال رکھا جس کی وجہ سے انہیں فاریہ سے اُنسیت ہو گئی فاریہ بھی اپنے دل میں ان کے لیے ایک عجیب سی کشش محسوس کرتی تھی مگر بے پناہ کوشش کے باوجود وہ اسے کوئی نام نہ دے پائی تھی۔ بہر حال وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ ان کی موجودگی اُسے اپنی منزل کے مل جانے کا یقین ضرور دلاتی تھی۔ کبھی کبھی اس کا یہ یقین اُسے حیرت زدہ بھی کر دیتا تھا۔

حج کے بعد حاجی اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہونے لگے تو خالد صاحب اور میمونہ بیگم بھی وطن واپسی کے ٹکٹ او۔کے کروا لیے۔ مرتضٰی صاحب اور فاریہ بھی جزان لوٹ رہے تھے مگر وہ خالد صاحب اور میمونہ بیگم کی مہمان نوازی کی دلی خواہش رکھتے تھے اس لیے انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے ان کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے ٹال

مٹول کی مگر فاریہ کے بے حد اصرار کرنے پر وہ ان کے ساتھ چلنے پر رضامند ہو گئے۔

جس دن وہ جزان پہنچے حمید صاحب اور ان کی فیملی بھی انہیں حج کی مبارک باد دینے کو آ گئے۔ ان کی آمد سے گھر پر عید کا سماں باندھ گیا۔ فاریہ تو آتے ہی کچن میں گھس گئی تھی تا کہ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کر سکے۔ تھوڑی دیر مہمانوں کو کمپنی دینے کے بعد حمید صاحب کی بیگم بھی اس کا ہاتھ بٹانے کچن میں چلی آئیں۔ کنزہ اور شانزہ کبھی ڈرائنگ روم تو کبھی کچن کے چکر لگا رہی تھیں۔ ماں کے تنبیہ کرنے پر وہ تھوڑی دیر تو سکون سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں سنتی رہیں مگر جب بوریت محسوس کی تو چپکے سے فاریہ کے کمرے میں چلی آئیں اور وہاں بیڈ پر لیٹ کر محوِ گفتگو ہو گئیں۔

مرتضٰی صاحب اور حمید صاحب مہمانوں کو بوریت کے احساس سے دور رکھنے کی بھر پور کوشش کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں مرتضٰی صاحب نے دوست کی مہربانیوں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”خالد صاحب ہماری دوستی کا بیج تو پاکستان میں بویا گیا مگر پروان پردیس میں چڑھا۔“

یہ حمید صاحب کی کوششوں کا ثمر ہے کہ فاریہ بیٹی کو یونیورسٹی میں جاب مل گئی اور ہم باپ بیٹی حج کا فریضہ بھی ادا کر پائے۔

حمید صاحب نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

”میں تو ایک ادنیٰ سا انسان ہوں میں بھلا کسی کے لیے کیا کر سکتا ہوں یہ سب اوپر والے کی مہربانی اور فاریہ بیٹی کے نصیب ہیں...... پھر ہماری بیٹی لائق اور ذہین بھی تو ہے۔“

”بے شک آپ درست فرما رہے ہیں مگر آپ کی کوششوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔“

مرتضٰی صاحب نے خالد صاحب کی تائید کی۔

”بلاشبہ...... خالد صاحب اب تو ہمیں بیٹیوں کی شادیوں کے لیے دوست کی مدد کی ضرورت ہے تا کہ اس فرض سے سبکدوش ہو کر اپنی باقی ماندہ زندگی اپنے ہمسفر کے ساتھ وطن عزیز میں گزار سکیں۔“

حمید صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مرتضٰی صاحب تو جب سے یہاں آئیں ہیں ہر وقت بھابھی کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ کتنی بار کہا اُنہیں بھی بلوا لیں مگر ان کا کہنا ہے جب واپس جانا ہے تو بلوانا کیوں۔“

”بس میں اپنی زندگی وطن عزیز میں راحت واطمینان سے بسر کرنا چاہتا ہوں۔“

میمونہ بیگم جو کافی دیر سے خاموش تھیں بولیں۔

''فاریہ کی شادی یہیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا پاکستان میں۔''

''یہ سب اوپر والے کے فیصلے ہیں......ہم کیا اور ہمارے ارادے کیا۔''

''آپ نے بجا فرمایا۔'' خالد صاحب نے تائید کی۔

مرتضیٰ صاحب کا جواب سن کر میمونہ بیگم مطمئن ہو گئیں۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے لیے لڑکی تلاش کر رہی تھیں۔ فاریہ اُنہیں اچھی لگی تھی اور وہ اسے اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں اس خواہش کا وہ اپنے شوہر کے سامنے اظہار بھی کر چکی تھیں۔ انہیں بیگم کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر وہ بیٹے کی رائے بھی جاننا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے فی الوقت مرتضیٰ صاحب سے اپنی خواہش کا اظہار نہ کیا تھا۔

کھانا لگتے ہی سب کھانے کی میز کے گرد جمع ہو گئے کنزہ اور شانزہ کو نہ پا کر فاریہ ان کو ڈھونڈنے اپنے کمرے میں چلی آئی پھر انہیں ساتھ لیے ڈائننگ روم میں آ گئی۔ ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ چھڑ گیا مگر اب موضوع کنزہ اور شانزہ کی معصومانہ شرارتیں تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے، پیارے، معصوم جملے سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر رہے تھے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی خالد صاحب نے ایئرپورٹ روانہ ہونے کے لیے اجازت چاہی تو حمید صاحب اور ان کی فیملی بھی گھر کے لیے نکل پڑے۔ مرتضیٰ صاحب اور فاریہ مہمانوں کو الوداع کہنے کو ان کے ساتھ چلے آئے۔ حمید صاحب سارے راستے اپنی بیگم سے خالد صاحب اور ان کی بیگم کے بارے باتیں کرتے رہے انہیں دونوں میاں بیوی بہت اچھے لگے تھے حمید صاحب کی بیگم کی بھی ان کے بارے میں ایسی ہی رائے تھی۔ کنزہ اور شانزہ جو والدین کی باتیں سن رہی تھیں بولیں۔

"Yes, Aunt and uncle are great"

ان کی بات سن کر وہ مسکرانے لگے کیونکہ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ دونوں سو چکی تھیں۔

ایئرپورٹ میں داخل ہونے سے پہلے میمونہ بیگم فاریہ کے قریب آئیں اور اس کا ماتھا چوما جس نے فاریہ کو ایک عجیب سی خوشی دی۔

''بیٹی جب بھی پاکستان آؤ کراچی کا چکر ضرور لگانا۔''

''جی آنٹی......میں تو خود کراچی دیکھنے کی خواہش مند ہوں......میں ضرور آؤں گی۔''

خالد صاحب نے بھی مرتضیٰ صاحب کو کراچی آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا بلکہ وعدہ کیا کہ وہ جب بھی پاکستان آئیں گے ان کے یہاں ضرور آئیں گے۔ فاریہ نے

آنٹی انکل کو کچھ تحائف دیے اور پھر سی آف کرنے کے بعد گھر چلے آئے۔

ابھی فاریہ نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں فون کی گھنٹی کی آواز پڑی وہ جھٹ سے فون کی طرف لپکی مرتضیٰ صاحب بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے جوں ہی اس نے ریسیور کان کو لگایا فروہ کی ڈانٹ سننے کو ملی۔

''کہاں ہوتی ہو تم......؟ جانتی ہو کب سے تمہیں ٹرائے کر رہے ہیں۔ اگر اب تم ریسیور نہ اٹھاتی تو میں پھر کبھی تم سے بات نہ کرتی......غضب خدا کا تمہیں ہماری ذرہ بھی پرواہ نہیں اور ہم تمہارے لیے ہلکان ہوتے رہتے ہیں......آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟''

فروہ غصے میں بولتی چلی جا رہی تھی فاریہ نے کئی بار اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی۔ فضیلت بیگم بھی بار بار اُسے تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ مگر وہ ماں کی بات بھی نہ مان رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح جب وہ دل کا غبار نکال چکی تو ریسیور ماں کو پکڑا کر آرام سے جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ فضیلت بیگم نے ریسیور پکڑتے ہی پہلے تو بیٹی کا حال احوال پوچھا اور پھر اتنی دیر سے فون ریسیو نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ فاریہ نے ماں کو وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

''امی میں اور ابو مہمانوں کو ایئرپورٹ تک چھوڑنے گئے تھے۔''

''مہمان کون مہمان؟''

''امی انکل اور آنٹی کراچی کے رہنے والے ہیں......مکہ معظمہ میں ہماری اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''میں فروہ کو کب سے سمجھا رہی تھی کہ تم لوگ یقیناً گھر پر نہیں ہو گے مگر وہ ضد لگائے بیٹھی تھی کہ میں نے ابھی فاریہ سے بات کرنی ہے......جانے کیا بے چینی لگی ہوئی ہے؟''

''میں جانتی ہوں......میں کل اُس سے بات کر لوں گی آپ ابو سے بات کریں۔''

مرتضیٰ صاحب بھی بیگم سے بات کرنے کو بے چین تھے فاریہ نے اس بے تابی کو دیکھتے ہوئے ہی ریسیور انہیں پکڑا دیا اور خود اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆

اگلے روز یونیورسٹی پہنچتے ہی اس نے موبائل سے پاکستان میں نمبر ملایا۔ اتفاقاً فون فروہ نے ہی ریسیو کیا۔ مگر اب اس کا موڈ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ فاریہ نے کل کے واقعے بارے تفصیل بیان کرنا چاہی مگر اس نے یہ کہہ کر سننے سے انکار کر دیا کہ وہ سب جان چکی تھی۔ اس نے

بہن کو فہمائش کی۔

''آنٹی سے ذرا ہوشیار رہنا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ تمہارے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہی ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ تمہیں بہو بنانا چاہتی ہیں۔''

''فروہ تم پاگل ہو چکی ہو......''

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''تمہیں کس نے کہا؟''

''کہا تو کسی نے بھی نہیں بس میں نے ابو کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔''

''ابو نے تم سے کوئی بات کی ہے کیا؟''

''ابو نے کوئی بات نہیں کی مگر میرا تجربہ یہ ہی کہتا ہے۔ دیکھنا کچھ عرصے تک تمہیں خود پتہ چل جائے گا۔''

''اب میں ڈرنے والی نہیں کیونکہ میں نے حج کے دوران جتنا شاذ کو مانگا ہے اس کے بعد وہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔''

''مگر تم''

اس نے بہن کی بات کاٹ دی۔

''اگر وہ نہیں ہو سکتا تو پھر میں کیسے...... چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تم کیا پوچھنے کو بے چین تھی۔''

''یہ ہی کہ تم نے دعا مانگی یا نہیں''

''فروہ میں یہاں آنے کا رہنے کا اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا مقصد تم اچھی طرح جانتی ہو...... اگر اب بھی تم یہ سوال کرو تو بڑی احمقانہ بات ہو گی۔''

''میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

''بے فکر ہو کے رہو...... شاذ میرا ہے اور میں اس کی۔''

یونیورسٹی ٹائمنگ ختم ہونے کے بعد وہ گھر جانے کے لیے پارکنگ ایریا میں چلی آئی تھی ابھی اس نے گاڑی گرلز ایریا سے باہر ہی نکالی تھی کہ اُسے حمید صاحب نظر آ گئے اس نے

گاڑی روک دی۔ اور باہر نکل آئی۔

''اسلام وعلیکم انکل''

''وعلیکم اسلام!...... گھر جا رہی ہو بیٹی۔''

''جی انکل...... آپ یہاں سب خیریت ہے نا!''

''سب خیریت ہے...... میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''جی انکل...... آپ پوچھیں جو پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''آپ جلدی میں ہو پھر بات ہو گی۔''

''It's ok Uncle آپ بات کریں۔''

''پھر کبھی بات ہو گی...... کیونکہ مجھے بھی جلدی ہے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

فاریہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئی اور حمید صاحب بھی پارکنگ ایریا میں چلے آئے۔

☆

کچھ دنوں بعد یونیورسٹی میں فاریہ کی حمید صاحب سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو اُسے فوراً یاد آ گیا کہ انہوں نے اُس سے کچھ پوچھا تھا۔

''انکل آپ کوئی بات کرنا چاہتے تھے۔''

''مجھے خالد صاحب کی فیملی کے بارے بات کرنا تھی۔''

''مثلاً''

''کیسے لوگ ہیں؟''

''بہت اچھے......''

''وہ تو میں جانتا ہوں''

''تو پھر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔''

''ان کے بارے''

''انکل آنٹی کراچی کے رہنے والے ہیں ان کے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی...... بیٹی کی شادی ہو چکی ہے اور بیٹے کے لیے اُنہیں لڑکی کی تلاش ہے۔''

حمید صاحب مسلسل فاریہ کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہے تھے۔ مگر انہیں وہاں کچھ ایسا دکھائی نہ دیا تھا جس سے وہ اندازہ لگا سکتے کہ فاریہ کو اس رشتے پر اعتراض ہو گا۔ انہیں

لگا تھا کہ وہ فاریہ کو اچھے لگتے تھے اور اس ساری گفتگو کے پیچھے یہ ہی جاننا مقصد تھا۔

''ان کا بیٹا کیا کرتا ہے؟''

''I don't know نہ انہوں نے بتایا، نہ میں نے، اور نہ ہی ابو نے پوچھا..... مگر انکل آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

انہوں نے معاً پہلو تہی کر دی

''کلاس کیسی رہی؟''

Good, Students are Careless

''گڈ...... سٹوڈنٹ آر کیئرلیس بٹ دے گیو رسپیکٹ ...... اب سٹڈی میں بھی انٹرسٹ لینے لگی ہیں......''

But they give me respect.

"It means you are a good teacher"

"Thanks uncle"

''آپ کنزہ اور شانزہ کو کبھی گھر لائیں نا بہت دن ہوئے اُن سے ملے۔''

''انشاءاللہ وی ول کم...... اب آپ جاؤ۔''

''اللہ حافظ!''

''اللہ حافظ!''

☆

میمونہ بیگم جب سے پاکستان آئیں تھیں بیٹے کی رائے جاننے کی کوشش کر رہی تھیں شاذ مسلسل مہلت مانگتا جا رہا تھا آج بھی کھانے کی میز پر فاریہ ہی موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ خالد صاحب بھی بیگم کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ میمونہ بیگم تو ہر وقت فاریہ کی تعریف کرتی رہتی تھیں وہ بیٹے کو اس کی خوبیاں گنوا رہی تھیں۔

''فاریہ بہت سوبر، ویل ایجوکیٹڈ، ویل مینرڈ لڑکی ہے۔''

''ماما میں نے کب اُسے برا کہا؟''

''بیٹا اپنی ماما کی باتوں پر غور کرو تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔''

''میں غور کر رہا ہوں اسی لیے تو مہلت مانگی ہے۔''

''شاذ بیٹا آپ کافی ٹائم لے چکے ہو۔''

"But I need more time"

''او۔کے۔''

اسی وقت شاذ کے موبائل پر میسج ٹیون بجی تو اس نے موبائل آن کر کے میسج پڑھنا شروع کیا۔

A drawning man is never drawn unless he sees a person treading towards him. Though he is a stranger and far from him yet he hopes very soon, he will be there can draw him out of the water by holding his hand. This hope lasts until the sea throw his body.

میسج پڑھنے کے بعد اس نے موبائل ایک طرف رکھ دیا اور کھانا کھانے لگا۔ میمونہ بیگم نے میسج کے بارے استفسار کیا تو شاذ نے میسج سینڈ کرنے والے کے بارے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ مگر وہ اسی بات کو لیے پچھلے کئی ماہ سے پریشان تھا کہ آخر یہ کون ہو سکتا تھا۔ کئی بار اُسے خیال آیا تھا کہ وہ خود فون کر کے پوچھ لے مگر پھر یہ سوچ کے ارادہ ترک کر دیا تھا کہ آخر وہ اس سے کیا پوچھے گا۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ میسج سینڈ کرنے والا خود اس سے بات کرے۔

آخر کو وہ ایک سٹار تھا اس کی اَنا اسے کسی صورت بھی جھکنے نہ دے رہی تھی مگر وہ دل ہی دل میں خود کو اس کی طرف راغب ہوتے ہوئے پا رہا تھا۔ ایک طرف میمونہ بیگم اس سے اپنا فیصلہ منوانا چاہ رہی تھیں اور دوسری طرف سے انتظار تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا سامنے آ جائے تا کہ اسے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

☆

شام کو حمید صاحب کنزہ اور شانزہ کے ساتھ ان کے گھر آئے تو فاریہ نے سب سے پہلے ان کی بیگم کے بارے پوچھا تو انہوں نے مصروفیت کا کہہ دیا۔ حمید صاحب سیدھا مرتضیٰ صاحب کے کمرے میں چلے آئے فاریہ نے اپنی ننھی ننھی دوستوں کے ساتھ کچن کا رخ کیا۔ چائے بنانے کے بعد وہ چائے لیے کنزہ اور شانزہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی اور ان کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

مرتضیٰ صاحب دوست کے یوں اچانک آنے پر حیران تھے کیونکہ وہ ہمیشہ اطلاع دے کر آتے تھے۔

''حمید صاحب آج یوں اچانک''

''میں نے فاریہ بیٹی سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''فاریہ نے مجھے نہیں بتایا۔''

''ہو سکتا ہے بھول گئی ہو...... میں تو اکیلے آنا چاہتا تھا مگر بچیوں کو اس لیے ساتھ لے آیا کہ فاریہ بیٹی ان کے ساتھ مصروف رہے گی تو ہمیں بھی تنہائی میں اطمینان سے بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

''کیسی بات؟''

''فاریہ بیٹی کے رشتے کے بارے''

''حمید صاحب آپ کی نظر میں کوئی لڑکا ہے۔''

''ایک فیملی سے میری ملاقات ہوئی ہے ...... آپ بھی اُس سے مل چکے ہیں۔ They are very nice people''

''آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟''

''خالد صاحب اور ان کی بیگم کے بارے بات کر رہا ہوں۔''

''They are nice......ان کی باتوں سے کچھ کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا بیٹا بہت سعادت مند باکردار اور فرمانبردار انسان ہوگا۔''

''فاریہ بیٹی کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''میرا خیال ہے فاریہ بیٹی کو وہ لوگ اچھے لگے ہیں۔''

''اگر آپ کہیں تو میں خالد صاحب سے بات کروں۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں ......بس میری تو دعا ہے کہ جلد از جلد بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

''انشاءاللہ''

حمید صاحب کچھ دیر مرتضیٰ صاحب کے پاس بیٹھے رہے مگر جب گھر جانے کو تیار ہوئے تو کنزہ اور شانزہ بیڈ کے نیچے چھپ گئیں۔ حمید صاحب نے انہیں وہاں سے نکالنے کے لیے کئی حربے آزمائے۔ مگر وہ کسی طرح بھی قابو نہ آئیں۔ وہ اپنی چھٹی کا دن فاریہ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھیں۔ چونکہ کل جمعہ کا دن تھا اس لیے مرتضیٰ صاحب اور فاریہ نے بھی اُنہیں یہیں چھوڑ جانے کا اصرار کیا آخر کار وہ رضامند ہو گئے جب وہ گھر روانہ ہونے لگے تو وہ نہ صرف

جھٹ سے بیڈ کے نیچے سے نکل آئیں بلکہ اس نے والد کو گیٹ تک سی آف کرنے بھی آئیں۔ حمید صاحب کے جاتے ہی وہ فاریہ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئیں اور کل کے لیے پلان بنانے لگیں۔

☆

حمید صاحب فاریہ کے بارے خالد صاحب اور ان کی بیگم کی رائے جاننے سے پیشتر کچھ راہ و رسم بڑھانا چاہتے تھے کہ وہ کھل کر بات کر سکیں ان کی خالد صاحب اور ان کی بیگم سے صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لیے مرتضیٰ صاحب کے ہاں ملاقات ہوئی تھی اتنی اہم بات کرنے کے لیے وہ اس مختصر ملاقات کو ناکافی سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے کئی بار خالد صاحب سے ٹیلی فون پر بات کی ان کی بیگم کی بھی اکثر میمونہ بیگم سے بات چیت ہونے لگی تھی مگر انہوں نے فی الوقت فاریہ کا ان کے سامنے تذکرہ نہ چھیڑا تھا۔ البتہ ان کی باتوں سے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ انہیں فاریہ اچھی لگی تھی۔ انہوں نے فاریہ کے لیے ان کی پسندیدگی سے مرتضیٰ صاحب کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔

جب سے میمونہ بیگم کراچی واپس آئی تھیں فاریہ کی بھی اکثر ان سے بات ہوتی رہتی تھی۔ مگر فاریہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ میمونہ بیگم ہی شاذ کی والدہ تھیں وہ تو صرف ان سے اس لیے رابطہ رکھے ہوئے تھی کہ وہ اس کے دل کو بھائی تھیں۔ پھر اسے ان کی زبان سے کراچی آنے کی دعوت سن کر خوشی بھی ہوئی تھی کیونکہ اسے کراچی شہر دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ میمونہ بیگم نے جب بھی اسے دعوت دی تھی اس نے معاً حامی بھری تھی۔

فروہ اور فضیلت بیگم سے بھی فاریہ کی ہر ہفتے فون پر بات ہوتی رہتی تھی اُسے جہاں بہن سے بات کر کے خوشی ہوتی وہاں وہ ماں کی آواز سن کر اُداس بھی ہو جاتی تھی اس کی والدہ چاہتی تھیں کہ وہ واپس لوٹ آئے مگر وہ اس وقت تک اس پاک سرزمین کو الوداع کہنے پر تیار نہ تھی جب تک کہ اس کی شاذ کے ساتھ کوئی نسبت نہ طے ہو جاتی تھی۔ یہ کیسے ہو پائے گا وہ کچھ نہ جانتی تھی اس نے تو اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ رکھا تھا۔

جمعہ کا دن تھا یونیورسٹی چونکہ کلوز تھی اس لیے فاریہ اپنے والد کے ہمراہ حمید صاحب کے گھر چلی آئی تھی۔ رات کو اس نے کنزہ اور شانزہ کے ساتھ ٹیلی فون پر سیر کا پروگرام بنایا تھا اور انہوں نے اسے پورا یقین دلا دیا تھا کہ وہ کل اس کے پہنچنے تک اپنے والدین کو راضی کر لیں گی۔ فاریہ دس گیارہ بجے کے قریب اپنے والد کے ساتھ وہاں آ گئی تھی اس کے جانے سے پہلے

آؤٹنگ کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے ان کے آتے ہی وہ سیر کے لیے نکل پڑے۔

سارا دن انہوں نے خوب مزا کیا حمید صاحب اور مرتضیٰ صاحب تو زیادہ وقت بیٹھ کر باتیں کرتے رہے جبکہ فاریہ ان کی فیملی کے ساتھ گھومتی رہی۔ ان کے ساتھ انجوائے کرتے ہوئے آج پھر اس کے ذہن میں وہ سوال ابھر آیا تھا جو سعودی عرب آنے پر اس کے ذہن میں آیا تھا۔ ایئرپورٹ پر جب اس نے کنزہ اور شانزہ کو دیکھا تھا تو وہ حیران رہ گئی اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی بیٹیاں اتنی چھوٹی ہوں گی۔ جب وہ پاکستان میں رہتے تھے تو اس کی حمید صاحب کی بیگم سے ملاقات ہوئی تھی مگر وہ کبھی ان کی بیٹیوں سے نہ ملی تھی۔ ان کی بیگم کا کم عمر ہونا اس کے لیے اتنا حیران کن نہ تھا جتنا کنزہ اور شانزہ کا۔ کیونکہ حمید صاحب اس کے والد کے ہم عمر تھے۔ سعودیہ آنے کے بعد ہی اُسے اپنے والد کی زبانی علم ہوا تھا کہ فاطمہ بیگم سے ان کی دوسری شادی تھی۔ کنزہ اور شانزہ ان کی بیٹیاں تھیں۔ کنزہ کی پیدائش تو پاکستان میں ہوئی تھی البتہ شانزہ نے سعودی عرب میں جنم لیا تھا۔

فاریہ نے یہاں چھ ماہ گزارنے کے بعد پہلی بار فاطمہ بیگم سے ان کی شادی کے متعلق پوچھا تھا۔

"کیا آپ کی پسند کی شادی ہے؟"

فاطمہ مسکرانے لگیں۔

"نہیں۔"

"آپ خوش ہیں۔"

"بہت خوش...... حمید بہت اچھے انسان ہیں۔"

"وہ آپ سے عمر میں بڑے ہیں آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"نہیں"

"ان کے طلاق یافتہ ہونے پر بھی آپ کو کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں ...... کیونکہ یہ ان کا ماضی تھا اور میں ماضی میں جھانکنے والوں میں سے نہیں ...... ویسے بھی میں اپنے گھر میں پہلی لڑکی نہیں جس کے ساتھ ایسا ہوا ہو ہمارے والد نے ہم سب بہنوں کی شادیاں طلاق یافتہ مردوں سے کروائیں ہیں اور سب بہت خوش ہیں...... شادیاں بھی کامیاب ہیں۔"

فاریہ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی مگر وہ یہ سوچ کر خاموش رہی کہ جب میاں بیوی

راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ کنزہ اور شانزہ کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس کی نظر کلائی پر باندھی ہوئی گھڑی پر پڑی۔ پاکستانی وقت کے مطابق دس بجنے میں چند منٹ باقی تھے! اس نے جلدی سے موبائل کی سم تبدیل کی۔ وہ پہلے ہی میسج لکھ کر اس سم میں سیو کر چکی تھی۔ اب اُسے صرف دس بجنے کا انتظار تھا۔ اس نے شاذ کو میسج سینڈ کرنے کے لیے یہاں بھی وہی سم استعمال کی تھی جو نمبر وہ پاکستان میں استعمال کرتی تھی۔ جوں ہی ٹائم ہوا اس نے درود پڑھا اسے میسج پر پھونکا اور شاذ کا نمبر ملا کر سینڈ کر دیا۔ پھر جلدی سے پرانی سم موبائل میں ڈالی اور بے فکر ہو کر کنزہ اور شانزہ سے باتیں کرنے لگی۔ شاذ آفس میں بیٹھا تھا کہ میسج ٹیون بجی اس نے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر دوڑائی تو وہ دس بجا رہی تھی جس سے وہ فوراً سمجھ گیا کہ کسی کا پیغام آیا تھا۔ موبائل آن کرنے کے بعد اس نے پڑھنا شروع کیا۔

I am an Emblem of change
That emanates such flame
which shines like a star
To decrease your dark
Sit beside you
To tell you my worth
Remember you to solve
what should be solved
To achieve the goal
What should be achieved.
spend me in the search
who should be sought out.
But, you hardly put your ear
on my voices.
Mostly, think me worthless
And let me pass.
Without utilizing me

in all the tasks.
when I am far from you.
You bend your knees
run after me.
To bring me back
Now, I have done
what I have to do
I am not your thought
That can be brought back
I am time
Whose duty is just to pass.

میسج پڑھتے ہوئے شاذ کو اپنی والدہ کے الفاظ یاد آنے لگے۔

”Shaz you have a little time...... بیٹا جلد فیصلہ کروایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے...... فاریہ بہت اچھی لڑکی ہے اور میں اُسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔“

شاذ کو لگا کہ اگر اس نے اس بیش قیمت خزانے کو کھو دیا تو پھر وہ پچھتا تا رہے گا وہ پچھلے کئی ہفتوں سے پیغام بھیجنے والے سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر ہمیشہ اس کی اَنا اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال دیتی تھی۔ اس کے اڑے آجاتی تھی مگر اب اس نے اسے پسِ پشت ڈالتے ہوئے نمبر ڈائل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ موبائل کان کو لگائے ہوئے دوسری جانب سے آنے والی آواز کا منتظر تھا کہ اس نے سنا۔

“The number you have dialed is powered off”

فاریہ اس بات سے بے خبر آؤٹنگ کے بعد اپنے والد کے ساتھ گھر کو روانہ ہو چکی تھی۔ حمید صاحب اور ان کی فیملی بھی گھر پہنچ گئے تھے۔

شاذ نے کئی بار ٹرائے کیا مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

شاذ پورا ہفتہ کوشش کرتا رہا مگر ناکام رہا جمعہ کو فاریہ نے سم تبدیل کی اور شاذ کو پیغام بھیجا ابھی وہ دوبارہ روزمرہ استعمال ہونے والی سم بدلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے والد نے ...ے آواز دی وہ والد کی بات سننے ان کے کمرے میں آگئی اب جو شاذ نے نمبر ڈائل کیا تو بیل

ہونے لگی وہ خوش تھا کہ جلد ہی وہ سب جان پائے گا۔ مگر کئی بار بیل ہونے کے باوجود کسی نے کال ریسیو نہ کی۔

فاریہ اس وقت کچن میں اپنے والد کے لیے کھانا گرم کر رہی تھی۔ کیونکہ جب اس نے کھانا کھایا تھا مرتضیٰ صاحب نے بھوک نہ ہونے کی وجہ سے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب اُنہیں زوروں کی بھوک لگ گئی تھی۔ وہ چند منٹ پہلے بھی بیٹی کو کھانا گرم کرنے کا کہہ چکے تھے۔ مگر اُس وقت وہ میسج لکھنے میں مصروف تھی اب جو دوبارہ انہوں نے پکارا تو وہ معاً چلی آئی تھی۔ والد کو کھانا دینے کے بعد وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ موبائل پر انجان نمبر کی مس کالز دیکھ کر وہ تھوڑی سی حیران ضرور ہوئی مگر اسے کسی قسم کا کوئی تجسس نہ ہوا تھا اس لیے اس نے بیک کال کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اس سے پہلے کہ پھر کوئی کال آتی اس نے سم تبدیل کر دی اور موبائل ایک طرف رکھنے کے بعد اطمینان سے بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی۔

اسی وقت شاذ نے اس نمبر سے فاریہ کو کال کرنے کا ارادہ کیا جس پر وہ پیغام بھیجتی تھی پہلے اُس نے اس نمبر سے اس لیے ٹرائے نہ کیا تھا کہ شاید وہ اس کی کال ریسیو نہ کرے اب جو اس نے نمبر ڈائل کیا تو پاورڈ آف کا جواب موصول ہوا جسے سن کر اُسے غصہ آگیا۔

☆

فاریہ کئی دنوں تک کراچی فون نہ کر پائی تھی کیونکہ یونیورسٹی میں ایگزیمز شروع ہو چکے تھے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف یونیورسٹی میں مصروف رہتی بلکہ گھر پر بھی اس کا بہت بیزی وقت گزرتا تھا۔ جوں ہی امتحانات کا بوجھ سر سے اترا اس نے میمونہ بیگم سے بات کرنے کا سوچا اسی نیت سے وہ موبائل اُٹھائے ٹیرس پر آگئی۔

شاذ اس وقت فون کے پاس سے ہی گزر رہا تھا گھنٹی بجتی سن کر رُک گیا جوں ہی اس نے ہیلو کہا فاریہ ایک دم سکتے میں آگئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور سارا جسم لرز اُٹھا۔ وہ شاذ کو پہچان گئی تھی گو اس کی کبھی اس سے بہت لمبی چوڑی بات نہ ہوئی تھی مگر وہ کروڑوں آوازوں میں بھی اُسے پہچان سکتی تھی۔ اس وقت اس نے اپنی مٹھیوں کو پسینے سے تر پایا کیونکہ موبائل اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

”جی آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟“

وہ خود کو مضطرب پا رہی تھی اسے لگا وہ کہہ دے گی کہ اُسے اُس سے ہی بات کرنی تھی مگر ابھی اس کے ہونٹوں نے ہلکی سی جنبش ہی لی تھی کہ شاذ نے سوال دوہرایا۔

”جی آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟“

فاریہ نے اپنے گمان کو یقین کی چادر اوڑھنے کو پوچھا۔

”آپ......کون؟“

شاذ نے لاپرواہی سے کہا۔

”آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟“

فاریہ کو احساس ہو گیا کہ شاذ کسی صورت اُسے اپنے بارے نہیں بتائے گا اس لیے اُس نے فون کرنے کا مقصد بیان کر دیا۔

”مجھے آنٹی سے بات کرنی ہے“

”ماما سے...... میں ابھی بلواتا ہوں۔“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں آپ کون بات کر رہے ہیں؟“

”میں ان کا بیٹا ہوں۔“

اس سے پہلے کہ وہ اس سے کہتی کہ وہ اس کا نام پوچھنا چاہ رہی تھی شاذ نے ریسیور رکھ دیا۔ تو وہ بولتے بولتے رک گئی۔ فاریہ موبائل کان سے ہٹا کر آنکھوں کے سامنے لائی اور ڈائل کیے نمبر کو بغور دیکھنے لگی۔ تب اُسے یاد آیا کہ میمونہ بیگم نے ایئر پورٹ پر روانگی سے قبل جب اسے یہ نمبر دیا تھا تو اُسے وہ جانا پہچانا لگا تھا مگر تب وہ کوشش کے باوجود یہ یاد نہ کر پائی تھی کہ یہ نمبر کب اس کی نظروں کے سامنے سے گزرا تھا کیونکہ اس نے صرف ایک دو دفعہ شاذ کے گھر کا نمبر ملایا تھا اس کا یہ تجربہ کچھ اچھا نہ رہا تھا اس لیے اس نے پھر نہ کبھی اس نمبر کو ڈائل کیا اور نہ ہی اسے یاد رکھا اب جو اس نے شاذ کی آواز سنی تھی تو اسے لگا تھا کہ یہ شاذ کے گھر کا نمبر تھا۔ مگر یہ یقین اُس وقت گمان میں بدل گیا جب اُسے شاذ کی والدہ کا تلخ اور سخت لہجہ یاد آ گیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے میمونہ بیگم کے رویے سے کمپیئر کرنے لگی تھی۔ میمونہ بیگم اُسے بہت نرم مزاج، دھیمے لہجے والی، اور بہت پیار محبت کرنے والی خاتون دیکھی تھیں۔ اس لیے اس نے یہ سوچ کر اپنے یقین کو جھٹک دیا۔

”فاریہ تم پاگل ہو چکی ہو اس لیے تمہیں ہر آواز شاذ کی آواز سنائی دیتی ہے......“ اگر شاذ آنٹی کا بیٹا ہوتا تو وہ تذکرہ ضرور کرتیں مگر انہوں نے تو کبھی نہیں بتایا کہ ان کا بیٹا سنگر ہے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ میمونہ بیگم کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

”ہیلو......“

”اسلام وعلیکم آنٹی۔“

”وعلیکم اسلام!......فاریہ بیٹی کیسی ہیں؟“

”I am all right......آپ کیسی ہیں؟“

”میں......بالکل ٹھیک۔“

فاریہ نے بارہا چاہا کہ وہ میمونہ بیگم سے اُن کے بیٹے کے بارے میں پوچھے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی بات نہ کر پائی۔ اسے اس قسم کا سوال کرنا کچھ عجیب سا لگا تھا۔ اس لیے حال احوال پوچھنے کے بعد خدا حافظ کہہ دیا۔

☆

شاذ کنسرٹ کے سلسلے میں بیرون ملک روانہ ہونے سے پہلے پیغام بھیجنے والے سے بات کرنا چاہتا تھا کیونکہ میمونہ بیگم نے اُسے کنسرٹ سے واپسی پر اپنا فیصلہ سنانے کا حکم صادر کیا تھا۔ اس نے کئی دفعہ کوشش کی مگر ناکام رہا کیونکہ میسج سینڈ کرتے ہی فاریہ سم بدل دیا کرتی تھی۔

حمید صاحب بھی باتوں باتوں میں اپنا مقصد بیان کر چکے تھے میمونہ بیگم اُنہیں ہر بار ٹال دیتی تھیں کیونکہ وہ شاذ کی رائے کی منتظر تھیں۔ شاذ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے بعد انہوں نے حمید صاحب سے بھی کچھ عرصے کی مہلت مانگ لی۔ حمید صاحب کو ان کی طرف سے مثبت جواب کی اُمید تھی اس لیے انہوں نے بخوشی یہ مہلت فراہم کر دی۔ فاریہ اس ساری صورت حال سے بے خبر شاذ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی اور اُسے امید تھی کہ جلد ہی اس کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی۔ فروہ بھی اُسے یقین دلاتی رہتی تھی سعودیہ آنے کے بعد فاریہ کے سارے خوف سارے ڈر ختم ہو گئے تھے، اس لیے فروہ جب بھی اُسے کہتی۔

”بس تمہارا انتظار ختم ہونے کو ہے تم ڈگمگانا مت بس اپنے فیصلے پر قائم رہنا۔“

تو وہ بڑے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیتی۔

”میں جانتی ہوں...... میں نہ ڈگمگا رہی ہوں اور نہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والی ہوں......شاذ میرا تھا میرا ہے اور میرا ہی رہے گا......اللہ نے میری یہ دعا قبول کر لی ہے مجھے یقین کی وہ روشنی دیکھائی ہے جس نے ڈر خوف، وہم گمان، رنج والم کے سارے اندھیرے ختم کر ڈالے ہیں......اب تو میں اُجالوں میں رہتی ہوں۔“

فاریہ اور مرتضٰی صاحب کو سعودی عرب آئے ہوئے دس گیارہ ماہ گزر چکے تھے مگر وہ پاکستان کا ایک دفعہ بھی چکر نہ لگا سکے تھے۔ مرتضٰی صاحب تو اکثر بیٹی سے پاکستان چلنے کا کہتے

رہتے تھے مگر وہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتی تھی کیونکہ وہ اس وقت تک سعودیہ سے جانے کو تیار نہ تھی جب تک کہ اُسے اپنی منزل کا نشاں نہ مل جاتا تھا۔

مرتضیٰ صاحب چپ چپ رہنے لگے تھے فاریہ والد کو ہنسانے کی ہر کوشش کرتی اکثر انہیں باہر گھمانے بھی لے جاتی وہ اکثر حمید صاحب کے گھر کا چکر بھی لگاتے رہتے تھے مگر اس کے باوجود وہ اُداس ہی رہتے تھے۔ وہ جب بھی والد سے پوچھتی۔

''ابو آپ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔''

تو وہ صاف صاف لفظوں میں تو اس کا اظہار نہ کرتے البتہ ڈھکے چھپے لفظوں میں کہتے۔

''وطن کی یاد بڑی ستاتی ہے۔''

آخر اس نے اپنے والد کو پاکستان بھجوانے کا ارادہ کر لیا مگر مرتضیٰ صاحب بیٹی کو اکیلا پردیس میں چھوڑ کر جانے کو تیار نہ تھے۔ اس نے ایک دوبار اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اُسے اکیلا نہ سمجھیں کیونکہ حمید صاحب اور ان کی فیملی اس کا بڑا خیال رکھتی تھی مگر وہ رضامند نہ ہوئے۔

''میں صرف ایک شرط پر پاکستان جاؤں گا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

''ابو میں نہیں جا سکتی۔''

''کیوں نہیں جا سکتی؟''

''آپ میری پرابلم کو سمجھنے کی کوشش کریں۔''

آخر اس نے حمید صاحب سے بات کی کہ وہ اس کے والد کو رضامند کریں۔ پھر اس نے فاطمہ بیگم کنزہ اور شانزہ کو بھی اپنا حمایتی بنا لیا۔ سب نے مرتضیٰ صاحب کو یقین دلایا کہ وہ ان کے جانے کے بعد فاریہ کا بھر پور خیال رکھیں گے۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ جب تک وہ پاکستان میں رہیں گے فاریہ ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہے گی۔ آخر مرتضیٰ صاحب راضی ہو گئے۔

فاریہ نے فاطمہ بیگم کے ساتھ اپنی ماں اور بہن کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی۔ مرتضیٰ صاحب بہت روکتے رہے مگر وہ باز نہ آئی۔ ٹکٹ او۔ کے ہونے کے بعد اس نے والد کو پاسپورٹ تھما دیا۔ اس دن مرتضیٰ صاحب بہت خوش تھے۔ وہ پاکستان روانگی سے پہلے بیوی اور بیٹی کو اپنی آمد کی اطلاع دینا چاہتے تھے مگر فاریہ نے منع کر دیا۔

''ابو اگر آپ نے امی کو اپنے آنے کی خبر دے دی تو وہ سب سے پہلے سوال کریں گی کہ میں آپ کے ساتھ آ رہی ہوں کہ نہیں اور جب انہیں پتہ چلے گا کہ آپ اکیلے ہی آ رہے ہیں تو وہ آپ کو بھی آنے سے منع کر دیں گی۔''

''پتہ تو چل ہی جائیں گا۔''

''مگر اس وقت آپ وہاں پہنچ چکے ہونگے ...... تب وہ آپ کو واپسی کا ٹکٹ کروانے کو تھوڑی کہیں گی۔''

''دیکھ لو بیٹی ایسا نہ ہو لینے کے دینے پڑ جائیں ...... میں گھر پہنچوں اور تمہاری ماں مجھے سامان سمیت وہاں سے نکال دے۔''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا...... بس آپ خوشی خوشی پاکستان جائیں ...... جلدی واپس آنے کی کوشش ضرور کیجیے گا۔''

''انشاء اللہ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔''

جوں ہی مرتضیٰ صاحب نے پاکستان کے لیے فلائے کیا فاریہ بھی اپنا سامان لیے حمید صاحب کے گھر آ گئی اس کے آنے پر حمید صاحب اور ان کی بیگم تو خوش تھے ہی کنزہ اور شانزہ کی خوشی تو آسمان سے باتیں کرنے لگی تھی۔

لاہور ائیر پورٹ پر پہنچنے کے بعد مرتضیٰ صاحب نے گھر انفارم کرنا چاہا مگر پھر سرپرائز دینے کا سوچ کر ٹیکسی سے گھر پہنچ گئے۔ فروہ اس وقت لان میں چہل قدمی کر رہی تھی فضیلت بیگم کچن میں مصروف تھیں۔ جوں ہی چوکیدار نے گیٹ کھلا اور ایک ٹیکسی اندر داخل ہوئی تو فروہ چلتے چلتے رُک گئی۔ پھر جوں ہی ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور مرتضیٰ صاحب باہر نکلے تو خوشی سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بھاگی بھاگی والد کے پاس آئی اور اُن سے لپٹ گئی۔

''ابو آپ...... یہاں...... اچانک''

مرتضیٰ صاحب نے بیٹی کو پیار کیا اور چوکیدار سے کہا۔

''یہ سامان اندر لے جاؤ۔''

پھر انہوں نے جیب سے ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کیا جس کے بعد اس نے ٹیکسی کو سٹارٹ کیا اور باہر سڑک پر آ گیا۔ فروہ والد سے باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔

''ابو فاریہ نہیں آئی۔''

''میں نے تو بہت کہا مگر وہ آنے کو تیار ہی نہ ہوئی۔''

''چلیں کوئی بات نہیں ...... آپ سنائیں وہاں وقت کیسا گزرا......؟ آپ کو سعودیہ کیسا لگا۔

وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟''

''اتنے ڈھیر سارے سوال''

فروہ ہنسنے لگی۔

''سب کے جواب دیں گے مگر پہلے اندر چل کے آرام سے بیٹھ جائیں۔''

چوکیدار کو اٹیچی اندر رکھتے دیکھ کر فضیلت بیگم نے استفسار کیا۔

''کون آیا ہے؟''

''بڑے صاحب''

''مرتضٰی......''

''جی......''

وہ بیٹی سے ملنے کو آگے بڑھی تو شوہر کو فروہ کے ساتھ آتے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''فاریہ کہاں ہے؟''

''بیگم آپ نے ہمارے بارے نہیں پوچھا۔''

''آپ تو سامنے کھڑے ہیں...... فاریہ کہاں ہے؟''

''وہ نہیں آئی۔''

''کیا...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

مرتضٰی صاحب صوفے کی طرف بڑھے اور براجمان ہوتے ہوئے بولے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''آپ اُسے کیوں نہیں لائے؟''

''امی فاریہ خود نہیں آنا چاہتی۔''

مگر فضیلت بیگم اس بات کو ماننے کو تیار نہ تھیں۔

کھانے کی میز پر بھی یہ ہی موضوع ڈسکس ہوتا رہا۔ مرتضٰی صاحب نے اپنی صفائی میں بہت دلائل دیے فروہ نے بھی والد کی حمایت کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے والد سچ بول رہے تھے مگر فضیلت بیگم نے ان کی ہر دلیل، ہر ثبوت کی تردید کر دی۔ مرتضٰی صاحب کو پاکستان آئے ایک ہفتہ گزر گیا مگر فضیلت بیگم کی ناراضگی اسی طرح قائم تھی۔ حالانکہ وہ فاریہ سے خود ٹیلی فون پر بات بھی کر چکی تھیں۔ فاریہ نے ماں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی کہ وہ یونیورسٹی مصروفیت کی وجہ سے پاکستان نہ آ پائی تھی مگر فضیلت بیگم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ نہ آنے کا بہانہ بنا رہی تھی۔

☆

جب سے فاریہ حمید صاحب کے گھر آئی تھی وہ اُسے اکیلے یونیورسٹی نہ جانے دیتے تھے۔ وہ حمید صاحب کی گاڑی پر ان کے ساتھ ہی جاتی تھی اور وہ اسے گرلز سیکشن میں ڈراپ کرنے کے بعد بوائز سیکشن میں چلے آتے تھے واپسی پر بھی وہ اُسے وہیں سے پک کر لیا کرتے تھے۔

گھر پر کنزہ اور شانزہ کے ساتھ اس کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا۔ حمید صاحب اور ان کی بیگم اس سے اپنی بیٹیوں کی طرح محبت کرتے تھے اس لیے اُسے والد کی کمی کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔

پاکستان میں سب فاریہ کو واپس بلانے کے لیے مختلف تراکیب پر غور وغوض کر رہے تھے۔

☆

فاریہ یونیورسٹی سے لوٹی تو سب کو اُداس دیکھ کر پریشان ہوگئی حمید صاحب بھی گھر میں چھائی ہوئی خاموشی پر حیران تھے۔ مگر اس سے پیشتر کہ وہ اس اُداسی کی وجہ دریافت کرتے شانزہ بولی۔

''پاپا...... فاریہ آپی کے لیے فون آیا ہے۔''

''تو اس میں یوں اُداس بیٹھنے والی کونسی بات ہے؟''

کنزہ نے فٹ سے کہا۔

''پاکستان سے فون آیا ہے۔''

''پاکستان سے ...... مگر کیوں؟''

فاریہ کے سوال کا جواب دینے کو کنزہ نے بولنا چاہا مگر فاطمہ نے اسے چپ کروا دیا اور خود اُس کو تفصیل بتانے لگیں۔

''فاریہ آپ کی امی...... یعنی بھابی فضیلت بیمار ہیں۔''

''کیا ہوا امی کو؟''

''زیادہ تفصیل تو مجھے معلوم نہیں کیونکہ بھائی صاحب نے بہت مختصر بات کی تھی ......

ان کا کہنا ہے کہ بھابی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''بیگم آپ نے پوچھا تو ہوتا کہ بھابی کو کیا ہوا ہے؟''

''میں نے بات کرنے کی کوشش کی مگر لائن کٹ گئی۔''

''میں ابھی مرتضٰی صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

''انکل آپ میرے لیے سیٹ بک کروا دیں...... میں پاکستان جاؤں گی۔''

''بیٹی آپ ضرور جاؤ مگر اندازہ تو ہو آخر بھابی کو ہوا کیا ہے۔''

انکل مجھے پاکستان جانا ہے...... ابھی ...... اسی وقت؟

"ٹھیک ہے آپ پیکنگ کرو میں سیٹ کنفرم کرواتا ہوں۔"

حمید صاحب معاً گھر سے نکل پڑے۔ فاریہ بھی تیز تیز ڈگ بھرتی اپنے کمرے میں چلی آئی اور پیکنگ کرنے لگی۔ اس وقت اُسے خیال آیا کہ اس نے گھر والوں اور کچھ عزیز و اقارب کے لیے کچھ چیزیں خرید رکھی تھیں جو اس کے فلیٹ میں رکھی تھیں۔ وہ گاڑی لیے فلیٹ پر آگئی اور سب گفٹ لیے واپس حمید صاحب کے گھر چلی آئی۔ جب وہ پہنچی حمید صاحب بھی آچکے تھے انہیں دیکھتے ہی اس نے سوال کیا۔

"انکل ٹکٹ او۔ کے ہوگئی۔"

"ڈائریکٹ فلائٹ تو نہیں مل سکی۔"

"It's ok"

حمید صاحب اور ان کی فیملی اسے ایئر پورٹ پر سی آف کرنے کو اس کے ساتھ آئے۔ فاطمہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ بھابی جلد صحت یاب ہو جائیں گی۔"

"انشاءاللہ"

"آپی آپ پریشان مت ہوں ہم دعا کریں گے۔" کنزہ نے کہا۔

شانزہ نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو پھیلایا اور دعا مانگنے لگی۔

"اللہ میاں آنٹی کو جلد اچھا کر دے۔"

فاریہ کو اس معصومانہ جملے پر اتنا پیار آیا کہ اس نے نیچے بیٹھ کر اسے چوما اور پھر سب کو خدا حافظ کہنے کے بعد ایئر پورٹ کے اندر داخل ہوگئی۔

حمید صاحب اور ان کی فیملی جہاز کے ٹیک آف ہونے تک ایئر پورٹ پر موجود رہے تا کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اس کی مدد کر سکیں۔

فاریہ ابھی کراچی ایئر پورٹ پر اتری ہی تھی کہ اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ فروہ کا نمبر دیکھ کر وہ تھوڑی سی پریشان ہوئی۔ اس نے موبائل آن کرتے ہی بہن کو تفصیلات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"میں پاکستان پہنچ چکی ہوں...... انشاءاللہ جلد لاہور پہنچ جاؤں گی...... تم پریشان مت ہو میں آگئی ہوں انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

فروہ ہنسنے لگی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو؟"

"ابو تمہیں پاگل بنانے میں کامیاب ہو گئے۔"

فاریہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی پریشانی حیرانی میں بدل گئی

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ امی تم سے ملنا چاہتی تھیں اور تم پاکستان آنے کو تیار ہی نہ تھی...... ابو نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر جب وہ نہ مانیں تو انہوں نے تمہیں بلوانے کے لیے امی کی بیماری کا کہہ دیا۔"

فاریہ نے سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر لڑنے لگی۔

"آپ لوگوں نے اچھا نہیں کیا...... کم از کم تمہیں تو امی ابو کا ساتھ نہیں دینا چاہیے تھا۔"

"میں نے کب ساتھ دیا ہے...... بلکہ میں نے تو تمہیں کال بھی کی تھی مگر انکل نے بتایا کہ تم پاکستان کے لیے فلائے کر چکی ہو۔"

"پھر اب بتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تا کہ تم اپنا سفر سکون سے گزار سکو۔"

"فی الوقت تو مجھے غصہ آرہا ہے۔"

"غصہ تھوک دو...... والدین کا بھی اولاد پر کچھ حق ہوتا ہے ویسے بھی امی کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"کیا ہوا امی کو؟"

"ہلکا سا بخار ہے...... اب تم آگئی ہو تو وہ بھی جاتا رہے گا۔"

اسی لمحے فروہ نے ماں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو جلدی سے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ فضیلت بیگم نے جو فروہ سے فون کی بابت دریافت کیا تو اُس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ وہ اپنی دوست سے بات کر رہی تھی۔

بہن کی زبانی سچ سن کر فاریہ آگ بگولہ تو بہت ہوئی مگر والدہ کی صحت یابی کا جان کر دل کو طمانیت ضرور ملی۔ تب اس نے اپنا غصہ کافور کرنے کو خود سے کہا۔

"Everything happens for our own good."

اس سے پہلے کہ وہ لاہور کے لیے ٹکٹ او۔ کے کرواتی میمونہ بیگم کی کال آگئی۔ نمبر دیکھ کر وہ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔

"آنٹی کو میرے کراچی پہنچنے کی اطلاع کس نے دے دی...... کہیں فروہ نے ...... نہیں نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ تو آنٹی کا نمبر ہی نہیں جانتی۔"

اس نے اپنے خدشات کو ذہن سے جھٹک کر فون اٹینڈ کیا سلام دعا کے بعد میمونہ نے فاریہ سے اس کی مصروفیت کے بارے باز پرس کی۔

"آج کل کیا ہو رہا ہے؟"

"آنٹی کل کا تو کچھ علم نہیں مگر آج میں لاہور جانے کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"فاریہ بیٹی پاکستان کا چکر لگاؤ تو کراچی ضرور آنا۔"

"میں کراچی میں ہی ہوں۔"

"کراچی میں؟"

فاریہ نے میمونہ بیگم کو جو سارے واقعہ سے آگاہ کیا تو وہ مسکرانے لگیں۔

"کبھی کبھار والدین کو اس قسم کا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔"

"چاہے اولاد کا ہارٹ فیل ہو جائے۔"

"جدائی والدین کو خود غرض بنا دیتی ہے...... اب جو ہوا سو ہوا...... جلدی سے گھر آجاؤ۔"

"گھر؟"

"ہاں گھر...... میں ڈرائیور بھیج رہی ہوں...... سونو ایکسکیوز۔"

جوں ہی میمونہ بیگم نے فون رکھا فاریہ نے گھر کا نمبر ڈائل کر دیا اتفاقاً کال فروہ نے ہی ریسیو کی۔ فاریہ نے بہن کو ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد اس سے اپنے ردعمل کے متعلق پوچھا تو اس نے معاً آنٹی کی بات ماننے کا حکم صادر کر دیا اس کا نظریہ تھا کہ جہاں سے آپ کو پیار و محبت ملے لے لو کیونکہ محبت والفت خوش بختی کی علامت ہوتی ہے۔ خوش قسمتی نہ تو ہر دروازے پر دستک دیتی ہے اور نہ ہر کوئی اس کی دستک پر دروازہ کھولتا ہے صرف خوش بخت لوگ ہی اسے خوش آمدید کہہ پاتے ہیں۔ فروہ کی رائے جان کر اسے اپنے فیصلے کی درستگی کا یقین ہو گیا اب وہ بے چینی سے ڈرائیور کے آنے کی منتظر تھی کچھ ہی دیر میں ڈرائیور آ گیا اس نے ایک بورڈ اٹھا رکھا تھا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا میمونہ بیگم نے اُسے اپنے ڈرائیور کا نام بتا دیا تھا اس لیے اسے ڈرائیور کو تلاش کرنے میں کسی قسم کی دقت یا دشواری نہ ہوئی۔

سارے راستے وہ گاڑی کی کھڑکی سے کراچی شہر کا نظارہ کرتی رہی۔ کراچی دیکھنے کی جو خواہش اس کے دل میں پنپ رہی تھی وہ کافی حد تک پوری ہو گئی تھی۔ جوں ہی گاڑی گیراج

میں آ کر رُکی فاریہ نے خود کو اپنائیت کی سحر میں مست پایا۔ وہ اس حصار میں اس قدر گھری ہوئی تھی کہ اُسے دروازہ کھول کر کھڑا ڈرائیور بھی دکھائی نہ دیا۔

"بی بی گھر آ گیا۔"

اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا ڈرائیور کی متحیر نگاہوں کو دیکھ کر وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ اپنی خفت کو چھپانے کو وہ جھٹ سے گاڑی سے اتر آئی۔

"بی بی آپ اندر چلیں میں آپ کا سامان لاتا ہوں۔"

ڈرائیور کا جملہ محض اس کے کانوں کو چھو کر گزر گیا اس لیے اس کی بات اس کے گوش گزار ہی نہ ہوئی۔ فاریہ عجیب مخمصے کا شکار پورچ میں ہی کھڑی تھی جبکہ ڈرائیور سامان اندر لے جا چکا تھا۔ ڈرائیور کو سامان رکھتے دیکھ کر میمونہ بیگم نے اس سے فاریہ کی آمد کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

"بڑی بیگم صاحبہ فاریہ بی بی گھر تو آ چکی ہیں مگر جانے کہاں کھوئی ہوئی ہیں ...... بڑی حیرت بھری نگاہوں سے گھر کو دیکھ رہی ہیں مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے وہ یا تو پریشان ہو گئی ہیں یا......"

"کیا مطلب یا؟"

"یا وہ یہاں کسی کو تلاش کر رہی ہیں۔"

"فاریہ کہاں ہے؟"

"بیگم صاحبہ بی بی باہر پورچ میں ہیں۔"

میمونہ بیگم جو پورچ میں آئیں تو اسے متحیر پا کر بولیں۔

"فاریہ بیٹی کیا دیکھ رہی ہیں؟"

وہ چونک گئی۔

"یہ ہمارا ہی گھر ہے۔"

میمونہ بیگم کی بات سن کر اسے بہت سبکی محسوس ہوئی اور تیز تیز ڈگ بھرتی میمونہ بیگم کے قریب آ گئی۔ جیسے ہی اس نے گھر کے اندر قدم رکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی ہو وہی طمانیت وہی سکون اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی وہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا میمونہ بیگم اُس سے سفر کے بارے پوچھ رہی تھیں اور وہ خود سلف analysis میں محو تھی۔ اسے گم سم پا کر وہ بولیں۔

"فاریہ بیٹی کیا بات ہے آپ اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں آنٹی"

میمونہ بیگم اُسے گیسٹ روم تک چھوڑنے کے بعد اُس کو فریش ہونے کا کہہ کر خود ناشتے کا کہنے باورچی خانے کی طرف چلی آئیں۔ فاریہ رات کے دو بجے جزان سے پاکستان کے لیے روانہ ہوئی تھی اور دس بجے کے قریب کراچی پہنچی تھی مگر ساری رات جاگنے کے باوجود خود کو وہ اس گھر میں ہشاش بشاش محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ اگر اُسے کبھی رات بھر جاگنا پڑا تھا تو دو دو دن اس کی آنکھ ہی نہ کھل پاتی تھی۔ فریش ہونے کے بعد وہ ڈائننگ روم کی طرف چلی آ رہی تھی کہ اس کی نظر دیوار پر لگی شاذ کی تصویر پر پڑی۔ اس کے قدم وہیں جم گئے اور وہ ایک لمحے کو پلکیں جھپکنا تک بھول گئی اب وہ اپنے دل کی بدلتی دنیا کی وجہ جان گئی تھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اُسے شاذ سے یوں ملا دے گا۔ اُسے لگا وہ خواب دیکھ رہی تھی مگر جب خوشی و یقین نے آنسو بن کر اس کے رخساروں کو بھگو دیا تو ان کی ٹھنڈک نے اُسے حقیقت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ وہ وہیں کھڑی دیوار پر شاذ کی آویزاں تصویر کو وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ اس کے کانوں میں میمونہ بیگم کی آواز پڑی۔

"یہ شاذ بیٹے کی تصویر ہے۔"

فاریہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا میمونہ بیگم اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولیں۔

"فاریہ بیٹی تمہاری آنکھوں میں آنسو۔"

فاریہ نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا۔

"بیٹی رو کیوں رہی ہو؟"

"I don't know"

کچھ دیر وہ یوں ہی میمونہ بیگم سے لپٹی رہی پھر آنکھیں پونچھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ میمونہ بیگم نے جو رونے کا سبب پوچھا تو اس نے لاعلمی کا کہہ کر بات ٹال دی۔

پہلے تو فاریہ کا ارادہ اُسی روز لاہور جانے کا تھا مگر جب اسے شاذ کی بیرون ملک سے واپسی کے متعلق علم ہوا تو اس نے رکنے کا فیصلہ کر لیا پھر میمونہ بیگم کی بھی یہ ہی خواہش تھی بلکہ انہوں نے تو لاہور فون کر کے اس کے والدین سے اجازت بھی حاصل کر لی۔ فضیلت بیگم نے اس کے رکنے پر اعتراض کیا مگر مرتضیٰ صاحب بلا چون و چرا رضامند ہو گئے کیونکہ اُن کا کہنا تھا کہ فاریہ کو وہاں کوئی خطرہ نہ تھا۔

سارا دن فاریہ نے اضطراب میں گزارا اُسے اس لمحے کا شدت سے انتظار تھا جب وہ شاذ کو اپنے روبرو پائے گی۔ بے چینی کے عالم میں وہ میسیج بھی نہ لکھ پا رہی تھی مگر جمعہ کا روز ہونے کی وجہ سے اس نے بہت تگ و دو کے بعد اپنی کیفیت کو یوں بیان کیا۔

I have words
You have words
No one lacks words
words are enough in the world.
You express yourself in words.
I convey myself in words.
We all portrait ourselves in words.
Then why it happens in the world
when we want to say something in words
words have not words to express our words.

جب ڈرائیور شاذ کو لینے ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوا تو وہ گیسٹ روم میں چلی آئی تا کہ اپنی بے قابو دھڑکنوں اور بے چین تاثرات کو قابو میں رکھنے کی سعی کر سکے مگر وہ اس کاوش میں ناکام ہو چکی تھی۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں یہ خواہش بھی اُبھری کہ وہ خوب بن سنور کر شاذ کے سامنے جائے مگر پھر یہ سوچ کر اس خواہش کو جھٹک دیا کہ اگر آنٹی اس سے اس تبدیلی کی بابت دریافت کریں گی تو وہ کیا جواب دے گی۔ پورچ میں کار رکنے کی آواز سن کر اس نے جلدی سے میسیج سینڈ کر دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب اسے کچھ خبر نہیں رہے گی۔ اب جو اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کے دیکھا تو شاذ کو موبائل کے ساتھ مصروف پا کر مطمئن ہو گئی۔ شاذ ڈرائیور کو سامان اندر لانے کا کہہ کر خود وہاں سے چلا آیا۔ والدہ سے ملتے ہی اُسے خبر ملی کہ اس کی کسی سے ملاقات کروائی جانا تھی۔ مگر وہ یہ نہ جان پایا تھا کہ وہ شخصیت کون تھی۔

شاذ فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا اور میمونہ بیگم نے ملازمہ کو کھانا لگانے کے بعد فاریہ کو بلوانے کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئیں۔ فاریہ مضطرب دل لیے اس لمحے کی منتظر تھی جب اسے اطلاع دی جائے گی کہ اسے بلوایا جا رہا تھا۔

ملازمہ کے جاتے ہی اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اور پھر گیسٹ روم سے باہر نکل

آئی جوں ہی وہ دروازہ بند کر کے پیچھے مڑی شاذ سے ٹکرا گئی جو اس وقت اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم کی طرف چلا آ رہا تھا۔

فاریہ شاذ کو یوں اچانک اپنے سامنے پا کر گھبرا گئی اور شرم سے گردن جھکائے دروازے کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

گو اس میں شاذ بھی اس کی طرح بے قصور تھا مگر اس نے معذرت کر لی۔

''آئی۔ایم۔سوری۔''

فاریہ نے بہت کوشش کی کہ وہ شاذ سے اتنا کہہ سکے جو کچھ کچھ بھی ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہ تھا مگر اس کی آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔شاذ کی نظریں بھی ایک ساعت کو اس کے چہرے پر جم گئیں مگر جلد ہی اس نے اپنی نظریں ہٹا لیں۔

''آپ کون؟''

فاریہ نے بولنا چاہا مگر ایک بار پھر اس کی آواز حلق میں دب گئی۔کوئی جواب نہ پا کر شاذ معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فاریہ وہیں کھڑی اس خوبصورت حسن اتفاق کو یاد کر رہی تھی۔شرم سے اس کی نظریں جھک گئیں اور ایک موہوم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''بی بی بیگم صاحبہ آپ کو بلا رہی ہیں۔''

اس نے ہنکارا بھرا اور پھر اپنی سوچوں کا سلسلہ موقوف کرتی ہوئی ڈائننگ روم میں چلی آئی۔اس کو آتا دیکھ کر شاذ نے ایک نظر اُٹھا کر اسے دیکھا۔اس کے آتے ہی میمونہ بیگم نے بیٹے سے اس کا تعارف کروایا۔اس کا نام سنتے ہی وہ سمجھ گیا کہ یہ وہ مہمان تھی جس سے اس کی والدہ اُسے ملوانا چاہتی تھیں۔

کھانے کے بعد تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں مگر وہ زیادہ وقت خاموش ہی رہی تھی۔

گیسٹ روم میں آنے کے باوجود نیند اس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔صبح چلے جانے کا سوچ کر ہی وہ رات بھر نہ سو پائی تھی۔

صبح جو وہ شاذ کے ساتھ ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوئی تو یہ راستہ بھی اس نے لبوں کو سی کر گزارا۔اس کے پاس بہت سی باتیں تھیں مگر وہ اپنے دل کی کوئی بات شاذ کو نہ بتا پائی تھی۔شاذ بھی زیادہ وقت خاموش ہی رہا۔فاریہ اس کے لیے اجنبی تھی مگر جانے کیوں وہ اسے آشنا سی لگی تھی۔

جب وہ ایئر پورٹ سے گھر لوٹا تو میمونہ بیگم نے اس سے فاریہ کے متعلق رائے پوچھی

تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

فاریہ کی زبانی یہ حیرت انگیز انکشاف سن کر فروہ بہت خوش ہوئی اور اُسے یقین دلایا کہ بہت جلد وہ شاذ کی ہو جائے گی۔

لاہور آنے کے بعد فاریہ نے وہ نمبر آن کر دیا جس کو وہ میسجز کے لیے استعمال کرتی تھی کئی بار شاذ کی کالز بھی آئیں مگر اس نے جان بوجھ کوئی بھی کال ریسیو نہ کی۔کیونکہ وہ اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ چکی تھی اس لیے وہ اپنی طرف سے کسی بھی قسم کی کوشش کے حق میں نہ تھی۔کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے اللہ کے کاموں میں مداخلت کی تو عین ممکن تھا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو دے۔

اس کوشش کے بعد شاذ کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا کہ اس نے والدین کی بات مان کر درست فیصلہ کیا تھا تجسس دل میں چھپی محبت تھی جو اسے مکمل طور پر یہ سکون نہ ہونے دے رہی تھی۔مگر اس کے پاس سوائے خاموش رہنے کے کوئی حل ہی نہ تھا۔

لاہور آنے کے بعد فاریہ ہر چڑھتے دن کے ساتھ یہ امید رکھتی تھی کہ آج ہی شاذ کے والدین ضرور آئیں گے مگر دس پندرہ دنوں تک نہ تو کوئی فون کال آئی اور نہ ہی وہ خود آئیں اس کے باوجود وہ بڑی پُر امید تھی۔آخر سولہویں دن جب وہ کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے اپنے دوستوں سے شاذ کے بارے باتیں کر رہی تھی فروہ ہانپتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔وہ اُسے بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''فاریہ......فاریہ......وہ آنٹی۔''

''کون آنٹی؟ کیا ہوا؟ تم میلوں کا سفر طے کر کے آ رہی ہو جو یوں ہانپ رہی ہو۔''

''یہ ہی سمجھ لو''

''فروہ بہت ہو چکا اب اصل بات بتا بھی چکو۔''

''سانس تو لینے دو۔''

''میں نے تم پر کوئی پابندی عائد رکھی ہے''

فروہ اپنی سانس بحال کرنے کو بیڈ پر لیٹ گئی تو فاریہ سمجھی وہ یہ سب اسے بے وقوف بنانے کو کر رہی تھی۔اس لیے اُس نے اپنی توجہ اُس سے ہٹا کر دوستوں کی جانب مبذول کر لی۔

اسے بے نیاز دیکھ کر فروہ غصے سے بولی۔

''میں تمہارے لیے اتنی بڑی خوشخبری لائی ہوں اور تمہیں کوئی پرواہ ہی نہیں......اگر تمہیں خوش نہیں ہوتا تو میں جاؤں۔''

"فروہ میں کوئی ولی نہیں جسے الہام ہوتا ہو...... اگر تمہارے پاس کوئی اچھی خبر ہے تو سنا دو۔"

"شاذ بھائی کے امی ابو آرہے ہیں۔"

فاریہ ایک دم اُچھل پڑی۔

"کیا سچ؟"

"ابھی ابھی میں نے ابو کو امی سے انتظامات کرنے کا کہتے ہوئے سنا ہے...... مجھے تو 100% یقین ہے کہ وہ تمہارے لیے آرہے ہیں۔" اپنی خوش قسمتی اور اللہ کی رحمت کا سوچ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ارے یہ کیا تم رو رہی ہو؟"

"نہیں یہ تو خوشی اور شکر کے ستارے ہیں۔"

اگلے روز میمونہ بیگم اور خالد صاحب ان کے گھر پہنچ گئے اُن کے ساتھ آئی ہوئی مٹھائی دیکھ کر سب پر ان کے آنے کا مقصد عیاں ہو گیا۔ مرتضیٰ صاحب تو سعودیہ میں ہی شاذ کو داماد بنانے کا فیصلہ کر چکے فضیلت بیگم کو تھوڑا سا اعتراض تھا مگر اُن سے ملنے کے بعد وہ بھی راضی ہو گئیں۔ جب میمونہ بیگم نے فاریہ کو بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے ہاں کر دی۔ اسی روز شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔ اتفاق رائے سے ایک ماہ بعد جمعہ کا دن مقرر کیا گیا فاریہ کی یہ ہی خواہش تھی مگر اس نے برملا اس کا اظہار نہ کیا تھا کیونکہ وہ اپنا ہر فیصلہ اللہ پر چھوڑ چکی تھی۔

تاریخ طے ہوتے کے بعد شاذ کے والدین کراچی آگئے اور دونوں گھروں میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

حمید صاحب کو جوں ہی فاریہ کی شادی کی خبر ملی تو وہ بھی دس پندرہ دنوں میں پاکستان چلے آئے۔ کنزہ اور شانزہ فاریہ کے ساتھ مل کر ہزاروں منصوبے بنانے لگیں۔

حمید صاحب کے مشورے سے شادی کی تقریب کراچی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کراچی میں ان کا اپنا گھر تھا اس لیے رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

شادی کے functions میں فاریہ تو بہت خوش دکھائی دے رہی تھی البتہ شاذ کچھ اُداس تھا۔ اس بات کو نہ صرف فاریہ نے نوٹ کیا بلکہ فروہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ دونوں بہنیں اس اُداسی کی وجہ جانتی تھیں مگر فی الوقت فروہ نے اُسے خاموش رہنے کا مشورہ دیا۔

فاریہ نے کئی بار شاذ کو نمبر ڈائل کرتے دیکھا اسی لمحے اس کے موبائل پر رنگ بھی ہوئی

مگر اس نے کوئی کال اٹینڈ نہ کی۔ وہ یہ راز افشاں کرنے کے لیے اس وقت کی منتظر تھی جب وہ نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھ جائے گی۔ جب وہ شاذ کے رُوبرو ہو گی اور ان کی دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو گا۔ آخر وہ وقت آگیا۔ وہ دلہن بنی سیج پر بیٹھی یہ ہی سوچ رہی تھی کہ آج وہ شاذ کو سب بتا دے گی اپنے تمام جذبات کا اظہار کر دے گی۔ جنہیں اس نے برسوں سے دل میں چھپا رکھا تھا۔ برسوں خود پر قابو رکھنے والی فاریہ مزید انتظار نہ کر پا رہی تھی اس لیے چاہتی تھی کہ پلک جھپکتے شاذ اس کے پاس آ جائے اور وہ اپنا پیار اپنی محبت اس پر نچھاور کر دے۔

جوں ہی اُس کے کانوں میں دروازہ کھلنے کی آواز پڑی اس نے گھونگھٹ گرا لیا شاذ کا اس کی طرف بڑھتا ہر قدم اس کے دل کی دھڑکن کو تیز کر رہا تھا۔ سب کچھ کہنے کا منصوبہ بنانے والی فاریہ محسوس کرنے لگی کہ وہ کچھ بھی نہ کہہ پائے گی۔ اسے اپنی دھڑکنوں پر قابو ہی نہ رہا تھا اس وقت تو اُسے اپنی حالت غیر ہوتی ہوئی محسوس ہوئی جب شاذ بیڈ کے قریب آگیا۔ مگر وہ تھوڑا سا سنبھل گئی۔ کیونکہ شاذ اس سے فاصلہ رکھ کے بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر کمرے میں خاموشی چھائی رہی فاریہ شاذ کے کچھ کہنے کا انتظار کر رہی تھی تا کہ وہ بھی کچھ بول پائے۔ فاریہ نے آنچل کے دریچے سے شاذ کو انگوٹھی سے کھیلتے دیکھا تھا جوں ہی شاذ نے اس کا ہاتھ پکڑنے کو ہاتھ آگے بڑھا تو اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مگر اگلے ہی لمحے شاذ نے ہاتھ روک لیا۔ تو وہ تھوڑا سا پریشان ہو گئی۔ اُسے شاذ سے اس بے رخی کی امید نہ تھی مگر وہ پھر بھی چپ سادھے بیٹھی رہی۔

جوں ہی شاذ نے اس کے چہرے سے گھونگھٹ ہٹایا تو اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جبکہ شاذ کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی نظریں اس کے چہرے سے نہ ہٹا سکا۔ شرم سے فاریہ کی آنکھیں جھک گئیں۔

کچھ سوچ کر شاذ نے اپنی نگاہیں ہٹا لیں اور رسمی انداز میں انگوٹھی فاریہ کے دائیں ہاتھ کی اُنگلی میں پہنا دی۔ شاذ کے ہاتھوں کے گرم لمس نے اس کی روح تک کو سلگا دیا۔ شاذ کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر تھیں اور وہ آنکھوں میں وارفتگی لیے اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اُسے کچھ خبر نہ ہوئی کہ کب وہ بول پڑی۔

"آپ کچھ کہیں گے نہیں۔"

شاذ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور رسماً کہا۔

"آپ اچھی لگ رہی ہیں۔"

"بس اچھی......"

"بہت خوبصورت"

"میں نے حرف دو لفظ سننے کو تو اتنے برس انتظار نہیں کیا......"

"میں سمجھا نہیں......"

فاریہ کی آنکھوں میں آنسو ٹمٹمانے لگے۔

"میری برسوں کی ریاضت کا اتنا سا صلہ...... میں نے جس کی پوجا کی، جسے ہر دعا میں مانگا، جس کے بنا زندگی کے تصور کو بھی گناہ سمجھا اس کے پاس میرے لیے دو لفظوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ شاذ میرے ساتھ ایسا مت کریں میں انتظار کی جس اذیت سے گزری ہوں اس کے بعد میرے اندر اتنی سکت نہیں رہی کہ میں آپ کی بے رخی برداشت کرسکوں۔ پلیز میرے ساتھ ایسا مت کریں۔"

"آپ روئیں مت...... میرا مقصد آپ کو Hurt کرنا نہیں مگر میں جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔"

"کسی بھی سچ کو جاننے سے پہلے میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

"آپ کہیے جو کہنا چاہتی ہیں۔"

فاریہ نے موبائل سے میسیج سینڈ کیا تو اسی وقت شاذ کے موبائل پر میسیج ٹیون آن ہوگئی۔

اس نے حیرت سے فاریہ کی طرف دیکھا اور پھر میسیج پڑھنے لگا نمبر دیکھ کر اُسے مزید حیرت ہوئی۔

"آپ"

"میں فاریہ ہوں برسوں سے آپ کو رب سے مانگنے والی"

شاذ کی آنکھوں میں محبت پا کر فاریہ کے دل کی کلی کھل اُٹھی۔

شارح نے ورق الٹایا تو اس کی توجہ لفظوں کی بجائے وہاں رکھی تصویر نے کھینچ لی۔

ایک انجان لڑکی کی تصویر کو دیکھ اُس کے ذہن میں فوراً سوال اُبھرا۔

"یہ تصویر کس کی ہے اور یہاں کیسے آئی؟"

اس سے پہلے کہ وہ کوئی تکا لگاتا یا قیاس آرائیوں میں کھو جاتا موبائل کی رنگ نے اس کی توجہ بانٹ دی۔ شارح نے تصویر وہیں رکھی اور موبائل کان کو لگایا۔

"ہیلو۔"

"کیا میں شارح سے بات کرسکتی ہوں۔"

"جی میں بول رہا ہوں...... آپ کون؟"

"میں لاہور سے فروہ بات کر رہی ہوں۔"

ایک ثانیے کو شارح نے خود کو ایک پُر اسرار دنیا میں پایا جہاں قدم رکھتے ہی سینکڑوں بھیدوں نے اُسے آن گھیرا تھا پہلے وہ تصویر کو دیکھ کر حیران تھا اور ثانی الحال فون کال اُس کے لیے حیرت افزا تھی۔ دوسری جانب سے خاموشی پا کر فروہ بولی۔

"آپ میری بات سن رہے ہیں۔"

شارح نے اثبات میں کہا۔

"آپ بولیں میں سن رہا ہوں۔"

"میں سائیکو پیشنٹس کے لیے ایک ٹرسٹ کا انعقاد کر رہی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ یہ لوگ بھی اپنی اُلجھنوں سے نکل کر عام انسانوں کی سی زندگی بسر کرسکیں...... اس کے افتتاح کے لیے میں آپ کو مدعو کرنا چاہتی ہوں۔"

ایک تجسس نے شارح کو ہاں کہنے پر مجبور کر دیا دوسرا وہ ایک اچھے مقصد کے لیے اُٹھائے گئے قدم کی حوصلہ افزائی بھی کرنا چاہتا تھا۔ فروہ نے وقت اور تاریخ بتائی تو شارح نے شرکت کا مکمل یقین دلایا جس پر فروہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور رسماً شارح نے بھی اِٹ از او۔ کے کہہ دیا۔

☆

شارح کی فلائٹ لاہور ایئر پورٹ پر اتری تو فروہ کا ڈرائیور اُسے ریسیو کرنے کو پہلے سے موجود تھا۔ شارح اس کے ہمراہ اس کے آفس پہنچ گیا آفس کے لوگوں نے اس کا بڑا پرتپاک استقبال کیا مگر اس کے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ اُسے ول کم کہنے کو میزبان وہاں موجود نہ تھی اُسے یہ کہہ کر ایک کمرے میں بیٹھا دیا گیا کہ میڈم ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھیں۔

فروہ اپنے روم میں کرسی سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی اس کی آنکھیں تو بند تھیں مگر آنسو رینگتے ہوئے اس کے رخسار تک آگئے تھے۔ ملازم نے دروازہ نوک کیا تو اس نے اپنے گال پونچھنے کے بعد اُسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ مگر وہ اب بھی اُسی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے چیئر گھما رہی تھی۔

"میڈم شارح صاحب تشریف لے آئیں ہیں۔"

"ان کے لیے چائے کا بندوبست کرو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

"جی میڈم۔"

ملازم کے جاتے ہی وہ خاموش زبان میں خود کو تلقین کرنے لگی۔

''فروہ خود کو سنبھالو...... تمہیں ہمت کرنی ہوگی وہ آچکا ہے تمہیں اس سے ملنا ہوگا سب فیس کرنا ہوگا یہ سب تو ایک دن ہونا تھا...... فروہ اُٹھو...... ہمت کرو...... اپنے آپ کو نارمل کرو تمہیں ہمیشہ کی طرح آج بھی کسی پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دینا۔ جب دس سال اداکاری کرتے گزار سکتی ہو تو آج کے دن کیوں نہیں...... تمہیں اُسے ایک عام انسان سمجھنا ہوگا۔ ایک اجنبی جس سے نہ کبھی تم لوگوں کا کوئی رشتہ تھا نہ ہے اور نہ استوار ہو سکے گا...... فروہ تمہیں یہ کرنا ہوگا۔ خود کو نارمل رکھو۔ اُٹھو ورنہ تاخیر سب کے ذہنوں میں سوال اُبھار دے گی۔''

فروہ نے آئینے میں خود کو دیکھا وہ نارمل دکھائی دے رہی تھی وہ چیئر سے اُٹھی اور روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ ملازم اُسے بلانے کو وہاں آچکا تھا۔

''میڈم وہ شارح صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''او۔کے۔''

فروہ نارمل انداز میں چلتی ہوئی شارح کے روم تک آگئی مگر یہاں آکے اُس کے قدم رُک گئے۔ ثانیاً اس نے خود پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر آہستہ سے دروازہ کھولا شارح اپنا منہ دیوار کی طرف موڑے ہوئے تھا۔

''اسلام وعلیکم!''

شارح نے سلام کا جواب دیتے ہوئے رُخ اس کی جانب کیا مگر جوں ہی اس کی نظر فروہ پر پڑی معاً کتاب میں رکھی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہ تھا اس بات نے اُسے حیران کر دیا تھا۔ فروہ بھی شارح کو دیکھتے ہی سوچوں میں غلطاں ہوگئی اس کے ذہن میں بہن کے الفاظ گونجنے لگے۔

''فروہ وہ جب بھی تمہیں ملے اُسے ایک پل کو...... صرف ایک پل کو میری نظر سے ضرور دیکھنا میری روح کو طمانیت مل جائے گی۔ مجھے تو جانے وقت اور قسمت اُسے جی بھر کے دیکھنے کا موقعہ فراہم کرے یا نہیں مگر جانے کیوں مجھے یقین ہے تم اُس سے ضرور ملو گی وہ تمہارے سامنے ہوگا وقت تمہیں اُسے دیکھنے کی بڑی مہلت دے گا...... تمہارا وقت پر کنٹرول ہوگا اس لمحے مجھے مت بھولنا...... اسے اپنی بہن کی اُلتجا سمجھنا یا فریاد مگر میری خواہش ضرور پوری کرنا۔''

فاریہ روئے جا رہی تھی اس کی آنکھ سے بہنے والے آنسوؤں نے فروہ کو بھی تڑپا دیا وہ رونے لگی۔

''تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو...... انشاء اللہ تم بھائی سے ضرور ملو گی۔''

''فروہ مجھے دلاسا مت دو میں جانتی ہوں سب ختم ہو چکا ہے...... کم از کم اب تو مجھے حقیقت میں جی لینے دو۔''

''فاریہ ایسی باتیں مت کرو مجھے اپنے گناہ کی شدت کا احساس ہونے لگتا ہے۔''

''تم ایسا مت کہو یہ سب تو میرا نصیب تھا اور کوئی انسان کسی دوسرے کا نصیب نہیں بدل سکتا...... بس تم مجھ سے وعدہ کرو۔''

فروہ نے روتے ہوئے ہنکارا بھرا اور بہن کو گلے لگا لیا۔

اس سے پہلے کہ بہن کی یاد اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دبی چنگاریوں کو بھڑکا دیتی وہ سوچوں کے سمندر سے نکل آئی۔

''آپ کیسے ہیں؟''

شارح بھی اپنی حیرت کی دنیا سے نکل آیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''آپ کیسی ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''آپ کا سفر کیسا رہا؟''

''اچھا!''

''اگر آپ ریلیکس کر چکے ہوں تو چلیں۔''

''کہاں؟''

''inauguration کے لیے۔''

''ضرور......''

''میں ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ آپ کو وہاں لے چلے گا۔ میں دوسری گاڑی میں آجاؤں گی۔''

''As you wish''

''آپ رُکیں میں ڈرائیور کو بھجواتی ہوں۔''

فروہ کمرے سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آکر اُسے ڈرائیور کو بلوایا اور اُسے مقررہ جگہ پر لے جانے کا حکم دیا اور خود آفس کی گاڑی کے ذریعے وہاں جانے کو کمرے سے نکل آئی۔

شارح وہاں حیرت زدہ کھڑا تھا کہ ڈرائیور نے نوک کیا شارح کی اجازت پا کر وہ اندر داخل ہوا اور اُس نے گاڑی کے تیار ہونے کی اطلاع دی۔ شارح اس کے ساتھ پارکنگ ایریا میں چلا آیا۔ فروہ بھی ان کی گاڑی کے پیچھے آفس کی گاڑی اور ڈرائیور کے ساتھ رواں دواں تھی۔ وہ چپ سادھے کھڑکی سے باہر کے مناظر کو دیکھے جا رہی تھی۔ ڈرائیور اُسے اُداس پا کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا کم گو تو وہ پہلے بھی تھی مگر کبھی یوں اُداس اور کھوئی کھوئی دکھائی نہ دی تھی اس لیے اُسے بہت تجسس ہوا تھا۔

"میڈم آپ اس قدر اُداس کیوں ہے؟"

فروہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اُس نے کہا۔

"میڈم آج تو آپ کا خواب حقیقت کا روپ دھار رہا ہے...... وہ خواب جس کے لیے آپ نے دن رات محنت کی۔ دھوپ چھاؤں برداشت کی، نہ کبھی تھکان محسوس کی اور نہ آپ کا حوصلہ ٹوٹا...... اگرچہ کہ یہ جان جوکھوں کا کھیل تھا مگر آپ نے کبھی ہمت نہ ہاری...... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کے ادارے میں اُن لوگوں کو زندگی کی طرف لوٹنے کا حوصلہ ملے گا جو اپنی زندگی سے عاجز آ چکے ہوتے ہیں...... میڈم جب ایسے لوگ صحت یاب ہو کر اپنے گھروں کو جائیں گے تو ان کے اہل و عیال آپ کو کتنی دُعائیں دیں گے۔"

"شاید اس طرح میرے گناہ کا ازالہ ہو سکے۔"

"گناہ کیسا گناہ؟...... میں نے تو آپ کو کبھی کوئی گناہ کرتے نہیں دیکھا۔"

"کسی کی آنکھوں میں خواب سجانا بھی تو گناہ ہے۔"

"میڈم آنکھوں میں خواب سجانا تو زندگی ہے۔"

"مگر کبھی کبھی یہ کسی کی موت بھی بن جاتا ہے۔"

"موت...... جانے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"تم نہیں سمجھو گے...... بلکہ کوئی بھی نہیں سمجھے گا...... کیونکہ کوئی کچھ نہیں جانتا سب حقیقت سے بے خبر مگر میں حقیقت سے آشنا ہوں......"

"جانے آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"کوئی نہیں سمجھ سکتا...... کوئی بھی نہیں اور میری مجبوری ہے کہ میں کسی کو کچھ بتا بھی نہیں سکتی۔ حتیٰ کہ اُسے بھی جس کا خواب دیکھا۔"

فروہ خاموش ہو گئی تو ڈرائیور دل میں کہنے لگا۔

"جانے آج میڈم کو کیا ہو گیا ہے عجیب عجیب باتیں کرنے لگی ہیں۔"

شارح بھی سارے راستے حیرت زدہ سفر کرتا رہا مگر اس نے کسی سے کوئی سوال نہ کیا۔ آخر ڈرائیور نے ایک بہت بڑے بلڈنگ کے سامنے آ کر گاڑی روک دی۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ مگر اس کی نظر لوگوں کی بجائے بلڈنگ پر لکھے "فاریہ ٹرسٹ" کے نام پر پڑی یہ اس کے لیے ایک نیا انکشاف تھا وہ عجیب مخمصے کا شکار تھا کہ فروہ بھی وہاں آ پہنچی اس نے فوراً اپنے تاثرات پر کنٹرول پا لیا۔ پُرہجوم تالیوں میں شارح نے "فاریہ ٹرسٹ" کا افتتاح کیا۔

فروہ نے سٹاف کے ہمراہ شارح کو پورے ٹرسٹ کا وزٹ کروایا اور آخر میں شارح کو ساتھ لے کر آفس میں چلی آئی۔ فروہ کے روم میں قدم رکھتے ہی شارح کے قدم رُک گئے اور نظریں سامنے دیوار پر آویزاں تصویر پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے زینب کا چہرہ گھومنے لگا۔ اُسے لگا یہ حیرت انگیز انکشاف اُسے پاگل کر دے گا۔ شارح کو یوں گم سم پا کر فروہ کو بہن کے الفاظ یاد آ گئے۔

"فروہ میری خواہش ہے کہ وہ جب کبھی مجھے دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے اس کی نظریں گرد و پیش کو دیکھنا بھول جائیں...... وہ اردگرد سے غافل ہو جائے۔"

فروہ نے شارح کی توجہ ہٹانے کو کہا۔

"یہ میری بہن فاریہ ہے۔"

"فاریہ......"

"آپ تشریف رکھیں میں آپ کے لیے چائے منگواتی ہوں۔"

شارح کرسی پر براجمان ہو گیا اس کی نظریں بار بار فاریہ کی تصویر کی جانب جا رہی تھیں۔

"کہاں...... ہیں یہ؟"

فروہ نے سوال کا جواب دینے کی بجائے نیا موضوع چھیڑ دیا۔

"میری خواہش ہے کہ جو بھی فاریہ ٹرسٹ میں آئے زندگی کا تحفہ لے کر یہاں سے ڈسچارج ہو۔"

شارح اپنی سوچوں میں گم تھا۔

"فاریہ اور فروہ کا زینب سے کیا رشتہ ہے......؟ فروہ کی تصویر زینب کے پاس کیسے آئی؟ فاریہ اور زینب کی شکلوں میں اتنی مشابہت؟ کیا فاریہ اور زینب جڑواں ہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا۔ زینب کا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ زینب تو فاریہ فروہ کو کیسے جانتی ہیں؟"

کئی سوال تھے جو اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے مگر وہ کسی بھی سوال کو نہ پوچھ پایا

تھا۔ فاریہ فروہ کی کہانی کا ہر کردار گڈمڈ ہو رہا تھا۔ شارح کے لیے وہاں مزید رُکنا دشوار ہو گیا تھا۔

"I think, I should go now"

(میرے خیال میں مجھے اب چلنا چاہیے)

"As you wish"

(جیسے آپ کی مرضی)

فروہ شارح کو سی آف کہنے کو گیٹ تک آئی تھی۔

"ایکسیوزمی بھائی۔"

خاموش چلتے چلتے اچانک فروہ نے بھائی کہا تو شارح چونک گیا۔

"وہ میں...... کچھ نہیں۔"

"آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔"

"نہیں...... ڈرائیور آپ کو ایئر پورٹ ڈراپ کر دے گا۔"

شارح تھوڑا سا آگے گیا تو فروہ بولی۔

"سوری فاریہ میں آج بھی تمہارے دل کی بات نہ کہہ سکی...... مجھے معاف کر دینا۔"

شارح کے کان میں فروہ کا کہا جملہ تو پڑ گیا مگر اس نے اس کی بابت استفسار کرنے کی بجائے گاڑی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ڈرائیور پہلے ہی گاڑی کا دروازہ کھولے اُس کی آمد کا منتظر تھا۔

☆

رات کافی بیت چکی تھی مگر شارح ابھی تک کمرے میں ٹہل رہا تھا سلمٰی کی جو آنکھ کھلی تو شوہر کو بیدار پا کر کلاک کی جانب دیکھا رات کے دو بج رہے تھے۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔"

"تم سو جاؤ۔"

"شارح آر یو او۔کے۔"

"Yes, I am"

"مجھے آخر آپ بتاتے کیوں نہیں؟"

"کیا؟"

"اپنی پرابلم!...... آپ جب سے لاہور سے لوٹے ہیں یوں ہی اُداس رہتے ہیں۔"

"آئی۔ ایم۔ آل رائٹ...... تم سو جاؤ۔"

شارح نے مزید تفتیش سے بچنے کے لیے لان کا رُخ کر لیا۔ سلمٰی جانتی تھی کہ وہ اُسے کچھ بتانے والا نہ تھا اس لیے دوبارہ سو گئی لان میں ٹہلتے ہوئے شارح جو پھول کے پودے کے پاس سے گزرا تو اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کا دریچہ کھل گیا۔

رات کافی گزر چکی تھی مگر شارح کو ابھی نیند نہ آ رہی تھی اس لیے وہ بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ کتاب پڑھتے پڑھتے اس کے جی میں جانے کیا آیا کہ وہ بیڈ سے اُٹھ کر کھڑکی تک آ گیا مگر جب پردہ ہٹا کے باہر دیکھا تو اس کی نظر لان میں ٹہلتی ہوئی زینب پر پڑی تو اس نے حیرت سے کہا۔

"زینب اتنی رات گئے لان میں؟"

پھر یہ جاننے کی غرض سے وہ کمرے سے نکل کر لان میں آ گیا اور زینب سے دو بالشت کا فاصلہ رکھ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ زینب وارفتہ نگاہوں سے پودے کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے ایک دو منٹ تو اُس کے بولنے کا انتظار کیا مگر اُسے خاموش پا کر خود ہی بول پڑا۔

"زینب آپ یہاں کیا ڈھونڈ رہی ہیں وہ بھی اتنی رات گئے۔"

شارح کی آواز پر وہ چونک گئی جب اُس نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو شارح کی نظر اس کی متورم سرخ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ریلے پر پڑی تو اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"آپ رو رہی ہیں؟"

زینب اس کے کسی بھی سوال کا جواب دیے بنا وہاں سے بھاگ کر اپنے کوارٹر میں چلی آئی اور شارح واپس کمرے میں آ گیا۔

"آخر زینب اُس دن کیوں رو رہی تھی؟"

اس سوال نے ایک بار پھر شارح کو فروہ، فاریہ اور زینب کے رشتے میں اُلجھا دیا۔

☆

سلمٰی ہاتھ میں ریموٹ لیے صوفے پر براجمان ٹی۔وی چینل گھما رہی تھی کہ ایک فیشن شو پر آ کے رک گئی پروگرام کی میزبان ناظرین کو ایک نئی فیشن ڈیزائنر کے ملبوسات سے متعارف کروا رہی تھیں۔ سلمٰی کو اس کے ڈریسز پسند آئے تو وہ انہیں دیکھنے کو رُک گئی۔ اسی دوران اس نے پیاس محسوس کی تو زینب کو پانی لانے کو کہا۔

زینب جو اس وقت کچن میں کام کر رہی تھی اس کے حکم پر پانی کا گلاس لیے وہاں آ گئی مگر گلاس سلمٰی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس کی نظر ٹی۔وی سکرین پر انٹرویو دینے والی نئی

ڈریس ڈیزائنر پر رک گئی اور وہ واپس پلٹنے کی بجائے وہیں کھڑی ہو کے اُسے دیکھنے لگی۔ سلمٰی بھی پروگرام دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ اُس نے بھی زینت کی موجودگی کا نوٹس نہ لیا۔ شارح جو آفس سے لوٹا تو زینب کو کھڑا پا کر وہاں چلا آیا۔ زینب کی محویت اس کے لیے اچھنبے کی بات تھی کیونکہ ان کے گھر آنے کے بعد دو تین سالوں میں اس نے کبھی زینب کو ٹی۔ وی کے سامنے کھڑے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر وہ خاموشی سے زینب کو دیکھنے لگا اُسے اس کی آنکھوں میں ایک والہانہ محبت دکھائی دے رہی تھی مگر ٹی۔ وی سکرین پر نظر ڈالنے کے باوجود وہ اس کا سبب نہ جان پایا۔

"زینب آپ کو پروگرام پسند ہے تو بیٹھ کے دیکھ لیں۔"

شارح کی آواز پر زینب اور سلمٰی دونوں چونک گئیں۔

"آپ کب آئے......؟"

پھر زینب کی طرف دیکھ کے بولی۔

"زینب تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو۔"

زینب خاموشی سے وہاں سے چلی آئی اور شارح بیگم سے پروگرام کے متعلق پوچھنے لگا۔

شارح آفس میں بیٹھا ماضی کی یاد میں ڈوبا ہوا تھا اُسے پروگرام میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہ آئی تھی جو زینب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا سکتی کیونکہ وہ بہت سادہ لڑکی تھی فیشن سے اس کا کوسوں دور کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آج بھی وہ اسی بات پر حیران تھا مگر جب اس نے ماضی کو ایک بار ذہن میں دہرایا تو اسے یاد آ گیا کہ انٹرویو دینے والی ڈریس ڈیزائنر کوئی اور نہیں فروہ تھی وہی فروہ جس نے اسے "فاریہ ٹرسٹ" کے افتتاح کے لیے مدعو کیا تھا اب تو فاریہ، فروہ اور زینب کی کہانی جاننے کا اشتیاق اور تجسس اور بھی بڑھ گیا۔

"آخر زینب کا فروہ سے ایسا کونسا رشتہ تھا جس نے اس کو گرد و پیش سے اتنا بیگانہ کر دیا کہ وہ پلک جھپکنا تک بھول گئی...... میں اس کے بارے ضرور جان کے رہوں گا۔"

☆

"شادی کے بعد یہ آپ کی پہلی عید ہے کوئی فرق محسوس کرتے ہیں۔"

"فرق تو ہے...... ذمہ داریاں بڑھ گئیں ہیں فیملی کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔"

"کیا کبھی آپ کا دل ٹوٹا؟"

"میرا تو نہیں البتہ بہت سی لڑکیوں کا ضرور ٹوٹا ہے۔"

"شارح اللہ کرے یہ پروگرام سلمٰی دیکھ رہی ہوں۔"

سلمٰی کا نام سنتے ہی سوئی ہوئی فاریہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ ٹی۔ وی سکرین پر اس وقت فلم، سپورٹس اور میوزک کی دنیا کے پانچ ستارے ایک عید شو میں مدعو تھے۔

اپنے نام کا زینب کی ڈائری میں تذکرہ پا کر شارح حیران رہ گیا۔

"میرا ذکر یہاں کیسے؟"

شارح نے ڈائری سے نظریں ہٹا کر خود سے سوال کیا مگر اپنی طرف سے کسی بھی قسم کا جواب دینے کی بجائے دوبارہ ڈائری پڑھنے لگا۔ ان درخشاں ستاروں میں فاریہ کے لیے صرف شارح ہی اہم ترین شخصیت تھا۔ اس کے نام کے ساتھ سلمٰی کا نام سنتے ہی وہ سوئی ہوئی جاگ گئی کچھ دیر قبل خود کو اس کی شریک حیات سمجھنے والی فاریہ یوں اچانک اپنے خواب کے ٹوٹ جانے پر حیران تھی۔ اس کی نظریں ٹی۔ وی سکرین پر گڑھی ہوئی تھیں اور بت بنی صوفے پر بیٹھی تھی۔

سلمٰی کا نام سننے کے بعد اُسے کچھ سنائی نہ دیا اس کے بعد بھی میزبان شارح سے دلچسپ سوال پوچھتی رہیں مگر وہ تو جیسے بہری ہو چکی تھی۔ فروہ جو چند منٹ پہلے ہی ماں کے بلانے پر کچن میں چلی آئی تھی جب ہاتھ میں دہی بھلے کی دو پلیٹ لیے وہاں آئی تو فاریہ کو بیٹھا دیکھ کر ایک پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ لو تم بھی کھاؤ کیا یاد کرو گی۔"

مگر فاریہ نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے پلیٹ اس کے قریب رکھ دی اور خود دوسرے صوفے پر جا کے بیٹھی۔ جوں ہی اس کی نظر ٹی۔ وی سکرین پر پڑی تو بہن سے مخاطب ہوئی۔

"فاریہ آج تو تمہاری صحیح معنوں میں عید ہو گئی...... شاذ بھائی مدعو ہیں۔"

فاریہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم سکتے میں کیوں آئی ہوئی ہو...... خوش ہو...... دیکھو تو شاذ بھائی کتنے گریس فل لگ رہے ہیں...... واقعی کسی نے سچ ہی کہا ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے...... کہاں تم گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی اور کہاں اب یہ حالت ہے کہ نظریں ٹی۔ وی سکرین سے ہی نہیں ہٹ رہیں۔"

فروہ دہی بھلے کھاتے ہوئے مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"ویسے فاریہ جب تم اتنے شور میں بھی سو گئی تو مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ تم تو ذرا سے شور میں بھی نہیں سو پاتی...... میں نے والیم بھی اچھا خاصا ہائی کر رکھا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہو پایا کہ فاریہ بیگم کی آنکھ لگ گئی۔"

فاریہ اب بھی چپ سادھے بیٹھی تھی فروہ کافی صبر کر چکی مگر جب بہن کو گونگی، بہری پایا تو تڑخ کر بولی۔

"تم جانتی ہو اگر کوئی میری بات کا جواب نہ دے تو مجھے کتنا غصہ آتا ہے......اب تم بھی کچھ بول دو ورنہ آج عید کے دن میرے غصے کا نشانہ بن جاؤ گی......آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ تم اس قدر اُداس کیوں ہو؟ ایک تو تمہیں خوشی میں بھی دکھی ہونے کی عادت پڑ گئی ہے۔ شاذ بھائی سامنے بیٹھے ہیں اور تم خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی ہو۔"

فاریہ کو خاموش پا کر وہ بھی ایک لمحے کو چپ ہوگئی اور اس نے تمام تر توجہ ٹی۔وی سکرین پر مرکوز کر دی تا کہ وہ یہ دیکھ پائے کہ آخر فاریہ کی ایسی حرکت کیوں ہو رہی تھی۔

شارح نے ثانیاً اپنی نظریں ڈائری سے ہٹالیں۔

"تو کیا شاذ میں یعنی شارح تھا......کیا فاریہ مجھے چاہتی تھی؟"

شارح نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

"آپ کے ان لاز کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں؟"

"ان لاز" فروہ نے میزبان کے سوال پر حیرت بھرے انداز میں فاریہ کی طرف دیکھا اور پھر ٹی۔وی سکرین پر نظر ڈالی۔

"ان لاز......کس کے ان لاز کی بات ہو رہی ہے؟"

"ہم میں بہت اچھی انٹرسٹینڈنگ ہے۔"

"کیا شاذ بھائی کی شادی ہو چکی ہے؟"

یہ سوال ذہن میں ابھرتے ہی چمچ اس کے ہاتھ سے گر گیا جس کی وجہ سے دہی کی چھینٹیں اس کی شرٹ پر پڑ گئیں۔ اب اس پر بہن کی کیفیت کی وجہ عیاں ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے نکل کر رخسار تک آگئے جسے اس نے پونچھ ڈالا۔ یہ خبر سنتے ہی اس کی ساری بھوک اڑ گئی۔ اس نے پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور بہن کے پاس آگئی ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کے بولی۔

"فاریہ۔"

فاریہ جو بت بنے بیٹھی تھی ایک دم چونکی بہن پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر وہاں سے بھاگ کے اپنے کمرے میں آگئی اور دروازہ لاک کرنے کے بعد بیڈ سے ٹیک لگائے میزبان کے الفاظ ذہن میں دوہرانے لگی حتیٰ کہ اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ اور وہ دھاڑیں مار کے رونے لگی۔ فرو

نے دروازہ کھولنے کی بہت کوشش کی مگر لاک کی وجہ سے کامیاب نہ ہو پائی۔ اس نے فاریہ کو آوازیں دیں دروازہ کھولنے کا کہا مگر جب کوئی جواب موصول نہ ہوا تو چابی لینے وہاں سے چلی آئی۔ وہ واپس پلٹی تو والد کو سامنے سے آتا دیکھ کر آنکھوں سے نکلنے والے قطروں کو ثانیاً پونچھ ڈالا۔ مرتضیٰ صاحب نے جب اس سے فاریہ کے متعلق استفسار کیا تو وہ بولی۔

"وہ کمرے میں ہے آپ کو کھانے کو کچھ چاہیے تو میں لا دوں۔"

"نہیں......میں ابھی ایک دوست کے ہاں سے سویاں کھا کے آ رہا ہوں۔ عید کی نماز پڑھنے کے بعد جب مسجد سے نکلے تو وہ زبردستی اپنے گھر لے گیا۔"

فروہ جلد از جلد وہاں سے جانا چاہتی تھی کیونکہ اُسے اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہ رہا تھا اس کی بے پناہ کوشش کے باوجود ایک قطرہ اس کی گال پر آن گرا۔

"فروہ بیٹی کیا بات ہے تم رو رہی ہو۔"

فروہ نے جلدی سے آنسو پونچھا۔

"آنسو......نہیں تو۔"

اسی لمحے مرتضیٰ صاحب کی نظر ٹی۔وی پر پڑی۔

"بیٹی ٹی۔وی نہ دیکھنا ہو تو آف کر دیا کرو۔ بجلی کا ضیاع کوئی اچھی بات نہیں۔"

"جی ابو۔"

فروہ نے بمشکل آواز حلق سے نکالی اور گال پونچھتی ہوئی ٹی۔وی کی سمت چل دی۔ مرتضیٰ صاحب نے اسے نیوز چینل سیٹ کرنے کا کہہ دیا نیوز چینل لگا کے اس نے ریموٹ والد کو پکڑایا اور تیز تیز ڈگ بھرتی وہاں سے چلی آئی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ وہاں کھڑی رہی تو وہ زارو قطار رونے لگے گی۔ لاک کھول کر وہ جو اندر داخل ہوئی تو فاریہ کی آنکھوں کو برستا دیکھ کر اس کے آنسو خود بخود بہنے لگے اسے ان پر کنٹرول ہی نہ رہا۔

"فروہ سب ختم ہوگیا......راکھ بن گیا......خوشیاں میرا خواب تھیں آنسو میرا مقدر ہیں۔ آج میرے سارے ڈر، خوف، وہم وسوسے اور اندیشے سچ ثابت ہوگئے اور میری امیدیں، میرے دلاسے ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئے......جانے کیوں مجھے لگتا تھا میری آرزو، تمنائیں تختی پر لکھے وہ حروف تھے جنہیں کبھی بھی برسنے والی بارش کے چند قطرے مٹا ڈالیں گے......فروہ میرے گیارہ سال ایک پل کے سامنے ہار گئے۔ دم توڑ دیا انہوں نے......ہمارا دل کبھی ہم سے جھوٹ نہیں بولتا مگر ہم کبھی اس کی آواز پر کان ہی نہیں دھرتے......آج سے تین دن قبل......

صرف تین دن پہلے میں نے تم سے کیا تھا میرا دل اُداس ہے وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کچھ ہونے والا ہے کچھ بہت برا......تم جانتی ہو تم نے کیا کہا تھا۔"

فاریہ نے سوالیہ نظروں سے فروہ کی جانب دیکھا۔

"تم نے کہا یہ تمہارا وہم ہے......فروہ وہ میرا وہم نہ تھا۔ دل کی دنیا ویران ہو جائے تو انسان کو کائنات سوگ وار نظر آتی ہے ماتم وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی قتل ہو چکا ہے یہ آرزوؤں کا ہو یا گوشت پوست کے لوتھڑے کا...... ہمارے زخم ہی ہمیں تڑپاتے ہیں کبھی زخمی پرندے کو تم نے اڑتے دیکھا ہے نہیں نا......بس دل بھی اس وقت بجھ جاتا ہے جب اس کو گھاؤ لگ جائے...... فروہ میرا دل ٹوٹ گیا لیکن میں کسی کو اپنی روداد نہیں سنا سکتی۔ کوئی نہیں جو اس کی بات سنے گا...... پھر اس کی فریاد تو اس نے نہیں سنی جو سب کی سنتا ہے کوئی بھلا کیوں اس کی آواز پر کان دھرے......فروہ میں برباد ہو گئی میری زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی۔"

فاریہ کی آنکھیں برس رہی تھیں اور وہ بولتی جا رہی تھی۔ فروہ کے صبر کا دامن بھی لبریز ہو گیا وقتاً فوقتاً نکلنے والے آنسوؤں کے قطرے اب مسلسل بہنے لگے تھے۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"کسی کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"میں نے تمہارے دل و دماغ میں شاذ بھائی کا تصور ڈالا...... میں نے ہی تمہیں اپنی زندگی ان کے نام لگانے کا کہا...... میں بنے ہاں میں نے تمہاری خوشیاں برباد کیں میں تمہاری قاتل ہوں مجھے مارو۔ برا بھلا کہو شاید اس طرح تمہارے دکھ کی شدت میں کچھ کمی واقع ہو جائے اور میری بھی اذیت کم ہو پائے۔"

"فروہ اس میں بھلا تمہارا کیا قصور۔ جب قسمت کی دیوی ہی مہربان نہ ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

"تم بہت اچھی ہو اس لیے ایسا سوچتی ہو۔ مگر حقیقت سے منہ نہیں موڑا جا سکتا...... میں وہ ہوں جس نے تمہاری آنکھوں کو نم کیا۔"

"فروہ میں شاذ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

فاریہ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا تو فروہ نے بات بدلنے کو کہا۔

"شاذ نہیں شارح۔"

"وہ دنیا کے لیے شارح ہے مگر میرے لیے شاذ ہی رہے گا۔ فروہ میرا دل پھٹ رہا

ہے اب کچھ بھی چھپانا میرے اختیار میں نہیں رہا۔"

"سب بے سود ہے۔"

"اب مجھے نفع نقصان میں نہیں پڑنا۔"

"وہ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔"

"مجھے پرواہ نہیں......وہ مجھے آوارہ کہے یا جو جی میں آئے مجھے کوئی فکر نہیں۔"

"فاریہ ایسی بے وقوفی مت کرنا تم تماشا بن جاؤ گی۔ مانا! کہ شاذ بھائی اچھے انسان ہیں مگر ماحول اور حالات انسان کو بہت بدل دیتا ہے۔ تم اس وقت جس اذیت سے گزر رہی ہو اسے صرف تم محسوس کر سکتی ہو کوئی دوسرا نہیں...... پھر محبت کا اظہار کرنے والی تم پہلی لڑکی نہ ہو گی ہزاروں یہ سب کہہ چکی ہونگیں...... فاریہ میں تم سے کہوں گی چاہے تم مر جاؤ مگر دل کی بات کبھی زبان تک نہ لانا......کوئی کسی کا بھرم نہیں رکھتا خاص طور پر یہ سٹار لوگ......"

"اب مجھے رسوائی سے ڈر نہیں لگتا۔"

"فاریہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں جب تم اس شخص کی زبانی اپنے لیے نفرت بھرے الفاظ سنو گی جسے تم نے اس جہاں میں سب سے زیادہ چاہا تو تم زندہ نہیں رہ پاؤ گی......بہتر ہے تم دور رہ کر اس اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر لو کہ اگر وہ تم سے محبت نہیں کرتا تو نفرت بھی نہیں کرتا......اگر وہ تمہارا نہیں ہو پایا تو کم از کم تم نے اسے کھویا بھی تو نہیں۔"

فروہ نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ بضد تھی کہ وہ شاذ سے بات کرے گی۔ فروہ کا دل بہت گھبرا رہا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر شاذ نے ایسی کوئی بات کہہ دی جس کی وہ توقع کر رہی تھی تو فاریہ کوئی غلط قدم اُٹھا لے گی لہٰذا اس نے رب سے دعا کی کہ وہ اس کی کال ہی اٹینڈ نہ کرے۔

فروہ نے خود کو نارمل کرنے کو منہ دھویا تا کہ اس کی آنکھوں کی سوجن کم ہو پائے کیونکہ اس نے ماں کو اس کا نام پکارتے سنا تھا۔ کمرے سے باہر جانے سے قبل وہ بہن کو فہمائش کرنے لگی۔

"فاریہ آنکھیں پونچھ لو تم جانتی ہو امی کو عید کے دن رونے والے لوگ کتنے برے لگتے ہیں اگر انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تو بہت غصہ ہونگیں۔"

"فروہ ہر چیز انسان کے بس میں نہیں ہوتی۔"

"میں جا رہی ہوں مبادا امی یہاں آ جائیں۔"

فروہ کمرے سے نکلی تو دروازے کے باہر ہی فضیلت بیگم اُسے مل گئیں۔

"کب سے تم لوگوں کو بلا رہی ہو جانے کہاں گم ہو جاتی ہو۔"

''وہ امی......''

''جاؤ جا کے فون سنو۔''

''کس کا ہے؟''

''ارسہ کا......تم لوگوں سے بات کرنا چاہتی ہے۔''

فروہ منہ صاف کرتی ہوئی فون کے قریب آ گئی۔

''ہیلو......''

''عید مبارک''

''خیر مبارک۔''

''کہاں ہو تم لوگ؟''

''ارسہ ہم ابھی تمہیں کال کرنے کا سوچ ہی رہے تھے۔''

''میں سب جانتی ہوں۔اس لیے بہانہ بنانے کی ضرورت نہیں...... میں نے فون تم لوگوں کو کچھ remind کروانے کے لیے کیا ہے۔''

''کیا؟''

''لو تم تو واقعی بھول چکی ہو۔میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

''مجھے واقعی یاد نہیں۔''

''ابھی کل ہی تو تم لوگوں نے ہمارے گھر آنے کا وعدہ کیا تھا اور آج بھول بھی گئی ہو......فروہ میں صاف صاف کہہ رہی ہوں اگر تم دونوں کل ہمارے گھر نہ آئیں تو ہماری دوستی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔اس لیے کوئی بھی بہانہ مت بنانا۔''

''ارسہ آئی۔ایم سوری ہم کل نہیں آپائیں گے۔فاریہ کی طبیعت کافی خراب ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا......اللہ حافظ۔''

ارسہ نے ریسیور رکھا تو فروہ سوچ میں پڑ گئی وہ جانتی تھی کہ فاریہ کہیں بھی جانے کو تیار نہ ہو گی خود وہ بھی گھر میں رہنا چاہتی تھی مگر ارسہ سے کیے ہوئے وعدے کا سوچ کر ایک بار ٹرائے کرنے کا ارادہ کر کے فاریہ کے کمرے میں آ گئی۔معاً فاریہ موبائل ہاتھ میں پکڑے نمبر ڈائل کر رہی تھی اس کی آنکھیں اب بھی اسی طرح جھلک رہی تھیں جس کو دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ ابھی تک اس کی کال ریسیو نہ ہو پائی تھی۔تب فروہ نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے نہ صرف ارسہ سے کیا وعدہ یاد دلایا بلکہ اس کے دھمکی آمیز الفاظ سے بھی آگاہ کیا۔

''مگر مجھے کہیں نہیں جانا۔کوئی ناراض ہو یا خوش مجھے کوئی پرواہ نہیں۔''

''فاریہ میں تمہارا دکھ سمجھتی ہوں مگر کوئی دوسرا اسے نہیں جان سکتا......غم مجھے بھی بہت ہے میں نے کس طرح خود پر قابو پایا ہوا ہے یہ تو صرف میں جانتی ہوں یا میرا خدا......فاریہ میں چاہتی ہوں ہم اپنا وعدہ نبھائیں۔''

''فروہ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو...... یہاں سے چلی جاؤ یا میں ہی چلی جاتی ہوں۔''

فروہ اسے روکتی رہی مگر وہ چھت پر آ گئی اس نے ممٹی کا دروازہ بند کر لیا اور وہاں بچھی چارپائی پر لیٹ گئی اس کی نظریں آسمان پر گڑھی ہوئی تھیں اور آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔وہ بار بار موبائل سے شاذ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی آخر دو گھنٹے بعد اس کی کال اٹینڈ کر لی گئی مگر اسے پتہ چلا کہ وہ ملک سے باہر تھا اور ہفتے تک اس کے وطن واپس لوٹنے کے کوئی امکان بھی نہ تھے۔

اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور شاذ کے بارے سوچنے لگی اس کی دعائیں اُسے اس کے چھن جانے کا یقین ہی نہ ہونے دے رہی تھیں۔کافی دیر وہ یہی سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ اسے اپنا ذہن مفلوج ہوتا محسوس ہوا۔وہ بنا کچھ سوچے، کچھ یاد کیے روئے جا رہی تھی۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے روتے روتے اس کی آنکھوں اور سر میں شدید درد ہونے لگا۔رات ہو چکی تھی اور وہ بھوکی پیاسی وہاں لیٹی ہوئی تھی۔

کئی بار فروہ نے دروازہ نوک کیا اسے کھانا کھانے کا کہا والدین کی پریشانی سے آگاہ کیا مگر اُسے تو جیسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا تھا۔فروہ والدین کو اس ساری صورت حال سے بے خبر رکھنے کو انہیں یہ کہتی رہی کہ رات بھر جاگنے کی وجہ سے فاریہ سو رہی تھی۔انہیں فروہ کی زبانی یہ کہانی سن کر یقین تو نہ آیا مگر یہ سوچ کر دل کو اطمینان دے لیا کہ آخر اسے اس قسم کا جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔

سر درد ہونے کی وجہ سے فاریہ نے آنکھیں موندھ لیں کہ شاید اُسے نیند آ جائے اور وہ کچھ دیر آرام کر سکے۔مگر ہر دس پندرہ منٹ بعد شدت غم سے اس کا دل تڑپ اُٹھتا اور اس کی آنکھ کھل جاتی پھر آنسوؤں کی رم جھم شروع ہو جاتی رنج والم،شب بیداری نے اُسے بخار میں مبتلا کر دیا اور وہ فجر کی اذان کے بعد چھت سے اتر کر کمرے میں چلی آئی تا کہ اگر اس کے والدین میں سے کوئی اُسے دیکھنے کو آئے تو اُسے وہاں پا کر مطمئن ہو جائے۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے غم کی پرچھائی کسی اور پر پڑے حتیٰ کہ وہ اپنے والدین تک کو خبر نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

☆

عید کے دوسرے دن فاریہ یہ سوچ کر ارسہ کے گھر جانے پر راضی ہوگئی کہ شاید اس کے غم کی شدت میں کمی واقع ہو پائے کیونکہ گھر میں رہ کر اسے ہر پل شاذ کے کھو جانے کا احساس ہوتا تھا۔

ان کے جاتے ہی فضیلت بیگم چائے کے دو کپ لیے ٹی۔وی لاونج میں آگئیں۔ مرتضٰی صاحب اس وقت ایک ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ چائے کا کپ شوہر کو تھمانے کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔ جوں ہی انہوں نے چائے کا دوسرا سپ لیا بولیں۔

"جانے کیا بات ہے فاریہ بہت چپ چپ اور اُداس ہے۔"

مرتضٰی صاحب نے بیگم کا جملہ سنا تو ٹی۔وی آف کر دیا اور چائے کا سپ لیتے ہوئے بولے۔

"صرف فاریہ نہیں فروہ بھی بجھی بجھی اور غمگین نظر آرہی ہیں۔"

"آخر ان دونوں کو ہوا کیا ہے؟ ایک تو کچھ بتاتی بھی نہیں۔"

"بیگم فروہ نے کل بتایا تو تھا۔"

"کیا؟"

"یہی کہ فاریہ باہر جانے کا سوچ کر اُداس ہے...... دونوں بہنوں میں بہت پیار ہے زندگی میں پہلی بار ایک دوسرے سے جدا ہو رہی ہیں اس لیے غمگین ہیں۔"

"کل سے پہلے تک تو دونوں بہت خوش تھیں۔"

"بیگم اب فاریہ کے جانے کا وقت جو قریب آرہا ہے۔"

"مجھے تو کوئی اور وجہ لگتی ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ میں فکر مند ہو رہی ہیں...... فاریہ اکیلی جا رہی ہے شاید یہ سوچ کر گھبرا گئی ہے...... میں تو چاہتا تھا فاریہ بیٹی کے ساتھ ہی جاؤں مگر دفتر والوں نے فی الحال چھٹی کنفرم نہیں کی...... اگر فاریہ ایک ہفتے تک وہاں نہ پہنچی تو ویزا کنسل ہو سکتا ہے۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے لگتا ہے یہی سوچ کے وہ دونوں اُداس ہیں۔"

"مگر آپ فکر مند مت ہوں میں نے حمید صاحب کو فون پر تاکید کر دی ہے وہ میرے سعودیہ پہنچنے تک فاریہ کا بہت خیال رکھیں گے...... بیگم دعا کیجیے گا جلد از جلد فاریہ بیٹی کی نسبت طے ہو جائے تاکہ میں وطن واپس آسکوں۔"

"ابھی آپ گئے نہیں اور واپسی کی باتیں بھی کرنے لگے ہیں...... اور یہ کیا آپ فروہ

کو بھول ہی جاتے ہیں فاریہ کی طرح وہ بھی آپ کی بیٹی ہے۔"

"میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں۔ بس فاریہ بیٹی کی شادی ہو جائے تو اس سے کہوں گا وہ اپنے میاں کے ساتھ مل کے بہن کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرے تاکہ میں فروہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہو سکوں۔"

"بس فاریہ، فروہ اپنے اپنے گھروں کی ہو جائیں تو مجھے بھی سکون مل جائے گا...... ان کا سوچ کے تو مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔"

"بیگم بس آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ جلد از جلد ان کے اچھے مقصوم پیدا فرما دے۔"

فروہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی اور فاریہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی نم آنکھوں سے باہر کی دنیا کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے ہر چہرہ اداس ہر آنکھ نم اور ہر دل دکھی نظر آرہا تھا۔ جس نے اس کے دکھ کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا۔

"فروہ سب اُداس کیوں ہیں۔"

"سب نہیں صرف ہم...... ساری دنیا تو خوشیاں منا رہی ہے۔"

فاریہ نے بغور باہر دیکھا تو اُسے احساس ہوا فروہ ٹھیک کہہ رہی تھی دکھی صرف وہ تھی ورنہ تو ہر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سیٹ سے ٹیک لگائے خود کو نارمل کرنے کا جتن کرنے لگی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارسہ یا اس کے گھر والے اس کے دکھ سے آشنا ہوں۔ ارسہ کے گھر پہنچنے تک وہ کافی حد تک اپنی کاوش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

سب سے عید ملنے کے بعد وہ ارسہ کے کمرے میں چلی آئیں۔ ارسہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی پھر والدہ کی مدد کو کچن میں چلی آئی تنہائی میسر آتے ہی فاریہ خود پر قابو نہ رکھ سکی آنکھیں خود بخود چھلکنے لگیں وہ باہر نکلنے والے آنسوؤں کو پونچھتی اور کوشش کرتی کہ اب وہ نہ نکلے مگر وہ ناکام ہو جاتی۔ فروہ خود پر کافی حد تک قابو پائے ہوئے تھی۔

"فاریہ خود کو سنبھالو۔ اگر آنٹی یا ارسہ نے تمہیں روتے دیکھ لیا تو تم سے اس کا سبب پوچھیں گی...... کیا تمہارے پاس ان کے کسی بھی سوال کا جواب ہے۔"

"فروہ میں کیا کروں......؟ میں خود تماشا نہیں بننا چاہتی مگر میرا خود پر کنٹرول ہی نہیں رہا۔ پھر کوئی بھی تو ایسی جگہ نہیں جہاں میں جی بھر کے رو سکوں۔"

"کل سے تم رو رہی ہو ابھی تک تمہارا جی نہیں بھرا۔"

"جانے کیوں میرے آنسو تھمتے ہی نہیں۔"

"مگر یہاں خود پر کنٹرول رکھو۔"

فروہ کی آنکھیں بھی برسنے لگیں تو وہ اُٹھ کر واش روم میں چلی آئی اچھی طرح منہ دھویا اس نے فاریہ کو بھی منہ دھونے کا کہا تا کہ ارسہ کے آنے تک اس کی آنکھیں کسی حد نارمل نظر آسکیں۔ فاریہ نے ایسا ہی کیا مگر جوں ہی وہ کمرے میں لوٹی آنکھیں پھر اشکبار ہو گئیں۔ ہنوز ارسہ اور اس کی والدہ وہاں چلی آئیں۔

چائے بسکٹ، کیک وغیرہ کو ویسے کا ویسا پڑا دیکھ کر دونوں ماں بیٹی نے ان کی طرف دیکھا۔ فروہ کی آنکھوں میں مدھم سی لالی تھی جبکہ فاریہ کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ ارسہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"Faria, Farwa are you o.k."

فروہ نے ہنکارا بھرا۔

"تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"بیٹی آپ کو کیا دکھ ہے؟ کیوں اتنی اداس ہو۔"

"امی دیکھیں تو کتنی ویک ہو گئی ہیں۔"

ارسہ کی والدہ نے روتی فاریہ کو گلے لگا لیا ارسہ بھی فروہ کے پاس آ کے بیٹھ گئی اور سسک کے بولی۔

"امی یہ کبھی نہیں بتائیں گیں۔ انہوں نے آج تک مجھ سے اپنے دل کی کوئی بات بھی شیئر نہیں کی۔"

فاریہ ارسہ کی والدہ کے گلے لگے روئے جا رہی تھی۔

"آنٹی میں زندہ نہیں رہنا چاہتی ...... پلیز آپ میرے مرنے کی دعا کریں۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے ...... مایوسی کفر ہے ...... ابھی تو میری بیٹی نے دنیا دیکھنی ہے اپنے حصے کی خوشیاں حاصل کرنی ہیں۔"

"آنٹی جب دنیا ہی ختم ہو جائے تو خوشیاں کہاں سے آئیں گی۔"

ارسہ نے ثانیاً استفسار کیا۔

"آخر تم دونوں کو ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں ...... کچھ بھی تو نہیں ...... بس کبھی کبھی رونے کو جی چاہتا ہے۔" فروہ نے کہا۔

"آنٹی میرے مرنے کی دعا کریں ...... میری تو دعاؤں میں اثر نہیں وہ آسمان سے رد

ہو کے لوٹ آتی ہیں ...... آپ بہت نیک ہیں اللہ آپ کی ضرور سنے گا۔"

"فاریہ بیٹی ایسی باتیں نہیں کرتے ...... اللہ تعالیٰ بہت غفور و رحیم ہے وہ سب کی سنتا ہے تم اس سے مانگ کے تو دیکھو۔"

"آنٹی میں اللہ کی رحمت سے کب انکار کر رہی ہوں۔ لیکن وہ مجھ جیسے گنہگاروں کی نہیں سنتا۔"

فاریہ خاموش ہو گئی اور رونے لگی ارسہ، ارسہ کی والدہ حتیٰ کہ فروہ نے بھی اسے چپ کروانے کی بہت کوشش کی مگر وہ روتی رہی حتیٰ کہ رو رو کے اس کے سر اور آنکھوں میں درد ہونے لگا۔ پھر وہ صوفے پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆

فاریہ کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اس کی آنکھیں اب بھی برس رہی تھیں فروہ نے دروازہ کھولا تو اس کی برستی آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ اُٹھا۔ اُسے خود پر غصہ آنے لگا اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا کہ یہ سب اس کی وجہ سے تھا وہ خود کو معاف نہ کر پا رہی تھی اس لیے اس کے قریب آ گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"فاریہ مجھے معاف کر دو۔"

فاریہ نے جلدی سے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا اور اس کے گال پونچھتے ہوئے بولی۔

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ...... پھر تمہارا اس میں قصور بھی کیا ہے یہ تو سب قسمت کے کھیل ہیں ...... فروہ میرے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ میں نے شاذ جیسے عظیم انسان سے محبت کی۔ میں اسی خوشی میں اپنی زندگی بسر کر دوں گی ...... بس دکھ ہے تو اس بات کا کہ میں اس کا ساتھ نہ پا سکی اُسے ان آنکھوں میں بسی محبت نہ دکھا سکی۔ اُسے جی بھر کے دیکھ نہ سکی۔"

فاریہ کی آنکھوں نے آنسوؤں کی رم جھم لگا رکھی تھی۔

"کاش! میں مرنے سے پہلے اسے دیکھ پاؤں ...... شاید اسی طرح میری روح کو سکون مل سکے۔ مگر جانے یہ موقعہ بھی نصیب ہوتا ہے کہ نہیں ...... فروہ میں اس کے قدموں کی خاک چومنا چاہتی تھی اس کے دل پر راج کرنے کی آرزو کی تھی میں اس کی زبان سے یہ سننے کی خواستگار تھی کہ اُسے میری محبت پر ناز ہے اُسے فخر ہے کہ میں اس کی ہوں ...... مگر ہماری زندگیوں میں بہت سی خواہشات ادھوری رہ جاتی ہیں ناممکن اور ادھوری کہانیوں کی طرح ...... شاید میری ادھوری داستاں مکمل ہو پائے ...... فروہ اگر میں مر جاؤں جو کہ میں مرنے والی نہیں کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ اس لمحے

کے زندگی میں آتے ہی میں یہ دنیا چھوڑ جاؤں گی مگر ایسا نہ ہوا...... میں بہت ڈھیٹ ہوں اتنا کچھ سننے کے باوجود زندہ ہوں...... پھر بھی اگر میری یہ خواہش برآئے تو تم میری قبر پر اس کے نام کا پھول ضرور چڑھانا اس سے میری روح کو طمانیت ملے گی اور اگر کبھی وہ تم سے ملے تو اُسے میری آنکھوں سے دیکھنا دوسرے جہاں میں ہوتے ہوئے بھی میں یہ سب محسوس کرلوں گی......"

وہ چپ ہوگئی پھر بولی۔

"فروہ میں بہت رونا چاہتی ہوں اتنا کہ میرا دل و دماغ اس سیلاب میں بہہ جائیں مگر جانے کیوں آنسو برستے برستے تھم جاتے ہیں...... آخر یہ برسات رک کیوں جاتی ہے یہ طوفان بن کر مجھے بہا کیوں نہیں لے جاتے میں زندہ نہیں رہنا چاہتی مگر اس قدر مجبور ہوں کہ مر بھی نہیں سکتی۔"

وہ روتی رہتی سسکیاں بھرتی رہی۔

"فروہ میں گرنا چاہتی ہوں مگر میرے قدم ڈگمگاتے کیوں نہیں۔ میں چپ کیوں نہیں ہوجاتی۔"

فروہ بھی رونے لگی۔

"فاریہ چپ ہو جاؤ اگر امی ابو نے دیکھ لیا تو تم سے اس قدر رونے کا سبب پوچھیں گے جبکہ تم جانتی ہو اس کا جواب نہ تمہارے پاس ہے اور نہ میرے۔"

"میں جانتی ہوں مگر خود پر بس ہی نہیں رہا...... تم یہاں سے جاؤ...... پلیز جاؤ تاکہ میں روسکوں اگر تم یہاں رہی تو میں ایسا نہیں کر پاؤں گی۔"

"تم اتنا تو رو چکی ہو اور کتنا روؤ گی۔"

"میں بہت رونا چاہتی ہوں بہت......"

پھر وہ بھاگ کے چھت پر آئی اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ وہ جنگلے تک بھی گئی مگر چھلانگ لگاتے لگاتے رک گئی۔ اس کی دنیا اجڑ چکی تھی اور اب وہ خودکشی کرکے اپنی آخرت بھی نہ گنوانا چاہتی تھی۔

☆

مرتضیٰ صاحب اور فضیلت بیگم فاریہ کی متواتر سرخ آنکھیں دیکھ کر بہت پریشان تھے وہ پچھلے تین دن سے اس سے اس کا سبب پوچھتے رہے مگر وہ ہر بار بنا کچھ کہے ان کے پاس سے اُٹھ کر چلی جاتی بلکہ کوشش کرتی کہ اس کا والدین سے سامنا ہی نہ ہو۔ دونوں میاں بیوی اپنے

کمرے میں بیٹھے فاریہ کی اس حالت کو لے کر بہت اُداس ہو رہے تھے فروہ ان کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھی کہ رُک گئی۔

"تم اس کی ماں ہو اس سے پوچھو آخر ایسا کیا دکھ ہے جس نے اس کی آنکھیں نم کردی ہیں۔"

"میں کیا کروں وہ مجھے کچھ بتاتی ہی نہیں۔"

فروہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے جلدی سے انہیں پونچھا اور اندر چلی آئی۔

"ابو آپ تو خواہ مخواہ میں فکرمند ہو رہے ہیں۔ فاریہ کو بھلا کیا دکھ ہوسکتا ہے وہ تو مجھ سے جدا ہونے کی وجہ سے اُداس ہے۔"

فضیلت بیگم بھی بیٹی کے جانے پر دکھی ضرور تھیں مگر فروہ کو حوصلہ دیتے ہوئے بولیں۔

"اسے کہو رونا دھونا بند کرے...... کوئی اپنی خوش قسمتی پر تھوڑی روتا ہے ایسا کرنے والے لوگ ناشکرے ہوتے ہیں اور اللہ ایسے بندوں کو پسند نہیں کرتا۔"

مرتضیٰ صاحب نے فروہ سے کہا۔

"اس سے پوچھو اگر وہ نہیں جانا چاہتی تو میں ویزا کینسل کروا دیتا ہوں۔"

"ہاں ہاں اگر فاریہ اتنی ہی دکھی ہے تو آپ اسے پاکستان میں ہی رہنے دیں۔"

"امی آپ تو جذباتی ہو رہی ہیں...... ابو آپ انکل سے کچھ مت کہیے گا بلکہ جلد از جلد اس کے ویزے کا بندوبست کریں۔"

"میں آج ہی حمید صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

فضیلت بیگم پھر بیٹی کے پاس آئیں اسے حوصلہ دیا اور اپنی تیاری کرنے کا کہا۔

رات کو وہ چھت پر لیٹی آسمان پر چمکنے والے ستاروں کو دیکھ رہی تھی کہ شاذ کو یاد کرکے رونے لگی۔

"میں اس قدر مجبور ہو جاؤں گی میں نے کبھی سوچا نہ تھا۔ فاریہ وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جو کسی کو مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں کسی کے ماتھے پر بے وفائی کا ٹیکا سجا سکتے ہیں۔ میں تو یہ بھی نہیں کرسکتی...... اُس نے کبھی مجھے چاہا نہیں مگر اس کی یاد میری آنکھیں برسا دیتی ہے شاید انہیں برسنے کا شوق ہوگیا ہے...... کاش! شاذ نے مجھے کبھی چاہا ہو، بے وفائی کی ہوتی تو میں اسے بے وفا کا الزام دے سکتی اور میرا دل مطمئن ہو جاتا، برستی آنکھوں کو تھمنے کا جواز مل جاتا...... مجھے تو رب سے بھی کوئی گلہ نہیں شکوہ ہے یہ تو اپنی تقدیر ہے...... آخر اس نے میرے ساتھ یہ کیوں

کیا میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ میں نے اللہ سے ہمیشہ یہی دعا کی تھی کہ اگر شاذ میری قسمت میں نہیں بھی تو اُسے میرا مقدر بنا دے...... میں نہیں جانتی تھی وہ مجھے اتنا یاد آئے گا کہ میں چاہتے ہوئے بھی اُسے نہ بُھلا پاؤں گی۔''

پھر فاریہ چھت سے اپنے کمرے میں آ گئی سارے کمرے کو بغور دیکھا جائے نماز کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھر برس اُٹھیں اور وہ زور زور سے بولنے لگی۔

''میں دور جانا چاہتی ہوں یہاں سے بہت دور...... کسی ایسی جگہ جہاں اس کا کوئی نام لینے والا نہ ہو...... میں اس کمرے میں نہیں رہنا چاہتی کیونکہ یہاں کی در و دیوار مجھے اس کی یاد دلاتی ہیں...... میرا دل دعا مانگنا چاہتا ہے مگر میں تو دعا بھی نہیں مانگ سکتی۔ اس کی زندگی کسی اور کی زندگی سے جڑ چکی ہے وہ بھی اِس زندگی سے جسے اس نے چاہا ہے...... اب وہ میرا نہیں رہا میں نہ تو اسے دعا میں مانگ سکتی ہوں اور نہ خواب میں دیکھ سکتی ہوں...... اس کا نام لیتے ہوئے بھی مجھے ڈر لگتا ہے...... میں اس سے بات بھی نہیں کر سکتی اگر اس نے مجھے کہہ دیا کہ اُس نے کبھی مجھے نہیں چاہا تو میں زندہ کیسے رہ پاؤں گی۔ میں اس حقیقت سے آشنا ہوں مگر اس کی زبان سے نہیں سن سکتی۔

روتے روتے وہ سجدے میں گر گئی مگر اس نے اپنے لب سی لیے۔

☆

فاریہ لان میں بیٹھی تھی نظریں تو اس کی وہاں اُگے پودوں پر جمی ہوئی تھیں مگر دماغ کہیں اور ہی کھویا۔ فروہ کب سے اُسے کھانے کے لیے بلا رہی تھی مگر اُسے کچھ سنائی ہی نہ دیا تھا۔ بالآخر فروہ تو اس کے پاس چلی آئی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔

''فاریہ کھانا کھا لو''

''مجھے بھوک نہیں۔''

''تھوڑا سا کھا لو ورنہ امی ابو پریشان ہو جائیں گے۔''

''فروہ کیا میں بہت بری ہوں؟''

''نہیں تو...... تم سے یہ کس نے کہا؟''

''میں یہی سوچ رہی تھی۔''

فروہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''فروہ میں نے کبھی کسی سے بدتمیزی کی۔''

''نہیں کبھی نہیں۔''

''پھر بھی ماضی میں نظر دوڑاؤ۔''

''فاریہ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔''

''ہاں فروہ میں کسی سے بدتمیزی کرنا تو کیا اُف تک کہنے سے ڈرتی تھی دل و دماغ میں ہر وقت یہی ڈر رہتا تھا کہ کہیں میری زبان سے نکلا کوئی لفظ کسی کا دل نہ توڑ دے اور اس کی آہ میرے راستے میں حائل ہو کر شاذ کو مجھ سے نہ چھین لے...... شاید میں دنیا کی گنہگار ترین انسان ہوں میں نے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد کیا ہے۔ جس کی پاداش میں مجھے شاذ کی جدائی کی صورت قیمت چکانا پڑی ہے...... مگر مجھے تو اپنے گناہ کا علم بھی نہیں اگر ہوتا تو شاید اذیت میں کوئی کمی واقع ہو پاتی۔''

اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹھنڈی آہ بھری۔

''فروہ مجھے ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو دل توڑ کر بھی دل میں بستے ہیں مگر میں نہ تو دل توڑنے والی دنیا کی تھی اور نہ دلوں میں بسنے والوں میں سے ہوں...... میرے اندر کوئی بھی تو خوبی نہیں...... میں نہ تو رب کے حضور محترم ہوں اور نہ کسی ایک انسان کے دل میں دھڑکنے کی صلاحیت رکھتی ہوں...... میں بہت کمتر ہوں۔''

''تم کمتر نہیں۔''

''فروہ تم جھوٹ بولتی ہوں میں کمتر ہو...... جو میں کمتر نہ ہوتی تو شاذ میرا ہوتا...... فروہ تم جانتی ہو احساس کمتری کیا ہوتی ہے...... نہیں تم نہیں جان سکتی...... میں بتاتی ہوں احساس کمتری ریت کا وہ ذرہ ہوتی ہے جو روز سینکڑوں لوگوں کے پاؤں تلے روندھا جاتا ہے...... دیکھو کسی کو نہ تو اس کا خیال آتا ہے اور نہ کوئی اس کے درد کو محسوس کرتا ہے۔ کاش! میری زندگی اُسی روز ختم ہو جاتی جس دن میں نے یہ خبر سنی تھی مگر ایسا نہ ہوا...... جانے کتنے برس اب مجھے احساس کمتری کی اذیت سہنا ہے...... میری دعاؤں کی طرح بد دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔''

فروہ نے روتے ہوئے کہا۔

''خود کو اذیت مت دو...... خود کوسنا چھوڑ دو۔''

''تم کہتی ہو خود کو اذیت نہ دوں...... فروہ کئی سال میری دھڑکن بن کے میرے دل میں دھڑکنے والا کبھی اس کو سن ہی نہ سکا اور تم کہتی ہو میں خود کو کوسنا چھوڑ دوں...... اس کی بیوی کو دیکھنے سے پہلے......''

فروہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"کس کی بیوی کی بات کر رہی ہو۔"

"شاذ کی......"

"تم نے کیا دیکھا؟"

"انٹرنیٹ پر......اُسے دیکھنے سے پہلے میں سمجھتی تھی وہ سنگ مرمر سے تراشی ہوئی کوئی مورت ہوگی گلاب کی پنکھڑیوں سے نازک مگر ایسا کچھ نہ تھا وہ بھی میری طرح گوشت پوست کا لوتھڑا ہے......میرے لیے زندگی کا ہر پل اذیت ناک بن جائے گا میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔"

بہن کی بہکی بہکی باتیں سن کر فروہ بہت پریشان ہوگئی۔ اس کی توجہ ہٹانے کو اس نے فاریہ کو اندر چلنے کا کہا مگر اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ مگر فروہ یہ سوچ کے وہاں سے چلی آئی کہ شاید اس کے جانے سے فاریہ کی سوچوں کا سلسلہ منقطع ہو جائے مگر اس کے جاتے ہی فاریہ خود سے کہنے لگی۔

"میں جو دوسروں کو مستقل مزاجی، لگن اور دعا کی تلقین کرتی تھی آج خود سب بھول گئی ہو......میں بہت گنہگار ہوں میرا لولو گناہ کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے مگر میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں اپنا گناہ نہیں جانتی یا شاید وہ اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں گن ہی نہیں سکتی......میں چاہتی ہوں میرے آنسو تھم جائیں۔"

اس نے اپنے گالوں پر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ایسا نہیں ہوتا......میں رو رہی ہوں مگر وہ دور بے خبر بیٹھا ہے......لوگ کہتے ہیں محبت قربانی مانگتی ہے مگر میں تو کوئی قربانی دینے کے قابل بھی نہیں۔ اگر محبت زندگی وقف کرنے کا نام ہے تو شاید میں یہ قربانی دے پاؤں۔"

فروہ اسے بلا رہی تھی ایک بار پھر والدین نے اسے بلانے بھیج دیا تھا کیونکہ وہ اس کے بغیر کھانا نہ کھا پا رہے تھے۔ فروہ اس کے قریب نہ جا پا رہی تھی کیونکہ اس کی بہکی باتیں، نم آنکھیں اور افسردہ چہرے اسے اپنے گناہ کا شدت سے احساس دلاتی تھیں۔

☆

مرتضیٰ صاحب نے تگ ودو کر کے جلد ہی اس کی سیٹ کنفرم کرا دی۔ مگر اُسے ڈائریکٹ سعودیہ کی ٹکٹ نہ مل پائی تھی اسے کراچی رکنے کے بعد سعودیہ جانا تھا۔ اس بات نے سب کو پریشان کر دیا آخر انہوں نے یہ حل نکالا کہ مرتضیٰ صاحب کراچی تک اس کے ساتھ جائیں گے مگر فاریہ انہیں ساتھ لے جانے پر راضی نہ ہوئی۔ اُس نے والد کو صاف منع کر دیا۔ بیرون

ملک روانگی سے پہلے فاریہ نے اپنے دوستوں کو آزاد کر دیا گو فروہ نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ ان کا بہت خیال رکھے گی مگر وہ اب انہیں قیدی بنا نہ دیکھ سکتی تھی۔

ایئرپورٹ روانگی سے پہلے اس نے حسرت بھری نگاہوں سے گھر کو دیکھا تو فضیلت بیگم نے بیٹی سے کہا۔

"فاریہ تم کونسا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہو۔"

فاریہ نے ماں کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور پھر وہ سب اُسے لاہور ایئرپورٹ پر سی آف کرنے چلے آئے۔ اُسے رخصت کرتے ہوئے سب کی آنکھیں نم تھیں خود وہ بھی بہت اداس ہوگئی تھی مگر اب وہ کسی صورت اس ملک میں نہ رہنا چاہتی تھی کراچی ایئرپورٹ پر پہنچ کے اسے پتہ چلا کہ سعودیہ کے لیے فلائٹ جانے میں کچھ وقت باقی تھا لہٰذا وہ دوسرے مسافروں کے ساتھ ویٹنگ روم میں بیٹھ گئی شاذ کو یاد کر کے اس کا دل بہت دکھ رہا تھا اسے آنسوؤں کے بہنے کا احتمال تھا اس لیے اس نے آنکھیں موندھ لیں کیونکہ وہ رو کر سب کو اپنی طرف متوجہ نہ کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ کسی سے بات بھی نہ کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ اپنی ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی کہ سعودیہ کے لیے جانے والی فلائٹ کا اعلان ہوگیا سارے مسافر اپنا اپنا سامان لیے چل دیے مگر وہ اپنے اردگرد سے بے خبر، بے نیاز آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور جہاز فلائی کر گیا۔ اسے پچھلے کئی گھنٹوں سے بیٹھا دیکھ کر وہاں موجود سٹاف میں سے ایک آفیسر اس کے پاس چلا آیا۔

"Excuse me ma`am"

فاریہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے ایک آفیسر کو پا کر حیران ہوئی۔

"جی"

"Ma`am, Have you any problem"

"نو۔ آئی۔ ایم۔ او۔ کے"

"آپ کافی دیر سے یہاں بیٹھی ہیں۔"

"Actually, I am waiting for my flight"

"Can you tell me your flight number"

فاریہ نے فلائٹ نمبر بتایا تو وہ بولا۔

"I am sorry to tell you that you have missed you flight"

"کوئی فلائٹ جو ابھی جانا ہو"

"You have to wait till next morning"

"او۔ کے تھینکس"

آفیسر کے جانے کے بعد فاریہ اپنا سامان لیے ایئر پورٹ سے باہر آ گئی وہاں کھڑی ٹیکسیوں میں سے اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور ڈرائیور سے کسی قریبی ہوٹل چلنے کا کہا ہوٹل پہنچ کر اس نے کرایہ ادا کیا اور اندر چلی آئی۔ اس نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور سامان رکھتے ہی لیٹ گئی۔

دو دن وہ کمرے میں بے ہوش پڑی رہی کئی بار ویٹر اس کے کمرے تک آیا دروازہ نوک بھی کیا مگر کوئی جواب نہ پا کر واپس پلٹ گیا۔ تیسرے دن ہوٹل والوں نے لاک کھولا تو اسے بے ہوش پا کر ہسپتال لے آئے۔ ٹریٹ منٹ کے بعد اُسے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اور وہ دوبارہ ہوٹل میں آ گئی۔ تھوڑی دنوں میں اس کی طبیعت سنبھل گئی تو وہ چہل قدمی کے لیے ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ چلتے چلتے وہ بہت دور نکل آئی وہ اپنی سوچوں میں گم سڑک کراس کر رہی تھی کہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ جب ہسپتال میں اس کی آنکھ کھلی تو اس کے سامنے شاذ تھا اس کا خواب اس کی منزل۔

شارح نے ڈائری بند کر دی۔ وہ بہت پریشان تھا اسی پریشانی کے عالم میں وہ وہاں سے لان میں آ گیا۔ رنج والم، حزن وملال کی کیفیت نے اُسے پوری طرح گھیر لیا وہ یوں ہی ٹہلتا رہا بار بار زینب کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ کوارٹر کا دروازہ کھول کر اس نے وہاں لائٹ آن کی اور کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ اس کی نظریں سارے کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے اس کی چارپائی پر آن ٹھہری۔

☆

شارح آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ بیڈ پر سوئی ہوئی سلمٰی نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"کتنے پیسے چاہیے۔"

"بیس ہزار۔"

"بیس ہزار! مگر کیوں؟"

"مجھے آج شاپنگ کے لیے بازار جانا ہے۔"

شارح نے اپنی جیب سے کریڈٹ کارڈ نکال کر سلمٰی کو دے دیا۔ سلمٰی نے کریڈٹ

کارڈ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل کے دراز میں رکھا اور دوبارہ آنکھیں موندھ لیں۔

زینب ڈسٹنگ کر رہی تھی کہ سلمٰی کھلے بالوں کو کیچر لگاتی ہوئی وہاں چلی آئی۔ زینب اس کی آمد سے بے خبر اپنے دھیان کام میں مصروف تھی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سلمٰی نے زینب کا نام پکارا مگر وہ اپنی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ دکھ کی شدت سے اس کے آنسوؤں نے برسات لگا رکھی تھی۔ مگر یہ رم جھم گالوں پر نہیں بلکہ دل کے صحرا پر برس رہی تھی۔ یہ بارش اتنی موسلا دھار تھی کہ زینب کو لگا اس کے دل کے صحرا کی پیاس بجھ جائے گی پھر جلد ہی بارش کے قطرے اس کے رخساروں پر بھی دیکھائی دینے لگے۔ وہ ابھی تک آنکھوں کے آگے پل باندھے ہوئے تھی۔ ثانیاً سلمٰی بولی۔

"زینب"

زینب نے چونک کے پیچھے مڑ کے دیکھا تو سلمٰی کو صوفے پر براجمان پا کر بولی۔

"جی بی بی۔"

"اِدھر آؤ۔"

زینب سر جھکائے اس کے قریب آ کے کھڑی ہوگئی۔ سلمٰی نے اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ صوفے سے تھوڑا سا فاصلہ رکھ کے فرش پر بیٹھ گئی اس کی نظریں فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔

"زینب کتنی تنخواہ لو گی؟"

"تنخواہ؟"

زینب نے یہ لفظ یوں ادا کیا جیسے وہ اس سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی ہو۔

"ہاں تنخواہ...... بھائی تم سارا دن کام کاج کرتی ہو اس کی تمہیں اجرت تو ملنی چاہیے۔"

"اُجرت"

سلمٰی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"تو پیسوں کی ضرورت نہیں تمہیں...... اپنی اجرت نہیں چاہیے؟"

"مگر کس بات کی اجرت۔"

"یہ جو تم سارا دن کام کرتی ہو...... مثلاً کھانا پکاتی ہو، کپڑے دھوتی ہو، صفائی کرتی ہو وغیرہ وغیرہ۔"

"بی بی جی میں نے تو کبھی اس سے کچھ نہیں مانگا جسے اپنا سب کچھ دے دیا پھر میں بھلا آپ سے کچھ کیوں لوں گی...... جبکہ میں نے تو آپ کو کچھ دیا ہی نہیں...... حساب کتاب کی بات کی جائے تو آپ کا پلڑا بھاری ہے...... آپ نے مجھے سر چھپانے کو چھت دی۔ تن ڈھانپنے کو

کپڑا اور سانسوں کی ڈور کو باندھ رکھنے کو دو وقت کی روٹی ...... مجھے اور کیا چاہیے ہوگا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی ہمیں تمہیں تھوڑی بہت رقم کی شکل میں معاوضہ تو ادا کرنا پڑے گا۔"

"معاوضہ...... میرا معاوضہ کوئی ادا نہیں کرسکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"بی بی جی مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

زینب یہ کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھی اور کچن کی طرف چلی آئی شارح نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے زینب کی تھوڑی سی گفتگو ضرور سنی مگر اُسے کچھ سمجھ نہ آیا۔ شوہر کو دیکھتے ہوئے سلمٰی بولی۔

"یہ زینب بھی ایک معمہ ہے...... نہ حل ہونے والا پُراسرار سوال۔"

"کیا ہوا؟"

شارح نے صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تو وہ بولی۔

"عجیب لڑکی ہے اسے پیسوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ...... ایک نازیہ ہے یکم سے پہلے ہی تنخواہ مانگ لیتی ہے۔"

"صاحب جی کہاں کھو گئے؟"

ڈرائیور کے سوال پر شارح نے چونک کر دیکھا تو وہ گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔

"واقعی! زینب ایک معمہ تھی۔"

شارح کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ اُس نے جلدی سے آنکھیں پونچھیں اور ڈرائیور کو تیز گاڑی چلانے کا کہا۔

☆

سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے فروہ کا ناشتے کا بالکل بھی موڈ نہ تھا مگر وہ یہ سوچ کے چلی آئی تھی کہ اسے غیر موجود پا کر فضیلت بیگم اس کی اچھی خاصی کلاس لیں گی۔ فاریہ جو مزے سے ناشتہ کررہی تھی بہن کو انڈے ڈبل روٹی سے کھیلتا دیکھ کر سب کی توجہ فروہ کی جانب مبذول کرانے کو بولی۔

"امی جو لوگ ناشتہ نہیں کرتے ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟"

"وہ کمزور ہو جاتے ہیں۔"

"ذرا پھر اپنی بیٹی فروہ کی طرف دیکھیں۔"

مرتضٰی صاحب فروہ کو دیکھ کر بولے۔

"فروہ بیٹی ناشتہ کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

"اس لیے ابو کہ کہیں یہ موٹی نہ ہو جائے ...... آپ سب ہر وقت مجھے کھانے کا کہتے رہتے ہیں کبھی اسے بھی ڈانٹا کریں۔"

"اس لڑکی نے تو دماغ خراب کر رکھا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے۔"

"امی آپ بھی فاریہ کی باتوں میں آگئیں۔ اچھا خاصا تو کھاتی ہوں۔"

فاریہ نے اسے تنگ کرنے کو کہا۔

"امی اگر یہ کھائے تو میری طرح نہ ہو۔"

"تم تو جیسے پہلوان ہو۔"

"پہلوان تو میں بنا بھی نہیں چاہتی مگر اللہ کا شکر ہے تم سے بہتر ہوں۔"

"فروہ چھوڑ دو اس ڈائٹنگ کو۔ کہیں نہیں تم موٹی ہو جاتی۔"

"امی آپ اس کی باتوں میں آ گئی ہیں۔"

فروہ نے چڑ کے کہا تو فاریہ کی ہنسی چھوٹ گئی مگر اس نے اسے مزید ڈانٹ پٹوانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ مرتضٰی صاحب اور فضیلت بیگم اُسے ڈانٹ رہے تھے اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی لانے کی کوشش کررہی تھی۔

فروہ کو مسکراتے دیکھ کر ملازمہ بولی۔

"بی بی آپ ہنس رہی ہیں"

فروہ نے اپنے اردگرد دیکھا وہ تنہا ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی۔

"بی بی ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"تم ناشتہ لے جاؤ۔"

"بی بی ابھی تو آپ نے ایک نوالہ تک نہیں لیا۔"

"میں نے کہا نا! تم یہ اٹھا لو مجھے بھوک نہیں۔"

ملازمہ نے برتن اٹھائے اور وہ بھی اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

☆

شارح کی والدہ اور بیوی شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے شارح نے چائے کی طلب محسوس کی تو ملازمہ کو چائے کا کہنے کچن کی طرف چلا آیا زینب سینک پر برتن دھو رہی تھی اور نازیہ اس کے قریب کھڑی اس کے ساتھ محو گفتگو تھی۔

"نازیہ......نازیہ......"

کچن کے قریب پہنچ کر شارح خاموش ہو گیا۔

"زینب تمہارا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔"

برتن دھوتے ہوئے زینب کے ہاتھ رک گئے اور وہ گہری سوچ میں کھو گئی۔ اسے گم سم دیکھ کر نازیہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

زینب چونک گئی نازیہ نے سوال دوہرایا تو اس نے پلیٹ کو صابن لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"کچھ نہیں۔"

"زینب میری بات کا جواب دو۔"

"تم کیوں پوچھنا چاہتی ہو؟"

"ویسے ہی......زینب واقعی تمہارا اس بھری دنیا میں کوئی بھی نہیں۔"

"سب ہیں۔"

زینب کی زبان سے یہ لفظ سن کر نہ صرف شارح ششدر رہ گیا بلکہ نازیہ کو بھی حیرت ہوئی ......کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اس دنیا میں تنہا تھی۔ نازیہ نے اپنے سوال کو نئے انداز میں دوہرایا۔

"کیا وہ زندہ ہیں......؟ اگر ہیں تو تم ان کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی۔ یہاں رہ کر جھاڑو پوچا کیوں کرتی ہو۔"

نازیہ توقع کر رہی تھی کہ زینب اُسے اپنی روداد سنا دے گی مگر زینب کے جواب نے اُسے الجھا دیا۔

"سانسوں کا چلنا ہی تو زندگی نہیں ہوتا۔ دنیا میں ایسے بھی تو لوگ ہوتے ہیں جن کی سانسیں تو چلتی رہتی ہیں مگر وہ مر چکے ہوتے ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی......کیا تم نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے؟"

"دیکھا ہے۔"

"کون ہے وہ؟ مجھے بھی تو اُس سے ملواؤ۔"

"نازیہ"

شارح کی آواز پر نازیہ سب بھول گئی اس نے مڑ کے اس کی طرف دیکھا مگر زینب اُسی طرح کھڑی اپنا کام کر رہی تھی۔ گو شارح کی آواز پر وہ بے چین ہو گئی تھی اس کی روح تک تڑپ اُٹھی تھی مگر اس نے مڑ کے دیکھنے کی جسارت نہ کی۔

"جی صاحب جی۔"

"نازیہ ایک کپ چائے کا بنا کر میرے کمرے میں لے آؤ...... بلکہ یوں کرو زینب کے ہاتھ بھجوا دو۔"

"جی اچھا!"

شارح کے لیے زینب نے چائے تو بنا دی مگر چائے لے جانے پر رضامند نہ تھی۔ اس نے نازیہ کو بہت کہا مگر وہ نہ مانی تو وہ لڑکھڑاتے قدموں، کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ شارح کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دروازہ نوک کیا تو شارح کی اجازت پا کر اندر داخل ہو گئی۔ شارح کے قریب جا کر زینب نے بمشکل چائے کہا شارح نے نظر اٹھائے بنا اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑا تو اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ نے اُسے ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ مگر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے وہ سوال پوچھا جس کے لیے اس نے زینب کو کمرے میں بلوایا تھا۔

"کیا آپ اس دنیا میں تنہا ہیں؟"

زینب خاموش رہی اس نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے حلق میں دب گئی۔

"شارح چائے۔"

"شارح نے بیگم کے ہاتھ سے چائے پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھا۔"

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں......"

اسی لمحے زینب کے کپکپاتے ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

شارح کنسرٹ سے لوٹا تو رات کافی بیت چکی تھی وہ سونا چاہ رہا تھا مگر بیڈ پر لیٹے ہوئے بار بار زینب کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ اسے جاگتا دیکھ کر سلمٰی نے اس بے چینی کی وجہ دریافت کی مگر شارح اُسے سو جانے کا کہہ کر پانی پینے کو خود کچن میں چلا آیا مگر یہاں آتے ہی اُسے ہر طرف زینب دکھائی دے رہی تھی کبھی وہ سینک پر کھڑی نظر آتی

کبھی چولہے کے پاس۔ فریج سے بوتل نکالنا چاہی تو اس نے زینب کو اپنے لیے گلاس میں پانی ڈالتے دیکھا۔ معاً نازیہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج اُٹھے۔

''زینب آخر تم شارح صاحب کے پاس جانے سے اتنا کیوں گھبراتی ہو حالانکہ ہم تم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ بہت نرم دل انسان ہیں...... ان کا سامنا کرنا پڑ جائے تو تم تھر تھر کانپنے لگتی ہو۔ دور رہ کر ان کے سارے کام کرتی ہو ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھتی ہو مگر کبھی روبرو جا کر داد وصول نہیں کرتی...... تمہیں اتنی تو خبر ہوگی کہ صاحب جی آ گئے ہیں مگر پانی کا گلاس لے جاتے ہوئے تمہارے ہاتھ کانپتے ہیں۔''

''نازیہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''آج تو تمہیں خود ہی جانا پڑے گا میں تمہارا یہ کام کرنے والی نہیں۔''

زینب ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے اس کے سامنے خاموش کھڑی تھی مگر اس کی دھمکی پر زینب کی آنکھوں میں آنسوؤں کے چھوٹے چھوٹے ستارے ٹمٹمانے لگے۔ نازیہ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر شرمندہ ضرور تھی مگر اس نے ترنخ کے کہا۔

''جانے تیری آنکھوں کا سمندر کب خشک ہوگا......؟ آخر یہ برسات کب تھمے گی؟''

''میں خود نہیں جانتی...... یہ میرے اختیار میں نہیں کیونکہ برسات نے عمر بھر برسنے کی قسم کھائی ہے۔''

زینب کی بے بسی پر اس کا دل اُداس ہو گیا۔ نازیہ نے اس کے ہاتھ سے گلاس پکڑا اور شارح کے پاس چلی آئی۔ شارح جوان کی گفتگو سن رہا تھا نازیہ سے پوچھنے لگا۔

''زینب کیوں رو رہی ہے؟''

''پتہ نہیں صاحب جی، ہر وقت اس کی آنکھیں برستی رہتی ہیں مگر کسی کو اپنا دکھ بتا کر دل کا بوجھ ہلکا نہیں کرتی۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔''

شارح نے پانی کی بوتل واپس فریج میں رکھ دی اور پانی لیے بنا ہی سٹڈی روم میں چلا آیا۔ زینب کی ڈائری کھولی اور چیئر پر بیٹھ کر پڑھنے لگا۔

نازیہ کی اچانک جو آنکھ کھلی تو زینب کو خالی خالی نظروں سے دیوار کو گھورتے دیکھ کر بولی۔

''زینب تم ابھی تک جاگ رہی ہو...... سو جاؤ رات کافی گزر چکی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو رات کافی گزر چکی ہے۔''

نازیہ نے اس کے چہرے پر چھائے دکھ کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے ان میں کمی لانے کو کہا۔

''کسی کا انتظار ہے کیا؟''

''انتظار...... ہے انتظار تو ہے۔''

نازیہ نے پوچھا۔

''کس کا؟''

زینب خاموش ہو گئی۔

''زینب چپ کیوں ہو گئی...... کچھ تو بولو۔''

''بولوں...... ہاں...... بولنا تو میں بھی چاہتی ہوں۔ اب تو لفظوں کی ڈور بھی لمبی ہو چکی ہے مگر میں اس سے زندگی کی پتنگ نہیں اڑا سکتی۔ ہاں البتہ یہ ڈور میرے جسم کے گرد ضرور لپٹ رہی ہے۔ شاید یہی میرے گلے کا پھندا بن کر مجھے زندگی سے نجات دلا سکے۔''

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر زینب چارپائی پر دراز ہو گئی شارح گاڑی سے اتر کر اندر چلا آیا۔

نازیہ نے اس کے چہرے پر اطمینان و سکون پا کر پوچھا۔

''کچھ پا لیا ہے کیا؟''

''ہاں...... زندگی...... زندگی لوٹ آئی ہے۔''

''زندگی...... وہ تو پہلے ہی تمہارے سنگ ہے۔''

''نہیں...... دور چلی گئی تھی۔''

''زینب مجھ سے اپنا دکھ کہہ ڈالو تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''دکھ...... مجھے تو کوئی دکھ نہیں۔''

نازیہ نے خاموش زبان میں کہا۔

''اپنے سارے رشتے کھو چکی ہے پھر بھی کہہ رہی ہے مجھے کوئی دکھ نہیں۔''

''میں تو امتحان دے رہی ہوں ہر ذی روح کی طرح...... نازیہ زندگی ہم سب سے امتحان لیتی ہے کبھی ہنسنے کا تو کبھی رونے کا...... پہلے میں تو ناکام رہی ہوں جانے دوسرے میں بھی کامیاب ہو پاؤں کہ نہیں۔''

''جانے تم کیسی باتیں کرتی ہو؟''

نازیہ نے کروٹ بدل لی۔ نیند سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اس لیے کچھ کہنے سننے کی سکت نہ رہی تھی اس کے سوتے ہی زینب نے بھی آنکھیں موندھ لیں۔

معاً شارح نے پیاس محسوس کی تو ڈائری بند کر کے کچن میں چلا آیا فریج سے پانی کی بوتل اور گلاس بھرنے کے بعد پینے لگا۔ پانی پیتے ہی اُسے لگا اس کی روح کو کسی حد تک کرب سے نجات مل گئی ہو۔ جب سے اُس نے ڈائری پڑھنا شروع کی تھی۔ وہ حزن و ملال اور اضطراب میں گھرا ہوا تھا بے پناہ کوشش کے باوجود وہ زینب کا چہرہ اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ کر پا رہا تھا۔ اس کی زندگی کو تو اُسی روز عجیب و غریب احساس نے جکڑ لیا تھا جس روز زینب نے اس کی زندگی میں قدم رکھا مگر وہ ہنوز اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے پا رہا تھا۔ کچھ دیر کچن میں بیٹھنے کے بعد اس کے قدم ثانیاً سٹڈی روم کی جانب اُٹھ گئے۔ چیئر پر براجمان ہوتے ہی اس نے ڈائری کھولی۔

فروہ فاریہ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ فاریہ کی نظریں ٹی۔وی سکرین پر گڑی ہوئی تھیں سارا دن انتظار کرنے کے بعد آخر گھڑی نے 8 بجا ہی دیے اور پروگرام شروع ہو گیا۔ میزبان نے مدعو مہمانوں کا تعارف کروانا شروع کیا تو فاریہ کا دل دھڑکنے لگا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے اور وہ بے جان جسم کو حرکت میں لانے کے لیے ہاتھ ملنے لگی۔ فروہ اس کی حالت دیکھتے ہوئے بولی۔

”کئی ہفتے گزر گئے ہمیں یہ پروگرام دیکھتے ہوئے مگر تمہارا آج بھی وہی حال ہے جو پہلے روز تھا...... شاذ بھائی بہت دور بیٹھے ہیں۔“

”فروہ اپنی نفسیات مت جھاڑو۔ خاموش ہو جاؤ۔“

فروہ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر ہنستے ہوئے بولی۔

”کبھی کبھی مجھے یہ سوچ کر ہنسی آنے لگتی ہے کہ جب بھائی تمہارے سامنے آئیں گے تو تم یقیناً بے ہوش ہو جاؤ گی۔“

”میرے ساتھ کیا ہو گا تم نفسیات دان زیادہ جانتی ہو مگر فی الحال میں تم سے اتنا کہوں گی کہ منہ پر انگلی رکھ لو...... مجھے شاذ کی باتیں سننا ہیں۔“

”چاہے سنائی نہ دیں۔“

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“

”ایسی ہی بات ہے......“

جوں ہی کیمرہ شاذ پر پڑا دونوں خاموش ہو گئیں۔ شاذ بول رہا تھا مگر فاریہ کو کچھ سمجھ ہی

نہ آ رہا تھا وہ تو اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر جوں ہی کیمرہ ہٹا فاریہ بولی۔

”آئی۔ایم۔ویری لکی۔“

”اس میں بتانے والی کونسی بات ہے۔“

”میں شاذ کے حوالے سے بات کر رہی ہوں۔ فروہ میں دنیا کی خوش قسمت لڑکی ہوں۔ شاذ بہت خوبصورت ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت کوئی انسان نہیں دیکھا۔“

”No doubt بھائی خوبصورت ہیں مگر اگر انسان اچھا نہ ہو تو اس کی خوبصورتی کسی کو نہیں بھاتی...... بھائی خوبصورت ہونے کے علاوہ great انسان ہیں...... مجھے ڈھونڈنے سے بھی ان میں کوئی برائی دکھائی نہیں دی۔“

معاً فاریہ کے کانوں میں ماں کی آواز پڑی تو وہ وہاں سے اُٹھ کر چلی آئی۔ پروگرام میں کمرشل بریک کی وجہ سے اسے کوئی حیلہ بہانہ بنانے کی نوبت پیش نہ آئی تھی۔ فضیلت بیگم بیٹی سے کھانا کھانے کا کہہ رہی تھیں مگر وہ پروگرام کے بعد کھانے کا کہہ کر واپس بھاگ آئی۔

”فاریہ میں نے ایک بات نوٹ کی ہے۔“

”کیا؟“

”پروگرام ختم ہونے کے بعد بتاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“

پروگرام کے چالیس منٹ کے دورانیے میں جتنی بار بھی کیمرہ شاذ پر پڑا وہ اُسی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں ٹی۔وی سکرین پر جمی ہوئیں تھیں اور دل خدا تعالیٰ سے فریاد کر رہا تھا شاذ کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک پل کو بھی اس کی زبان سے دعا نہ ہٹی تھی۔ پچھلے کئی پروگراموں سے اس کی یہی روٹین رہی تھی۔ دن رات خدا سے شاذ کو مانگنے کے باوجود اسے اطمینان نہ ملتا تھا۔ ہر پل یہی ڈر رہتا تھا کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے یہی خوف ہمہ وقت اس کے لبوں پر دعا رکھتا تھا۔ وہ سکون سے سو بھی نہ پاتی تھی جب بھی اس کی آنکھ کھلتی اس کے لبوں پر وہ ہی دعا ہوتی جو دل مانگ رہا ہوتا تھا۔ پروگرام ختم ہوتے ہی فاریہ بہن کی طرف متوجہ ہوئی۔

”اب بتاؤ تم نے کیا نوٹ کیا ہے“

”شاذ بھائی کے پاس سب کچھ ہے مگر پھر بھی وہ بے چین ہیں۔ اتنی بے چینی میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھی ہے۔“

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔“

''فاریہ ہم سائیکالوجسٹ انسان کی چھوٹی چھوٹی حرکات اور معمولی باتیں نوٹ کرتے ہیں اُسی سے ہمیں ان کے بارے پتہ چلتا ہے......شاذ بھائی مسلسل ٹانگ ہلا رہے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بولتے ہوئے بھی۔''

''تمہارے خیال میں انہیں کیا چیز پریشان کرتی ہوگی۔''

''یہ تو میں نہیں بتاسکتی کیونکہ یہ جاننے کے لیے ایسے شخص کے قریب ہونا ضروری ہے۔''

''فروہ تمہارا وہم ہوگا شاذ کے پاس بھلا کس چیز کی کمی ہے۔''

''اس کے باوجود میں یہی کہوں گی۔''

اس وقت تو اُس نے بہن کی بات کو نظر انداز کردیا مگر جب وہ زینب کے روپ میں شاذ کی زندگی میں داخل ہوئی تو کئی بار اس کی نظر شاذ کی ہلتی ہوئی ٹانگ پر پڑی۔ تنہا بیٹھے ہوئے۔ بیگم یا ماں سے بات کرتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے وہ اکثر اپنے کوارٹر میں بیٹھ کر بہن کے الفاظ کو یاد کرتی اور پھر اپنا ذہن لڑانے لگتی۔

''شاذ کے پاس سب کچھ ہے دولت، شہرت، عزت، محبت...... جسے شاذ نے چاہا پالیا پھر وہ بے چین کیوں ہے؟'' وہ اس کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کرتی تا کہ وہ اسے اس کا سکون لوٹا سکے مگر وہ ناکام ہوجاتی۔ اس وقت اُسے بہن کی کمی محسوس ہوتی مگر وہ نہ تو اُسے وہاں بلاسکتی تھی اور نہ خود اس کے پاس جاسکتی تھی۔

ڈائری پڑھتے ہوئے شارح کی نظر اپنی ہلتی ٹانگ پر پڑی تو وہ گھبرا گیا۔

''میں بے چین ہوں مگر کیوں؟''

شارح نے زندگی میں پہلی بار خود سے یہ سوال کیا تھا مگر زینب کی طرح اس کے پاس بھی کوئی جواب نہ تھا۔ اگلے روز آفس کے لیے نکلتے ہوئے اُسے لاہور سے کال آئی وہ لوگ اُسے کنسرٹ کے لیے مدعو کرنا چاہتے تھے۔ شارح نے حامی بھرلی کیونکہ وہ فروہ سے ملنا چاہتا تھا کیوں وہ خود نہیں جانتا تھا۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوال تھے کنسرٹ کے بعد وہ فروہ کے آفس چلا آیا۔ فروہ بیٹھی دیوار پر آویزاں بہن کی تصویر کو دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ندامت و ملال کے آنسو تھے۔

''آئی۔ ایم سوری فاریہ۔ آئی۔ ایم سوری۔''

دروازہ نوک ہوا تو اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کم ان کہا ملازم نے اندر داخل ہوکر اُسے اطلاع دی۔

''میڈم شارح صاحب آئیں ہیں۔''

''شارح بھائی۔''

فروہ نے مدھم سی آواز میں شارح کا نام لیا مگر ملازم اسے خاموش سمجھ کے تفصیل بیان کرنے لگا۔

''میڈم وہ آپ کے کمرے کی طرف ہی آرہے ہیں......اگر آپ کہیے تو میں ان کے لیے چائے کا انتظام کرو۔''

فروہ نے بے خیالی میں ہنکارا بھرا تو وہ وہاں سے چلا آیا۔

فروہ کئی دنوں سے بہن کے ساتھ کہیں گھومنے جانا چاہتی تھی مگر اس کا گھر سے نکلنے کو جی ہی نہ چاہ رہا تھا آخر فروہ اسے یہ کہہ کے اپنے ساتھ لے آئی کہ وہ اسے شاذ کے بارے بہت اہم باتیں بتانا چاہتی تھی۔ دونوں بہنیں پارک میں ٹہلتے ہوئے شاذ کے بارے ہی بات کررہی تھیں کہ فاریہ نے اپنے ذہن میں کئی دنوں سے گردش کرنے والی خواہش کے برآنے کے بارے سوال کیا۔

''فروہ کیا کبھی ایسا بھی ہوجائے گا کہ شاذ کو میری محبت کھینچ لائے۔''

''تم ایسا چاہتی ہو۔''

''ہاں میرا جی چاہتا ہے میں شاذ کو اتنا چاہوں......اتنا چاہوں کہ میری محبت فاصلے طے کرتی اُس تک پہنچ جائے اور وہ میرے آواز دیے بنا میرے پاس چلا آئے...... مجھے ایسی محبت پسند ہے......کیا میری محبت ایسی ہو پائے گی۔''

''انشاءاللہ......بس تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

''اس ذات باری تعالیٰ پر بھروسہ ہی ہے جو مجھے اس خواب کو بننے دیتا ہے ورنہ حقیقت تو کبھی مجھے یہ سوچنے ہی نہ دے۔''

دروازہ نوک ہوا تو فروہ نے اپنی آنکھ سے نکل کر گال پر بہنے والا موٹا سا آنسو پونچھا۔

''یس کم اِن۔''

شارح اندر داخل ہوا تو اسے خاموش زبان میں کہا۔

''فاریہ بھائی آگئے مگر دکھ اس بات کا ہے کہ تمہاری آرزو بہت دیر سے پوری ہوئی۔''

شارح پر نظر پڑتے ہی فروہ نے اُسے بیٹھنے کا کہا معاً ملازم چائے لیے اندر داخل ہوا۔

پھر وہ دونوں چائے پینے لگے۔ اسی دوران شارح نے فروہ سے ٹرسٹ کے بارے پوچھا تو فروہ

کی زبانی اس کی کامیابی کا سن کر شارح کو خوشی ہوئی۔ شارح نے کئی بار دیوار پر آویزاں فاریہ کی تصویر کو دیکھا جس نے فروہ کو کافی حیران کیا مگر پھر وہ اسے اپنی بہن کی محبت کی کشش سمجھی۔

"آپ تنہا یہ سب کیسے Handle کرتی ہیں۔"

"میں اکیلی تو نہیں بہت سے لوگ میرے ساتھ ہیں۔"

"مگر پھر بھی کوئی اپنا بھی تو ساتھ ہونا چاہیے۔"

"اپنے ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ گئے......لیکن اللہ میرے ساتھ ہے۔"

"آپ نے فاریہ ٹرسٹ کا آغاز کیا......"

فروہ شارح کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی اس لیے وضاحت دینے لگی کیونکہ شارح ایک بار پہلے بھی اس قسم کا سوال پوچھ چکا تھا۔

"تا کہ میری بہن کی تکلیف کو دکھی انسانوں کی دعا کم کر سکے۔ اور میری بھی اذیت و ملال میں کسی حد تک کمی واقع ہو پائے۔"

"آپ کی بہن......میرا مطلب وہ اس وقت کہاں ہیں؟"

فروہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اس کے لیے حقیقت چھپانا مشکل تھا کیونکہ وہ جانتی تھی دل کے بہلانے کو تسلی تو دی جا سکتی تھی مگر تسلی کو زندہ رکھنے کو حقیقت نہیں چھپائی جا سکتی تھی۔

"وہ اپنا دکھ ختم کرنے کو اس ملک سے دور چلی جانا چاہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کی اذیت سے نجات دلا دی۔"

فروہ خاموش ہو گئی تو شارح اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"دس سال پہلے وہ ایئر کریش میں ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔"

"میں ہسپتال سے ہوٹل واپس آئی تو بیڈ کے قریب پڑے چار پانچ روز پہلے کے اخبار کی ہیڈ لائن نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔"

"سعودی عرب کے لیے پرواز کرنے والا جہاز حادثے کا شکار ہو گیا۔"

جب میں نے پوری خبر پڑی تو مجھے علم ہوا کہ یہ وہی جہاز تھا جس کے ذریعے مجھے سعودیہ پہنچنا تھا۔ حادثے میں تمام مسافر جاں بحق ہو گئے تھے۔ کئی مسافروں کی لاشیں تلاش کر لی گئیں مگر کئی ابھی لاپتہ تھے۔ یہ خبر پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میرے والدین اور بہن اب تک میرا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا چکے ہوں گے۔ میں چاہتی تو واپس جا کر ان کے چہروں پر چھائی اداسی اور دکھ کو کافور کر سکتی تھی مگر میں اپنی زندہ لاش ان کے سامنے لے جانے کی ہمت نہ کر پائی۔ میں ان

کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو چند دنوں یا مہینوں کی بجائے پوری زندگی تک محیط نہ کرنا چاہتی تھی......میں نے اپنی زندگی کو اب خدا کے فیصلے پر چھوڑ دیا۔ مجھے کہاں جانا تھا، کہاں رہنا تھا میں خود کچھ نہیں جانتی تھی بس خبر تھی تو اس بات کی کہ اب میں واپس نہیں جا سکتی تھی۔

شارح کو زینب کے لکھے لفظ حرف بہ حرف یاد آ گئے تھے۔ اس سے پیشتر کہ حزن و ملال اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر جھلکتا اس نے فروہ کو تسلی دی۔

"آئی۔ ایم سوری۔"

یہ کہہ کر اس نے یہ ظاہر کروا دیا کہ اس کے لیے یہ خبر نئی تھی۔ فروہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"It's o.k"

شارح نے خود کو اور فروہ کو اس رنج والم، حزن و ملال کی کیفیت سے نکالنے کو پیشنٹس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ شارح فروہ کے ساتھ وزٹ کرنے کے بعد دل میں ایک دکھ لیے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ فروہ کے لیے بھی اب وہاں رکنا مشکل ہو گیا تھا وہ سٹاف سے طبیعت خراب ہونے کا کہہ کر گھر چلی آئی۔ راستے میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے فروہ کو بہن کے الفاظ یاد آنے لگے۔

"فروہ کیا کبھی ایسا بھی ہو پائے گا کہ شاذ کو میری محبت کھینچ لائے......فروہ میرا جی چاہتا ہے میں شاذ کو اتنا چاہوں......اتنا چاہوں کہ میری محبت فاصلے طے کرتی ہوئی اس تک پہنچ جائے۔"

فروہ کی آنکھیں خود بخود چھلک پڑیں۔

"وہ میری آواز دیے بنا میرے پاس چلا آئے۔"

"فاریہ بھائی آئے ہیں......مگر تم نہ دیکھ پائی......فاریہ تمہاری محبت انہیں کھینچ لائی۔"

گھر پہنچ کر اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور آنکھیں بند کیے صوفے پر ٹیک لگا کے نیم دراز ہو گئی کہ فون کی گھنٹی بجی مرتضیٰ صاحب باہر لان میں پودوں کو پانی دے رہے تھے فضیلت بیگم کچن میں ناشتہ تیار کر رہی تھیں اور فروہ ڈرائنگ روم میں صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے خود سے ہمکلام تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ فاریہ اتنی دور جا کے بھی اپنے دکھ کو کم کر پائے گی۔ بھلا فاصلے بھی کبھی اذیت کو کم کرتے ہیں بلکہ تنہائی تو دکھ کو ناسور بنا دیتی ہے جو ساری زندگی رستا رہتا ہے۔ فاریہ وہاں اکیلی ہو گی۔ میں جانتی ہوں اس کے دل پر نقش تصویر کو وقت کی گرد دھندلا نہ پائے گی

مگر میں اسے احساس دلاتی تو شاید ایسا ہی ہوتا مگر اب ممکن ہے شاذ بھائی کی تصویر مٹ جائے...... مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے جانے سے منع تو کیا تھا جس کی خاطر اس نے میلوں کی مسافت طے کرنے کی حامی بھری تھی اس کے گھر جانے والے تو تمام راستے پہلے ہی ختم ہو گئے تھے...... مگر وہ میری کب ماننے والی تھی...... میں اس سے کچھ بھی منوانے کا اختیار کھو چکی ہوں میری وجہ سے اُسے عمر بھر جدائی کے کرب سے گزرنا پڑے گا۔"

مرتضیٰ صاحب جو اِدھر سے گزرے تو فون کی گھنٹی بجتی سن کر اس کے قریب آ گئے مگر فروہ کو موجود پا کر بولے۔

"فروہ بیٹی کہاں کھوئی ہوئی ہو۔"

فروہ نے چونک کے والد کی طرف دیکھا اور سسکی محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"وہ ابو میں۔"

مرتضیٰ صاحب نے ریسیور کان کو لگایا تو دوسری جانب سے حمید صاحب کی آواز سن کر بولے۔

"ہم آپ کے ہی فون کا انتظار کر رہے تھے...... فاریہ تو خیریت سے پہنچ گئی ہے۔"

"میں نے آپ کو یہ بتانے کو فون کیا تھا......"

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئے تو مرتضیٰ صاحب سمجھے وہ ان سے ان کی آمد کی تاریخ پوچھنا چاہ رہے تھے۔

"انشاء اللہ میں کوشش کروں گا کہ اسی ہفتے آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

حمید صاحب نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"میں نے آپ کو یہ کہنے کو فون کیا ہے کہ اب آپ کو آنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔"

مرتضیٰ صاحب دوست کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر بہت حیران ہوئے۔

"کیا بات ہے حمید صاحب......؟ سب ٹھیک تو ہے نا ہم سے کوئی غلطی ہوگئی کیا؟"

"آپ میری بات نہیں سمجھ پا رہے...... بات دراصل یہ ہے کہ"

حمید صاحب یہ تو جان چکے تھے کہ وہ جہاز کے حادثے سے بے خبر تھے مگر ان کے لیے ایک باپ کو اس کی جوان بیٹی کی موت کی خبر سنانا بہت مشکل ہوگیا تھا اس لیے وہ ہر بار کہتے کہتے رُک جاتے تھے۔

"حمید صاحب آپ بولیں میں سن رہا ہوں۔"

"آپ نے خبر نہیں سنی۔"

"بس آج ٹی۔وی دیکھنے کا موڈ نہ ہو رہا تھا...... کیوں کوئی خاص خبر ہے؟"

جوں ہی حمید صاحب نے انہیں جہاز کریش کی خبر سنائی وہ سکتے میں آ گئے اور ان کے قدم لڑکھڑانے لگے فروہ والد کی یہ حالت دیکھ کر بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"ابو کیا ہوا......؟ امی دیکھیں تو ابو کو کیا ہوگیا ہے؟"

فضیلت بیگم بھی بھاگی بھاگی وہاں آ گئیں۔

"کیا ہوا؟"

"امی ابو کسی سے فون پر بات کر رہے تھے کہ اچانک ان کی یہ حالت ہوگئی۔"

فضیلت بیگم نے ریسیور کان کو لگایا تو حمید صاحب کی زبانی بیٹی کی موت کی خبر سن کر رونے لگیں جب فروہ نے یہ خبر سنی تو اس کی آنکھیں بھی بہنے لگیں۔

فاریہ کی موت کی خبر سنتے ہی عزیز و اقارب، دوست احباب اور محلے دار ان کے گھر اکٹھے ہو گئے۔ جوان موت نے ہر آنکھ کو اشکبار اور ہر دل کو دکھی کر دیا تھا۔

فضیلت بیگم نے تو رو رو کر اپنا برا حال کر لیا فروہ بہن کی موت کی خبر سنتے ہی دھاڑیں مارنے لگی تھی، مرتضیٰ صاحب کو لگا وہ یہ صدمہ ہی برداشت نہ کر پائیں گے انہیں تو اپنی جوان، لاڈلی بیٹی کی موت کا یقین ہی نہ ہو رہا تھا مگر بیٹی اور بیوی کی حالت دیکھتے ہوئے انہوں نے خود کو سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا وہ جانتے تھے کہ اگر وہ بھی ہمت ہار گئے تو سارا گھرانہ تباہ ہو جائے گا۔

حمید صاحب کی فیملی اور ارسہ کے گھر والے دکھ کی اس گھڑی میں انہیں دلاسا دینے ان کے پاس چلے آئے تھے مگر کسی کے لفظ بھی فروہ کو رنج والم، حزن و ملال سے نہ نکال پا رہے تھے۔

عورتیں فضیلت بیگم کے پاس بیٹھ کر فاریہ کے اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار اور اعلیٰ تعلیم کا تذکرہ کرتیں تو فضیلت بیگم کا دکھ اور بھی گہرا ہو جاتا۔ آنکھیں بیٹی کے غم میں برسنے لگتیں۔

بہن کی موت نے فروہ کے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا وہ تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں سے لڑنے لگی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا وہ انہیں بُرا بھلا کہہ کے گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیتی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کی بہن زندہ تھی جبکہ یہ لوگ اسے اور اس کے والدین کو دکھی کرنے کو آتے تھے۔ فضیلت بیگم اور مرتضیٰ صاحب اُسے بتا چکے تھے کہ اس کی بہن اب اس دنیا میں نہیں رہی مگر وہ اس سچ کو سچ ماننے پر تیار ہی نہ تھی بلکہ اس نے لوگوں کے ساتھ بدتمیزی اور بداخلاقی جاری رکھی۔ شروع شروع میں تو لوگ اس کی باتوں کو صدمے کا اثر

سمجھ کے نظر انداز کرتے رہے مگر جب اس کا رویہ نہ بدلا تو انہوں نے تعزیت کو آنا ہی چھوڑ دیا۔ ان کا کہنا تھا۔

"ایک تو تعزیت کو جاؤ اور دوسرا باتیں بھی سنو۔"

رش ختم ہوا تو اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ ہر گزرتا پل اس کی اذیت و ملال میں اضافہ کرتا تھا وہ خود کو بہن کی موت کی ذمہ دار سمجھتی تھی پھر والدین کے سمجھانے پر وہ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف تو لوٹ آئی مگر ملال اب بھی باقی تھا۔ وہ فون کی گھنٹی سے بے خبر اپنے ماضی میں کھوئی ہوئی تھی وہ دن یاد کر کے آج بھی اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں دل اُسی کرب کو اُسی شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔

ملازمہ نے فروہ کو روتا دیکھ کر خود ہی فون اٹینڈ کر لیا۔

"ہیلو۔"

"جی کون؟"

"مجھے فروہ بیٹی سے بات کرنی ہے اُسے بلاؤ۔"

ملازمہ ریسیور ہولڈ پر رکھ کر فروہ کے قریب آ کے بولی۔

"بی بی جی آپ کا فون ہے۔"

فروہ نے چونک کے اس کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

"فون...... مگر کس کا؟"

"بی بی جی انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا۔ بس اتنا کہا ہے کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"جاؤ جو کوئی بھی اُسے کہہ دو کہ میں گھر پر نہیں۔"

"جی۔"

"ٹھہرو۔ رکو...... میں دیکھتی ہوں۔"

فروہ فون کرنے چلی آئی تو ملازمہ نے کہا۔

"بی بی آج بھی اپنی بہن کی موت کو نہیں بھولیں۔"

"ہیلو"

"فروہ بیٹی"

فروہ معاً پہچان گئی کہ دوسری طرف سے آنے والی آواز ان کے پرانے محلے کی

پروین خالہ کی تھی۔

"جی خالہ۔"

"فروہ بیٹی محلے کی کچھ عورتیں ملازمت تلاش کر رہی ہیں...... میں ان کو اچھی طرح جانتی ہوں، بہت اچھی درزن ہیں اگر تم اجازت دو تو کل انہیں تمہاری بوتیک پر لے آؤں...... بہت غریب ہیں بیچاریاں...... تم ملازمت دے دو گی تو ان کی بھی دو وقت کی روٹی کا آسرا بن جائے گا۔"

"خالہ آپ انہیں لے آئیں۔ میں انہیں ملازمت دے دوں گی۔"

"جیتی رہو۔ خدا تمہیں صدا خوش رکھے...... اچھا پھر اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

اس کے بعد پروین نے پی۔ سی۔ او والے کے پیسے ادا کیے اور اپنے گھر آ گئی۔ فروہ بھی ریسیور رکھنے کے بعد اُسی طرح صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی فروہ کپڑوں کی چیکنگ کر رہی تھی کہ ملازم نے اُسے پروین اور کچھ عورتوں کی آمد کی اطلاع دی۔ فروہ نے اُسے انہیں آفس میں بٹھانے اور ٹھنڈا پیش کرنے کا کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ فراغت کے بعد اس نے آفس کا رخ کیا۔ اُسے داخل ہوتا دیکھ کر انہوں نے احتراماً اٹھنا چاہا مگر فروہ نے انہیں یہ کہہ کے ایسا کرنے سے منع کر دیا کہ وہ چونکہ اس کی بڑی ہیں اس لیے انہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں۔

"اور خالہ آپ ٹھیک ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے بیٹی...... بس ان بیچاریوں کے لیے کچھ کر دو، تمہیں بہت دعائیں دیں گی۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے گا ہم بڑی آس لے کر آئی ہیں۔"

"آپ فکر مند مت ہو آپ کو یہاں سے اتنا ضرور مل جایا کرے گا کہ آپ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔"

"اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے...... کبھی کوئی غم نہ ملے۔"

فروہ نے جلدی سے پہلو تہی کرتے ہوئے ملازم کو بلوایا اور انہیں اس کے ساتھ جانے کا کہا وہ اسے دعائیں دیتی ہوئیں کمرے سے نکل آئیں تو پروین بولیں۔

"بیٹی اب تم بھی اپنا گھر آباد کر لو۔"

"گھر آباد کر لوں۔"

پروین نے یہ جانتے ہوئے وضاحت شروع کر دی کہ وہ اس کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔

"بیٹی شادی کر لو...... وقت اور عمر کبھی لوٹ کے نہیں آتے ...... آج تمہارے پاس دونوں خزانے ہیں اگر انہیں کھو دیا تو پھر کبھی نہ ڈھونڈ پاؤ گی ...... تنہائی بہت بڑا عذاب ہوتی ہے اس کے سنگ زندگی بسر کرنا کانٹوں پر لیٹنے کے مترادف ہے۔ پہلے تمہیں والدین کا سہارا تھا مگر اب تمہارے سر پر یہ چھت بھی نہیں رہی۔ ننگے سر کب تلک چلو گی زمانے کی دھوپ بارش، طوفان تمہارے وجود کو بہا رے گا...... مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے مگر معاشرہ اب تم پر یہ کیچڑ ضرور اچھالے گا۔ اس کیچڑ سے اپنا دامن بچا لو...... شادی کر لو۔"

فروہ خالی خالی آنکھوں سے پروین کو دیکھ رہی تھی۔

"بیٹی تیرے دکھوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے اسے کب تک اکیلی اُٹھاؤ گی ...... اِدھر لاغری نے تیری چوکھٹ پر قدم رکھا اور اُدھر تو اس بوجھ تلے دب گئی ...... کوئی ساتھی مل پائے گا تو بوجھ بٹ جائے گا ...... قدرت نے عورت کو بہت کمزور بنایا ہے زیادہ دور تک بھاری بھاری گٹھڑیاں نہیں اُٹھا سکتی...... اپنے والدین کا سوچ جن کی روحیں وہاں ...... اوپر تڑپ رہی ہیں۔ ایک بیٹی کے غم نے انہیں اس جہاں سے رخصت کر دیا اب دوسری بیٹی کی فکر انہیں اس جہاں بھی چین سے نہ رہنے دے گی۔ میری باتوں پر غور کرنا۔ اب میں چلتی ہوں۔"

پروین نے اسے گم سم پا کر اجازت چاہی۔ فروہ نے انہیں رسماً دوبارہ آنے کا کہا اور پھر چیئر سے ٹیک لگائے سوچوں میں کھو گئی۔ کچھ دیر وہ یوں ہی بیٹھی رہی پھر وہ ٹرسٹ چلی آئی کچھ وقت پیشنٹس کے پاس گزارنے کے بعد اس نے قبرستان کا رخ کیا اور والدین کی قبروں پر دعا پڑھی اور آخر میں بولی۔

"آپ مجھے معاف کر دیجیے گا میں آپ کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی...... پلیز مجھے معاف کر دیں۔"

گھر آ کے اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا کبھی اس کی آنکھوں کے سامنے والدین کی تصویریں گھرنے لگتیں تو کبھی فاریہ کا عکس اُسے دیکھائی دینے لگتا۔ ہر نقش اس کی آنکھوں کو اشکبار کر رہا تھا۔ ملازمہ نے کئی بار دروازہ نوک کیا مگر وہ اس دنیا سے اتنا دور نکل آئی تھی کہ یہاں کی کوئی آواز بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔

پروین خالہ کی باتیں بھی اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں مگر کوئی بات، کوئی خیال اور کوئی تصویر بھی اسے شادی پر رضامند نہ کر پائی تھی۔ البتہ بے بسی اس کی آنکھوں سے آنسو بن کے ضرور بہنے لگی تھی۔

جب روتے روتے وہ تھک گئی تو بولی۔

جانے کیوں لڑکیاں خواب بنتی ہیں ایسے خواب جو انہیں راکھ بنا دیتے ہیں جس میں کوئی بھی چنگاری زندگی نہیں لا سکتی ...... وہ کسی کو خوشی دینے کے قابل نہیں رہتیں...... والدین کی نصیحتیں، آنسو اور فریاد بھی ان پتھروں کے بتوں میں جان نہیں ڈال پاتیں ...... شاذ بھائی کے خواب نے فاریہ کی جان لے لی اور مجھے بہن کے دکھ نے اپاہج بنا دیا...... کیا میں اب کسی کے قابل رہی ہوں......؟ خالہ میں اتنی سنگدل نہیں کہ اپنی قبر کے پھول کسی کی سیج پر سجا دوں۔ کسی نے بھلا میرا کیا بگاڑا ہے کہ میں اُسے یہ سزا دوں...... زندگی تو جیسے تیسے گزر جائے گی مگر میں قیامت کے روز کسی کے سامنے مجرم بن کر کھڑی نہیں ہو سکتی......

☆

شارح لاہور سے لوٹنے کے بعد سے بہت اداس اور چپ چپ رہنے لگا تھا۔ اس کا دل کسی بھی کام میں نہ لگتا تھا۔ فاریہ کی روداد اُسے کہیں بھی سکون نہ لینے دیتی تھی۔ آفس میں جاتے ہی وہ خود کو کمرے میں بند کر لیتا نہ تو کسی سے ملتا اور نہ کسی سے بات کرتا۔ وہ گھنٹوں وہاں تنہا بیٹھنے کے باوجود اسی بوجھ و ملال کو لیے ساحل سمندر کا رخ کر لیتا۔ اور وہاں بیٹھ کر ہر لہر کو بغور دیکھنے لگتا۔ اس کے قدموں کو چھوتی لہر اُسے فاریہ کی اس کے آس پاس موجودگی کا احساس دلاتی اور پھر جوں ہی یہ لہر سمندر میں ڈوب جاتی اُسے لگتا فاریہ اس سے روٹھ کر دور چلی گئی ہو۔ وہ وقت کی طرح سمندر کی لہروں کو واپس لانے کا اختیار بھی نہ رکھتا تھا۔ اس کے پاس سوائے بے بسی اور پچھتاوے کے کچھ بھی نہ تھا یہ احساس اس کی آنکھیں بھر دیتا اور وہ آنسوؤں کی سوغات لیے وہاں سے گھر آ جاتا مگر یہاں کی در و دیوار ایک بار پھر اُسی کمی کے احساس کو اجاگر کر دیتیں۔ ایک دکھ ایک ملال اسے اپنے حصار میں دن بدن جکڑتا جا رہا تھا وہ جتنا اس سے پیچھا چھڑاتا وہ اتنا ہی اس کو اپنے گرد گھیرا تنگ ہوتا ہوا محسوس کرتا۔ وہ یہاں سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا اُسے کئی کنسرٹ کی آفر بھی آ چکی تھیں مگر اس نے سب رد کر دیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب دنیا کا کوئی کونہ بھی اسے ان یادوں، دکھ اور ملال سے پناہ نہیں دے سکتا۔ فاریہ اپنے حصے کی سزا بھگت کر جا چکی تھی اب وقت نے پلٹا کھایا تھا۔

سلمٰی کئی دنوں سے شارح کو نوٹ کر رہی تھی کئی بار اس نے اس کی وجہ بھی پوچھی مگر اس نے ہر بار بات ٹال دی۔ کیونکہ وہ بھی فاریہ کی طرح کوئی جواب دینے کے قابل نہ رہا تھا۔ اُسی بے بسی، لاچارگی اور چپ نے اس پر حملہ بول دیا تھا۔ سلمٰی نے محسوس کیا کہ وہ کام کی زیادتی

سے تھک چکا تھا لہٰذا اس نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا۔ شارح نے بہت انکار کرنا چاہا مگر آخر اسے بیوی کی ماننا پڑی کیونکہ وہ نہ جانے کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت مانگتی تھی جو کہ وہ مہیا نہ کرسکتا تھا۔ ایک ماہ سیر و تفریح میں گزارنے کے بعد جب وہ گھر لوٹے تو شارح ویسے کا ویسا تھا۔

سلمٰی شارح سے اب بھی وہی شکایت کررہی تھی جو وہ پچھلے ایک ماہ سے کرتی آرہی تھی۔

"شارح آپ بدل گئے ہو آپ وہ نہیں رہے جسے میں نے چاہا تھا۔"

"میں تو ویسا ہی ہوں۔"

"نہیں آپ بدل گئے ہو۔"

شارح اب ہر روز رات کو فاریہ کے کمرے میں آتا کچھ دیر وہاں ٹھہرتا اور پھر دل پر بوجھ لیے وہاں سے چلا آتا۔

شارح ساحل سمندر پر کھڑا ڈوبتے سورج کو دیکھ رہا تھا کہ ایک فٹبال آکر اس کے پاؤں سے ٹکرایا اس نے جھک کے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے دائیں جانب سے ایک بچی دوڑتی ہوئی نظر آئی وہ شارح کے قریب آکر رک گئی اور اس کے ہاتھوں میں تھمے ہوئے فٹبال کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"انکل یہ میرا ہے۔"

شارح نے جھک کر اُسے گال پر پیار کیا اور پھر اسے اس کا فٹبال پکڑا دیا وہ تھینکس کہتی ہوئی وہاں سے دوڑ گئی اور شارح اس کے چہرے پر سجی عینک کو یاد کر کے ماضی میں کھو گیا۔

شارح فریش ہونے کے بعد ٹی۔وی لاؤنج کی طرف آ گیا سلمٰی شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی تھی اور میمونہ بیگم بیٹی سے ملنے امریکہ میں گئی ہوئی تھیں وہ گھر پر اکیلا تھا اس لیے اپنی تنہائی اور بوریت کو ختم کرنے کا یہی ذریعہ نکالا تھا کیونکہ آؤٹنگ کا ارادہ تھکان کی وجہ سے پہلے ہی ترک ہو چکا تھا۔

ابھی وہ ٹی۔وی کے سامنے بیٹھا ہی تھا کہ چائے پینے کا سوچ کر کچن کی سمت چلا آیا۔

مگر زینب کو وہاں پا کر دروازے پر ہی رک گیا زینب اس وقت سالن پکا رہی تھی اس لیے اس نے وہیں کھڑے ہو کے زینب کو چائے کا کہہ دیا۔ زینب نے مدھم آواز میں ہنکارا بھرا مگر خاموشی اور سناٹے کی وجہ سے آواز بآسانی شارح تک پہنچ گئی اور وہ واپس چلا آیا۔

زینب چائے بنانے کے بعد کپ لیے شارح کی طرف آرہی تھی کہ اس کو چکر آیا اور کپ اس کے ہاتھ سے پھسل کر اس کے پاؤں پر گر گیا۔ چائے چونکہ بہت گرم تھی اس لیے اس

کے دونوں پاؤں جل گئے درد بے تحاشا تھا مگر اس کے منہ سے سی تک نہ نکلی۔

ٹی۔وی کا والیم لو ہونے کی وجہ سے کپ ٹوٹنے کی آواز شارح نے سن لی اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا زینب کے قریب آگیا وہ فرش پر بیٹھی کرچیاں سمیٹ رہی تھی سب سے پہلے اس کی نظر زینب کے ہاتھوں پر پڑی مگر اگلے ہی لمحے جو اس نے اس کے سرخ ہوتے پاؤں دیکھے تو حیران رہ گیا وہ جان چکا تھا کہ چائے اس کے پاؤں پر گری تھی مگر اسے حیرانی اس بات کی تھی کہ اُسے کوئی چیخ سنائی کیوں نہ دی تھی۔ اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے شارح نے کہا۔

"یہ آپ کیا کررہی ہیں......؟ چھوڑیں انہیں۔"

زینب نظریں جھکائے کرچیاں سمیٹ رہی تھی شارح کی آواز پر بدک گئی اور کرچیاں اس کے ہاتھ سے گر گئیں۔

"زینب آپ چھوڑیں......چلیں اُٹھیں میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لیے چلتا ہوں...... آپ کے پاؤں جل چکے ہیں۔"

شارح نے انسانی ہمدردی کے تحت اس کی مدد کرنا چاہی مگر زینب نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"کہاں ٹھیک ہیں......؟ چلیں جلدی سے اُٹھیں۔"

زینب جان بوجھ کے نہ اُٹھ رہی تھی کیونکہ اُسے ابھی تک چکر آرہے تھے اور اسے ڈر تھا کہ اگر وہ اُٹھے گی تو پھر سے گر جائے گی مگر جب شارح نے ثانیاً اپنا جملہ دوہرایا تو وہ خود کو اس کے حکم کی بجا آوری سے نہ روک سکی اس نے ہمت کی مگر ابھی وہ اُٹھ کر بمشکل کھڑی ہی ہو پائی تھی کہ اُسے چکر آگیا مگر شارح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے گرنے سے بچا لیا۔

جوں ہی شارح کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آیا اس کا سارا وجود برف کی طرح سرد پڑ گیا شارح بھی ایک لمحے کو پلک جھپکنا بھول گیا تھا کیونکہ اس کی نظریں زینب کے چہرے پر جمی ہوئیں تھیں مگر جلد ہی زینب نے خود کو سنبھال کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ تو شارح نے سبکی محسوس کرتے ہوئے پہلو تہی کر دی۔

"جلدی چلیں میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لیے جاتا ہوں۔"

زینب اُسے انکار کرنے کی ہمت نہ رکھتی تھی اس لیے چپ چاپ دیوار کا سہارا لیتی ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کئی بار شارح کی نظریں مرر میں دکھائی دینے والی زینب پر گئی تھیں اسے زینب کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اپنائیت و محبت کا عکس

دیکھائی دے رہا تھا جو اُسے بار بار اپنی طرف کھینچتا تھا۔ مگر زینب اپنی نظریں جھکائے چپ سادھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے درد کا احساس ہو رہا تھا اس نے اپنے وجود کا نپتے ہوئے بھی اسی لمحے محسوس کیا تھا مگر وہ یوں مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے اس کے ساتھ کچھ بھی نہ ہو رہا ہو۔

جب وہ ہسپتال پہنچے تو ڈاکٹر نے اس کے پاؤں پر بننے والے چھالوں کو کاٹ کر ان پر دوا لگا دی۔ اور مرہم پٹی بھی کر دی اس کے پاؤں کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر نے اس کا ٹمپریچر بھی چیک کیا اُسے اس وقت 102 بخار تھا۔

"یہ چکر یقیناً بخار کی وجہ سے آئے تھے۔"

شارح نے حیرت بھری نگاہوں سے پہلے ڈاکٹر کو اور پھر زینب کو دیکھا کیونکہ جب اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا تو وہ برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"آپ کو کب سے بخار ہے؟"

ڈاکٹر کے سوال پر زینب خاموش رہی تو وہ خود ہی بول پڑے۔

"لگتا ہے کافی دن ہو گئے ہیں ...... مریض ڈاکٹر سے اپنی کوتاہی چھپانے کو عموماً خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔"

شارح کے لیے ڈاکٹر کی باتیں بڑی عجیب سی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ بیمار ہوتی تو یوں کام کاج نہ کر رہی ہوتی مگر وہ ڈاکٹر کی تشخیص کو جھٹلا بھی نہ سکتا تھا۔ اس لیے اس کے دل میں زینب کے لیے ہمدردی اُبھر آئی۔

ڈاکٹر نے پرچی پر دوائیاں لکھتے ہوئے زینب سے ایک اور سوال کیا۔

"آپ نے کبھی اپنی نظر چیک کروائی...... کیونکہ نظر کمزور ہو تو بھی انسان کو چکر آتے ہیں۔"

زینب خاموش رہی تو ڈاکٹر اس کی نظر کا معائنہ کرنے لگا۔ اس نے زینب سے بورڈ پر لکھے لفظ نظر آنے کا پوچھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا تو ڈاکٹر نے افسردہ لہجے میں بتایا۔

"آپ کی نظر بہت ویک ہو چکی ہے۔"

شارح نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"ان کی آئی سائیٹ کافی حد تک کمزور ہو چکی ہے۔"

پھر ڈاکٹر نے زینب کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"کیا یہ بہت روتی ہیں؟ کیونکہ عموماً نظر اُسی وجہ سے کمزور ہوتی ہے...... انہیں کوئی

دکھ ہے کیا؟"

زینب تو خاموش رہی البتہ شارح نے اتنا ضرور کہا کہ وہ اس دنیا میں اکیلی تھی۔ ڈاکٹر نے شارح کو ایک دکھی انسان کی مدد پر سراہا۔

"ان کا علاج ہو سکتا ہے۔"

"آپ کل آیئے گا میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

اپنے بارے میں اتنے بڑے انکشاف کے باوجود زینب کے چہرے پر دکھ کی ایک پرچھائی تک نظر نہ آئی۔ ڈاکٹر بھی شارح کی طرح اس بات پر حیران تھا کیونکہ وہ جوان تھی اس کے لیے یہ خبر بہت بڑی خبر ہونا چاہیے تھی مگر ایسا کچھ نہ تھا۔ زینب گھر آنے کے بعد سیدھا اپنے کوارٹر میں چلی آئی۔ اور اگلے روز تک وہاں سے ہلی تک نہ۔

صبح شارح کے جانے کے بعد وہ کوٹھی میں چلی آئی اور کام میں مصروف ہو گئی سلمٰی نے اس کی حالت کے پیش نظر اسے آرام کرنے کا کہا۔ مگر اس نے یہ کہہ کے آرام کرنے سے انکار کر دیا کہ اس نے زندگی کا سب سے بڑا دکھ سہہ لیا تو یہ ذرا سی تکلیف اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔

شارح ڈاکٹر کے پاس گیا تو اس نے اُسے بتایا کہ اس کا علاج ممکن نہ تھا اس بات کا افسوس ضرور تھا مگر وہ زینب کے لیے کچھ نہ کر سکتے تھے البتہ ڈاکٹر نے شارح کو ایک نظر کی عینک دے دی۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے زینب کی نظر مزید کمزور ہونے سے بچ سکتی تھی۔ جب شارح نے گھر آ کے سلمٰی کو زینب کے بارے بتایا تو وہ بھی افسردہ ہو گئی۔

"یہ تو بہت برا ہوا ابھی تو زینب جوان ہے بڑھاپے میں بیچاری کا کیا حال ہو گا؟"

"تم زینب کو یہ گلاسز دے دینا۔"

"میں دے دوں گی۔"

شارح نے سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے اردگرد دیکھا وہ اُسی جگہ اُسی طرح کھڑا تھا البتہ سورج ڈوب چکا تھا۔

"مگر زندگی نے اُسے مہلت ہی نہ دی۔"

شارح سوچوں میں غلطاں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا شہر سے بہت دور نکل آیا تھا کہ اچانک ویرانے میں آ کر اس کی گاڑی رک گئی اس نے چونک کے باہر دیکھا تو خود کو وہاں پا کر حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت کو کافور کرتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا بالآخر وہ گاڑی سے نیچے اتر آیا تا کہ گاڑی کو چیک کر سکے مگر وہ بہت کوشش کے باوجود بھی

فالٹ نہ سمجھ پایا۔ اس نے کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کے کسی گاڑی کے آنے کا انتظار کیا تا کہ وہ لفٹ لے سکے مگر جب انتظار طویل ہونے لگا تو اس نے مکینک کی تلاش کا ارادہ بنایا اُسے اس ویرانے میں ایسے کسی شخص کے ملنے کی امید تو نہ تھی مگر پھر بھی وہ ایک بار کوشش کر لینا چاہتا تھا اس نے ابھی ایک ڈیڑھ میل کی مسافت طے کی تھی کہ اسے ایک گاڑی دیکھائی دی وہ اس کی طرف چل دیا تھوڑا قریب گیا تو اسے ایک چھوٹی سی دکان بھی نظر آئی۔ گاڑی کو دیکھ کر دوکان پر اس کی نظر ہی پڑی تھی دوکان کے سامنے ٹائر ٹیوب دیکھ کے وہ سمجھ گیا کہ یہ کسی مکینک کی دوکان تھی مگر اسے وہاں کوئی دیکھائی نہ دے رہا تھا حالانکہ وہاں ریڈیو بج رہا تھا جو کسی ذی روح انسان کی موجودگی کا پتہ دیتا تھا۔ جب وہ گاڑی کے قریب آیا تو اس نے ایک شخص کو ریڈیو پر چلنے والے گانے کو گنگناتے سنا جب اس نے گاڑی کے نیچے نگاہ دوڑائی تو اُسے وہاں ایک تیس سال کا لڑکا وہی گانا گنگناتا نظر آیا۔

"تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کے تو دیکھو۔"

وہ ابھی تک شارح کی آمد سے بے خبر تھا۔ وہ گانے میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اس نے قدموں کی آہٹ تک محسوس نہ کی۔ شارح نے شور کے پیش نظر اونچی آواز میں کہا۔

"میری گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا تم اسے چیک کر سکتے ہو۔"

مکینک نے گاڑی کے نیچے سے نکلے بنا جواب دیا۔

"بس صاحب جی تھوڑا سا کام رہ گیا ہے یہ ختم ہو جائے تو آپ کی گاڑی کو بھی دیکھ لیتے ہیں......نوکر کیا اور نخرا کیا۔"

اس نے پھر گنگنانا شروع کر دیا۔

شارح وہاں کھڑے ہو کے اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا جوں ہی وہ باہر نکلا شارح کو اپنے سامنے پا کر حیرت و مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"آپ......آپ مشہور سنگر شارح ہیں نا"

اس نے والہانہ انداز میں ہاتھ شارح کی طرف بڑھایا مگر پھر خود یہ کہتے ہوئے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

"میرے ہاتھ گندے ہیں آپ کے بھی میلے ہو جائیں گے۔"

وہ جلدی سے دوکان کے اندر گیا اور ایک کرسی لے کر دوکان کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"آپ یہاں بیٹھ کے آرام کریں میں آپ کے لیے ٹھنڈے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

شارح نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے پیاس نہیں......بس تم میری گاڑی کو چیک کرو۔"

"وہ تو میں کر دوں گا......آپ کو پیاس ہو یا نہ ہو آپ کو ٹھنڈا تو لینا پڑے گا...... غریبوں کا دل بھی اپنے پیاروں کی خاطر مدارت کرنے کو چاہتا ہے......آپ دو منٹ رکیں میں یوں گیا اور یوں آیا۔"

وہ چٹکی بجاتا ہوا وہاں سے غائب ہو گیا۔ شارح اس ویرانے کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں بوتل تھماتے ہوئے وہ بولا۔

"انکار مت کیجیے گا میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

شارح اس کی پھرتی پر حیران تھا وہ اس کا دل نہ توڑنا چاہتا تھا اس لیے بوتل پکڑ لی۔

"اب آپ بتائیں آپ کی گاڑی کس سمت ہے۔"

شارح نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسی طرف ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کھڑی ہے۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں......میں آپ کی گاڑی ٹھیک کر دیتا ہوں......آپ یہاں بیٹھ کے میرے آنے کا انتظار کریں۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے غائب ہوتا شارح کی نظر دور لوگوں کے ہجوم پر پڑی۔"

"یہ لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہیں۔"

"یہ دربار پر حاضری دینے آئی ہیں۔"

شارح نے بوتل نیچے رکھ دی اور اُٹھ کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا۔

"کیا آپ دربار پر جانا چاہیں گے۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے آپ حاضری دے آئیں آپ کے آنے تک گاڑی آپ کو مل جائے گی۔"

مکینک اوزار اُٹھائے گاڑی کی سمت چل دیا اور شارح نے دربار کا رخ کر لیا۔ وہاں لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی سب اپنے جوتے دربار کے احاطے سے باہر اُتار کر اندر داخل ہو رہے تھے شارح نے بھی ان کی پیروی کی۔ دربار پر حاضر ہو کے اس نے فاتحہ پڑھی اور پھر دعا مانگ کر باہر نکل آیا تو اس نے دربار کی دہلیز پر بہت سی عورتوں کو دیکھا جو عقیدت سے دہلیز چوم رہی تھیں۔ اُنہیں دیکھ کر شارح کو فاریہ کی یاد آ گئی۔

وہ کنسرٹ کے لیے یورپ کے لیے ٹور پر روانہ ہو رہا تھا کہ ایئر پورٹ کے لیے نکلتے ہوئے اُسے یاد آیا کہ وہ پاسپورٹ اندر کمرے میں بھول آیا تھا اُسے گاڑی سے نکلتا دیکھ کر سلمیٰ بولی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"پاسپورٹ لینے۔"

جب وہ پورچ سے اندر داخل ہوا تو اس کے قدم رک گئے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا اس کے سامنے زینب فرش پر بیٹھی بڑی عقیدت و محبت بھرے انداز میں اس جگہ کو چھو رہی تھی جہاں سے وہ ابھی ابھی گزر کے گیا تھا۔ زینب کی آنکھیں چونکہ فرش پر تھیں پھر وہ اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اسے اردگرد کی خبر ہی نہ رہی۔ شارح کے لیے یہ بہت عجیب، حیران کن اور انوکھا منظر تھا۔ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی اسے بالکل بھی علم نہ تھا وہ محو حیرت تھا کہ زینب کی آنکھ سے ایک موٹا سا آنسو گر پڑا۔ اس بات نے تو اسے پریشان ہی کر دیا۔ وہ حیران و پریشان کھڑا تھا کہ سلمیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"شارح وی آر گیٹنگ لیٹ۔"

شارح نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کو رکھا محسوس کیا تو اس سمت دیکھا ایک ملنگ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"حیرت سے کیا دیکھتا ہے؟ یہ سب محبت کے انداز ہیں۔"

"محبت......" شارح نے حیرت سے کہا۔

"ہاں محبت......کوئی لفظوں کا سہارا لیتا ہے تو کوئی عقیدت سے اپنے محبوب کے دل میں جگہ بناتا ہے......لفظ تو کسی سے بھی کہے جا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ان کی کمی نہیں ہوتی اس لیے تو انہیں بے دریغ خرچ کرتے ہیں لیکن عقیدت ہر ایک سے نہیں ہو پاتی...... یہ روح میں بسنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے تو یہ قرض ہوتا ہے جسے چکانا پڑتا ہے......اُس نے تم سے روح کا رشتہ بنایا ہے......تو قرض دار ہے اس کا......جا اور جا کے اپنا بوجھ اُتار دے ورنہ تجھے کہیں بھی چین نہ ملے گا......"

شارح حیرانی سے ملنگ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ہنس پڑا۔

"وہ تیرے لولو میں آ بسی ہے تبھی تو مارا مارا پھرتا ہے......خاک چومنے کے لیے خاک ہونا پڑتا ہے......جا اپنا قرض چکا دے......جا......چلا جا۔"

شارح کے قدم اُٹھنے سے پہلے ہی ملنگ وہاں سے چلا گیا۔ شارح جب مکینک کی

دوکان پر پہنچا تو وہ اس کی گاڑی ٹھیک کر کے لا چکا تھا۔ شارح کو دیکھتے ہی بولا۔

"آپ کی گاڑی ٹھیک ہوگئی ہے یہ رہی چابی......اب آپ بے فکر ہو کے گھر جائیں یہ آپ کو تنگ نہیں کرے گی۔"

شارح نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے مزدوری پوچھی تو وہ بولا۔

"میں نے یہ اپنی خوشی کے لیے کیا ہے پھر مزدوری کیسی؟"

"مگر"

"اگر مگر کچھ نہیں......آپ انہیں اپنے پاس رکھیے ورنہ میری خوشی پھیکی پڑ جائے گی۔"

شارح نے پیسے جیب میں رکھ لیے گھر آیا تو سلمیٰ اس کے غائب رہنے کی وجہ پوچھنے لگی۔

"گاڑی خراب ہوگئی تھی۔"

شارح کا جواب سن کر وہ مطمئن ہوگئی کیونکہ اس نے کافی دیر پہلے آفس فون کر کے جب اس سے بات کرنا چاہی تو اُسے خبر ملی کہ وہ کب کا آفس سے جا چکا تھا وہ بہت پریشان تھی کیونکہ اس کا فون بھی مسلسل آف جا رہا تھا۔

☆

نازیہ کمرے میں بیٹھی اپنے بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی کہ اس کے کانوں میں شوہر کی آواز پڑی۔ والد کی آواز سنتے ہی بچوں نے کھانا چھوڑ دیا اور چارپائی سے اتر کر صحن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ جس پھرتی سے بھاگ رہے تھے نازیہ کو ڈر تھا کہ کہیں وہ گر ہی نہ جائیں اس لیے وہ ان کے پیچھے پیچھے آگئی۔

دوسرے کمرے میں بیٹھی نازیہ کی ساس بھی بیٹے کی آواز پر کمرے سے نکل کر باہر آگئیں۔

"ابو......ابو............"

اسلم نے دونوں بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور پھر آگے بڑھ کے ماں کو سلام کیا۔ ماں نے بیٹے کا ماتھا چوما ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ نازیہ نے بھی شوہر کو سلام کیا اور پھر ساس کے حکم پر شربت بنانے چلی آئی۔ جب وہ شربت لے کر صحن میں آئی تو دونوں ماں بیٹے کو چارپائی پر بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے پایا۔ اس کی ساس بیٹے سے کئی دنوں بعد آنے پر خفا ہو رہی تھیں اور وہ ماں کو فیکٹری سے چھٹی نہ ملنے کا یقین دلا کر اپنے بے قصور ہونے کی دلیل دے رہا تھا۔

شربت شوہر کو دینے کے بعد وہ بھی ان کے پاس ہی دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانا بنانے کو کچن میں چلی آئی اور اسلم کمرے میں آرام کرنے کے لیے آگیا

اب دونوں بچے دادی کے ساتھ کھیلنے لگے تھے۔

رات کو جب بچے سو گئے تو اسلم نے بیوی سے کہا۔

"ایک بڑی خبر ہے۔"

"کیا ہوا؟ خدانخواستہ فیکٹری والوں نے نوکری سے تو نہیں نکال دیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر وہ بڑی خبر کیا ہے؟"

"زینب کو جانتی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں...... بھلا میں اُسے بھول سکتی ہوں میں نے زینب کے ساتھ دو سال شارح صاحب کی کوٹھی میں گزارے تھے...... ہم دونوں ایک ہی کوارٹر میں تو رہتے تھے...... مگر تم اس کے بارے کیوں پوچھ رہے ہو...... کہیں......"

"ہاں نازیہ زینب اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

"کیا؟"

"ہاں......"

نازیہ یکدم افسردہ ہوگئی۔

"مگر تمہیں کیسے خبر ہوئی؟"

"میں کل ہی فقیر محمد سے ملنے گیا تھا۔"

"وہی فقیر محمد جو شارح صاحب کی کوٹھی میں چوکیدار ہے۔"

"ہاں وہی فقیر محمد...... کل جو میں اس سے ملنے گیا تو اس نے مجھے بتایا کہ زینب اب اس دنیا میں نہیں رہی...... بہت تعریف کر رہا تھا اس کی۔"

"وہ تھی ہی بہت اچھی...... زینب کو کیا ہوا؟ کچھ پتہ چلا؟"

"فقیر محمد نے بتایا کہ اُسے بخار ہوا تھا...... کچھ دن بخار میں مبتلا رہی اور پھر اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔"

"وہ بچاری تو اسی دن سے بخار میں مبتلا تھی جب وہ شارح صاحب کے گھر آئی...... میں نے کئی بار کہا ڈاکٹر کو چیک کرواؤ...... کوئی دوا لو مگر اس نے میری نہ مانی...... کہتی تھی شاید یہ بخار ہی میری سانسوں کی ڈور کاٹ دے...... بڑی دکھی تھی بیچاری...... اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔ اسی دکھ نے اس کی جان لے لی۔"

"ہمارے دکھ...... ہمارے غم ہمیں کھا لیتے ہیں...... زندگی کے دشمن ہیں حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔"

"غم عمر کو کھا جاتا ہے۔"

"سبحان اللہ کیا سچی بات ہے......"

وہ خاموش ہوگئی کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی۔

"اسلم......"

"ہوں......"

"تم مجھے شارح صاحب کی کوٹھی پر لے چلو گے۔"

"مگر کیوں؟"

"زینب نے ایک وصیت کی تھی...... پوری کرنا چاہتی ہوں۔"

"وصیت؟"

"ہاں"

"کیا؟"

"وہاں جا کے بتاؤں گی...... ہم بچوں کو خالہ کے پاس چھوڑ جائیں گے تا کہ اُسی دن واپس آسکیں۔"

"ٹھیک ہے ہم کل چلیں گے...... اب تم سو جاؤ۔"

نازیہ چارپائی پر دراز ہوگئی اسلم نے بھی لیٹنے کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔

☆

نازیہ جب شوہر کے ساتھ شارح کے گھر پہنچی تو اُسے بتایا گیا کہ سلمٰی گھر پر نہیں آخر کار اُس نے شارح سے بات کرنے کا فیصلہ کر کے ملازمہ سے انہیں شارح سے ملوانے کا کہا۔ ملازمہ انہیں بیٹھنے کا کہہ کے سٹڈی روم میں آگئی۔ شارح کرسی سے ٹیک لگائے آنکھ موندے نیم دراز تھا۔

دروازہ نوک ہوا تو شارح نے باہر موجود ملازمہ کو اندر آنے کا کہہ دیا۔ وہ اجازت پا کر اندر داخل ہوئی تو بولی۔

"صاحب جی آپ سے کوئی نازیہ اور اس کا شوہر ملنا چاہتے ہیں۔"

"نازیہ"

"صاحب جی وہ کہتی ہے وہ آپ کے گھر ملازمت کرتی رہی ہے۔"

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟''

''وہ تو اس وقت گھر پر نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم انہیں بیٹھاؤ میں آتا ہوں۔''

ملازمہ نے واپس آ کے انہیں شارح کی آمد کی اطلاع دی تو دونوں میاں بیوں بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کرنے لگے۔ نازیہ اپنے چارسو زینب کو چلتا پھرتا دیکھ رہی تھی یہاں آتے ہی ماضی اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ وہ زینب کے خیالوں میں گم تھی کہ اسلم نے اسے جھنجھوڑ کے شارح کے بارے بتایا وہ انہی کی طرف آ رہا تھا اسے دیکھ کر دونوں میاں بیوی کھڑے ہو گئے جب وہ ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے اُسے سلام کیا۔ شارح ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا وہ دونوں بھی فرش پر بیٹھ گئے۔

نازیہ کئی سالوں بعد آئی تھی اس لیے شارح کا خیال تھا کہ اُسے ملازمت کی ضرورت تھی اور اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر وہ دوبارہ ملازمت چاہے گی تو وہ انکار نہیں کرے گا۔

''اور سب خیریت ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے۔''

شارح نازیہ کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا آخر اس نے کہا۔

''صاحب جی میں آپ کے گھر سے کچھ لے جانا چاہتی ہوں۔''

''ہاں...... ہاں بولو تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ملازمت چاہیے تو تمہیں مل جائے گی۔''

''نہیں صاحب جی اب اس کی ضرورت نہیں رہی ...... اللہ کا شکر ہے یہ اتنا کما لیتے ہیں کہ ہم لوگ پیٹ بھر کے کھا سکیں۔''

''تو پھر کیا چاہیے؟''

''آپ کے باغ کا ایک پھول۔''

''باغ کا پھول...... میں سمجھا نہیں۔''

''صاحب جی پھول مجھے اپنے لیے نہیں زینب کے لیے چاہیے۔''

''زینب...... کیا مطلب؟''

''صاحب جی لان میں ایک پودا ہے جس سے زینب کو بڑی محبت تھی، بڑی حفاظت کرتی تھی وہ اس کی ...... میں اکثر اُس سے اس والہانہ محبت کی وجہ پوچھتی تھی مگر بڑا عجیب سا

جواب دیتی تھی......''

شارح بڑے غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔

''کہتی تھی یہ میرے جیسا ہے...... بھلا انسان اور پودے ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں ...... وہ کہتی تھی یہ بھی میری طرح صرف ایک پھول کو اپنے دل میں بساتا ہے۔ دوسرے کے لیے اس کی ڈالیوں پر کوئی جگہ نہیں ...... صاحب جی وہ اکثر مجھ سے کہا کرتی تھی کہ میں مر جاؤں تو اس پھول کو میری قبر پر ضرور ڈالنا......''

نازیہ بول رہی تھی اور شارح کہیں دور کھو گیا تھا۔

زینب کا اس کے گھر پہلا دن تھا وہ کنسرٹ کے لیے بیرون ملک جا رہا تھا کہ جب ائیر پورٹ روانہ ہونے کے لیے وہ گاڑی کی طرف بڑھا تو اس کی نظر لان پر پڑی تو وہاں آگیا مالی بابا کو دیکھ کر نخیانہ انداز میں بولا۔

''مالی بابا اس پودے کی حفاظت کیجیے گا آپ جانتے ہیں مجھے اس سے کتنی محبت ہے...... یہ بہت جدا اور منفرد ہے۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں میں اس کی بڑی حفاظت کروں گا...... پودوں کی زندگی ہی تو میری زندگی ہے۔''

پورچ کی طرف جاتے ہوئے شارح کی نظر جو لان میں کھلنے والی گیسٹ روم کی کھڑکی پر پڑی تو اس نے زینب کو وہاں کھڑے پایا مگر اُس کے دیکھتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ پھر وہ جتنے دن بھی گیسٹ روم میں رہی صبح شام کھڑکی میں کھڑی ہو کے اُسے ہی دیکھتی رہتی تھی اور جب وقت نے اُسے مہمان کی کرسی سے اُٹھا کے ملازمہ بنا دیا تو بھی اس کی محبت و اُنسیت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ وہ فراغت کے لمحات میسر آتے ہی اس کے پاس چلی آتی۔ اکثر راتوں کو بھی اس نے زینب کو اس کے پاس کھڑے پایا تھا۔ دھوپ میں وہ اس کے گرد چھاؤں کرتی اسے پانی دیتی اور اُس سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ کبھی وہ خاموش زبان میں دل کی بات کہتی تو کبھی اس کی آواز اردگرد چلنے والوں کو بھی سنائی دیتی مگر وہ اس وقت ان کی موجودگی سے بے خبر ہوتی تھی شارح نے بھی اکثر اُسے سنا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم میری زبان نہیں سمجھ سکتے مگر پھر بھی تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے...... مجھے امید ہے ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب میری زبان تم سمجھ جاؤ گے گو کہ اس وقت میں اس جہاں سے بہت دور جا چکی ہونگی مگر مجھے اس بات کا کوئی دکھ نہیں...... میرے لیے اتنا ہی

کافی ہوگا کہ میری یاد تمہاری آنکھوں سے دو آنسو بہا دے گا۔"

شارح کی آنکھ سے آنسو نکل کے اس کی گال پر بہنے لگے۔

"صاحب جی زینب تھی ہی اتنی اچھی کہ اس کی موت پر ہر آنکھ نم ہو جائے...... بہت دکھی تھی مگر اس نے کبھی کسی پر اپنے دکھوں کی پرچھائی نہ پڑنے دی...... کسی سے کچھ نہ کہا میں نے کئی بار اس سے کہا کہ مجھ سے اپنا دکھ کہہ دو تو وہ کہتی کوئی دکھ ہو تو کہوں بڑی صابر تھی۔"

نازیہ کی آنکھوں بھی آنسو آ گئے۔

"صاحب جی میں پھول توڑ لوں۔"

"ابھی تو کونپل نکلی ہے......"

"میں یہاں رہ کے اس کے پھول بننے کا انتظار تو کر لیتی لیکن میرے بچے میرے بغیر نہیں رہ سکتے بہت چھوٹے ہیں۔"

"تم بے فکر ہو کے گھر جاؤ...... میں خود زینب کی قبر پر جاؤں گا۔"

"پھول لے کر جائیے گا۔"

"میں پھول لے کر جاؤں گا۔"

شارح کی آنکھوں میں حزن و ملال آنسو بن کے تیرنے لگا تو اس نے وہاں سے اُٹھنے کے بارے سوچا وہ کسی کے سامنے آنسو نہیں بہانا چاہتا تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر نازیہ نے کہا۔

"صاحب جی اگر آپ اجازت دیں تو میں زینب کے کمرے کو ایک نظر دیکھ لوں۔"

"ضرور"

شارح سٹڈی روم میں آ گیا اور وہ شوہر کے ساتھ کوارٹر میں چلی آئی جب اس نے دروازہ کھولا اور اس کی نظر اندر پڑی تو ماضی اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگا۔

وہ جب بھی کوٹھی کے کام کاج سے فارغ ہو کے کوارٹر میں لوٹتیں تو زینب چارپائی پر بیٹھ کے دیوار سے ٹیک لگا لیتی اور خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھنے لگتی۔ نازیہ چارپائی پر لیٹ جاتی اور اس سے باتیں کرنے لگتی۔ وہ یہ سوچ کے بولتی جاتی کہ زینب اس کو سن رہی تھی مگر جب وہ اس کو گم سم پاتی تو خود پر برہم ہونے لگتی۔

"نازیہ تو بھی پاگل ہے اس سے باتیں کر رہی ہے جو خود سے بھی دور جا چکی ہے...... یہ بے حس و حرکت صورت تمہیں کیا سنے گی اور کیا جواب دے گی؟ بہتر ہے سو جا کم از کم ذہنی نہیں تو جسمانی سکون تو مل جائے گا نا۔"

وہ خاموش ہو جاتی اور کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ لگ جاتی۔

نازیہ اندر داخل ہوئی تو اب بھی اُسے زینب اُسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے نظر آئی وہ بھاگ کے اس کی طرف بڑھی مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا وہ چارپائی پر بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ اسلم نے بیوی کو دلاسا دیا۔

"صبر کرو...... جنہیں جانا ہوتا ہے وہ چلے جاتے ہیں...... پیچھے رہ جانے والوں کو ان کے لیے دعا کرنی چاہیے تا کہ ان کی روح کو سکون مل سکے۔"

"میں تو ہر لمحہ اس کے لیے دعا مانگتی تھی۔"

نازیہ زینب کے الماری کے اوپر جائے نماز کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی۔ اسے ہاتھ میں پکڑ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ زینب باقاعدگی سے نماز ادا کرتی تھی چاہے جتنا بھی کام ہو وہ نماز سے غفلت نہ برتتی مگر نازیہ نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ نماز ادا کرنے کے بعد وہ فوراً جائے نماز تہہ کر کے الماری کے اوپر رکھ دیتی۔ اُسے بہت حیرت ہوتی۔

زینب نے جوں ہی جائے نماز الماری کے اوپر رکھا اور خود چارپائی پر آ کے بیٹھ گئی تو نازیہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"زینب تم پنجگانہ نماز ادا کرتی ہو لیکن کبھی دعا نہیں مانگتی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"دعا...... زینب کسی گہری سوچ میں کھو گئی۔"

"ہاں دعا"

"کیا مانگوں؟"

"کچھ بھی جو تمہارا جی چاہے۔"

"جی چاہے۔"

"ہاں......"

"اُس نے سب کچھ تو دے دیا ہے اب اور کیا مانگوں......؟ ہاتھ پھیلانے کے لیے ضرورت مند ہونا شرط ہے جبکہ میں اس پر پورا نہیں اترتی...... میری جھولی بھری ہوئی ہے۔"

"اسے تم جھولی بھری ہوئی ہونا کہتی ہو۔"

"ہاں...... کیا تمہیں نظر نہیں آتی۔"

"نہیں۔"

"مگر میں تو صاف دیکھ رہی ہوں۔"

"زینب انسان وہ مخلوق ہے جس کا نہ تو من بھرتا ہے اور نہ جھولی ...... ہماری ضرورتیں دن بدن بڑھتی رہتی ہیں۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔لیکن میرے کشکول میں نہ تو جگہ رہی ہے اور نہ مانگنے کی سکت ...... میں نے اس ذات باری تعالیٰ سے اتنا مانگا کہ اس نے برسات کر دی ......ساری ضرورتیں ختم کر دیں......"

"مگر مجھے تو تمہاری زندگی ایسی نہیں لگتی"

"ضروری نہیں جو نظر آئے وہی حقیقت ہو کچھ ان دیکھے راز ہی حقیقت ہوتے ہیں۔"

"پتہ ہے اسلم وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیز گار تھی میں جب بھی اسے عبادت گزار کہتی تو وہ فوراً بول پڑتی۔"

"مجھے اس لقب سے نہ نوازا کرو کیونکہ میں عبادت گزار کہلوانے کے لیے نماز نہیں پڑھتی بلکہ میں اپنے ایمان کی سلامتی چاہتی ہوں...... مسلمان مرنے کی خواہش ہے مجھے......اسلم وہ رونے لگتی اور کہتی میں بہت کمزور انسان ہوں ذرا سی مشکل پر گھبرا جاتی ہوں ایمان ڈگمگانے لگتا ہے میرا...... بھلا اس کا ایمان کیسے ڈگمگا سکتا تھا......وہ کیسے کمزور پڑ سکتی تھی۔"

"اُسے ڈر ہوگا۔"

"کس بات کا؟"

"ایمان کمزور پڑنے کا۔"

"اسلم وہ صبح کو بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی اور رات کو بھی......مگر تب بھی دعا نہ مانگتی۔"

"نازیہ اب چلیں۔"

"کہاں؟"

"گھر......"

"ہاں......چلو"

نازیہ نے کوارٹر سے نکلتے ہوئے کہا۔

"زینب میں جا رہی ہوں۔"

زینب ہمیشہ کی طرح اب بھی اپنی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی مگر خوشی میں نازیہ کا دھیان زینب کی طرف نہ گیا وہ شرماتے شرماتے زینب کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گئی اور نظریں جھکا کر شرماتے ہوئے بولی۔

"پتہ ہے ابھی ابھی اماں گاؤں سے آئی ہیں۔"

نازیہ کی والدہ نے کوٹھی میں قدم رکھا تو گیٹ پر ہی اسے نازیہ مل گئی وہ اپنی ماں کو یوں اچانک دیکھ کے بہت خوش ہوئی اور پیار سے اُسے گلے لگا لیا۔وہیں کھڑے اس نے ماں سے حال احوال پوچھا پھر وہ اُسے لے کر کوارٹر میں آنے لگی تو اس کی ماں نے کہا۔

"میں پہلے بیگم صاحبہ سے مل لوں...... بڑی ضروری بات کرنی ہے مجھے۔"

"اماں کیا بات ہے؟"

"تو مجھے پہلے بیگم صاحبہ کے پاس لے چل۔"

"ٹھیک ہے اماں۔"

پھر دونوں ماں بیٹی کوٹھی کے اندر آ گئیں میمونہ بیگم اور سلمٰی اس وقت بیٹھی چائے نوش کر رہی تھیں۔جب دونوں ماں بیٹی ان کے قریب پہنچیں تو نازیہ کی ماں نے سلام کیا۔میمونہ بیگم اور سلمٰی نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اُسے بیٹھنے کا کہا وہ فرش پر بیٹھ گئیں تو میمونہ بیگم نازیہ سے بولیں۔

"نازیہ ماں کے لیے کچھ پینے کو لاؤ۔"

نازیہ شربت بنانے کو کچن میں آ گئی اور وہ میمونہ بیگم سے محو گفتگو ہو گئیں۔

"کیسے آئی ہو رشیداں؟"

"بیگم صاحبہ میں نازیہ کو لینے آئی ہوں......"

"مگر کیوں؟" سلمٰی نے استفسار کیا۔

"چھوٹی بیگم صاحبہ اس کی شادی کرنی ہے......اس کی خالہ کل آ کے دن رکھ گئی ہے۔"

"اتنی جلدی شادی" سلمٰی نے استفسار کیا۔

"جلدی کہاں......بچپن سے میری بہن نے اسے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

سلمٰی ہنستے ہوئے بولی۔

"ماسی میں عمر کی بات کر رہی ہوں۔"

"بیگم صاحبہ بیٹیاں جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اچھا ہے......پھر نازیہ کی خالہ"

ابھی رشیداں نے بات مکمل ہی نہ کی تھی کہ نازیہ شربت کا گلاس لیے آ گئی۔میمونہ بیگم نے نازیہ کو دیکھ کے کہا۔

"رشیداں شربت پی لو۔"

رشیداں نے شربت پکڑا اور پینے لگی۔

''بس آپ اسے لے جانے کی اجازت دے دیں''

''ہاں ...... ہاں ...... لے جاؤ مگر ابھی نہیں۔''

''کیا مطلب بیگم صاحبہ؟''

''آخر نازیہ نے ہماری خدمت کی ہے اس کے لیے تھوڑا بہت انتظام ہمیں بھی تو کرنا چاہیے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

نازیہ شرماتے ہوئے کوارٹر میں آ گئی اور رشیداں شربت پینے لگی۔

''بیگم نے کہا ہے کہ وہ میرے لیے کچھ جہیز اور زیور کا بندوبست کرنا چاہتی ہیں ...... زینب میں کل چلی جاؤں گی۔''

نازیہ زینب کے بارے سوچ کر تھوڑی سی اُداس ہو گی۔

''زینب میں تمہیں بہت یاد کروں گی ...... میں تو تمہیں چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی مگر ...... وہ (رکی) اسلم میری محبت ہے۔''

لفظ محبت نے زینب کی سوچوں کو توڑ ڈالا اور وہ اپنی خیالوں کی دنیا سے نکل آئی۔ اب وہ نازیہ کی باتیں بڑی توجہ سے سننے لگی۔

''میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا ...... وہ مجھے بہت چاہتا ہے۔ میں بھی اُس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اُس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ (وہ شرمائی) ...... میں جانتی ہوں اُسی نے خالہ کو مجبور کیا ہوگا ...... وہ چاہتا ہے میں جلد از جلد اس کی دلہن بن جاؤ۔ اسلم خالہ کا اکلوتا بیٹا ہے اسی لیے تو خالہ نے اس کی بات مان لی ...... میری اور اسلم کی نسبت بچپن میں ہی طے ہوگئی تھی۔ اور اب ہماری شادی ہو رہی ہے۔''

شرماتے شرماتے جو اس کی نظر زینب پر پڑی تو اس کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں کو دیکھ کے بولی۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں نہ جاؤ تو میں نہیں جاؤں گی۔''

''کیوں نہیں جاؤ گی؟ (زینب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا) ...... تم جاؤ ...... ضرور جاؤ ...... تم ان آنسوؤں کو دیکھ کے پریشان ہوگئی ...... یہ تو خوشی کے آنسو ہیں ...... تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں محبت جیسی دولت مل رہی ہے ...... (تھوڑی سے افسردہ ہو کے بولی) اس دولت کو پانے کے لیے تو انسان اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے ...... یہ جہاں چھوڑ دیتے ہیں لوگ ......

(پھر مسکرائی) تو کیا تم مجھے نہیں چھوڑ سکتی ......؟ نازیہ میں تو ایک ریت کی دیوار ہوں جو کبھی بھی زمین بوس ہو سکتی ہے تم اس دیوار کے ڈھے جانے کی فکر کر کے گھنے درخت کی چھاؤں کو کیوں ٹھکراتی ہو......''

''ریت کی دیوار ...... گھنے درخت کی چھاؤں ...... تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں بس تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ محبت کو ہر چیز پر ترجیح دو۔''

زینب کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے اور وہ نصیحانہ انداز میں بولی۔

''محبت بڑی مشکلوں سے ملتی ہے اسے کبھی انا کی نظر مت کرنا ...... خود پرستی کی بھینٹ نہ چڑھانا ...... اس کی قدر کرنا۔''

''کیا تم نے کبھی کسی سے محبت کی؟''

نازیہ کے سوال پر اس نے پہلوتہی کرتے ہوئے کہا۔

''میری دعا ہے تمہیں ڈھیروں خوشیاں ملے ...... تمہارا دامن محبت سے بھرا رہے۔''

''میں بھی دعا کروں گی کہ تمہیں محبت مل جائے۔''

زینب نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھٹ سے کہا۔

''اللہ نہ کرے۔''

نازیہ حیرانگی سے اُسے تکنے لگی۔

''کیوں اللہ نہ کرے۔''

زینب خاموش تھی۔

''میری خوش قسمتی پر ناز کر رہی ہو لیکن خوش بخت بننے پر تیار نہیں ...... آخر کیوں؟''

''کیونکہ میں اپنے آنسو کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتی۔''

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں ...... تم اُٹھو اپنی چیزیں سمیٹو تمہیں صبح جانا ہے نا!''

نازیہ سب سوال بھول گئی اور زینب کے پاس سے اُٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی اور زینب اپنے خیالوں کی دنیا میں لوٹ آئی۔ جہاں اسے صرف صحرا دکھائی دے رہا تھا۔

اگلے روز جب نازیہ ماں کے ہمراہ گاؤں روانہ ہونے لگی تو زینب کو گلے لگاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں زینب بھی دکھی تھی مگر اسے خوشی اس بات کی تھی کہ نازیہ کو اس کی منزل مل رہی تھی وہ منزل جو کئی سالوں کی مسافت طے کرنے کے باوجود اسے نہ مل پائی تھی۔

''زینب تم بہت اچھی ہو ...... میں ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گی اور دعا کروں گی کہ تمہاری

زندگی میں بھی کوئی ایسا شخص آجائے جو تمہیں ان دکھوں سے نکال دے ...... تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر جائے۔''

''نازیہ اب میں اپنے دکھوں کے ساتھ رہنا سیکھ گئی ہوں ...... مجھے کسی خوشی کی ضرورت نہیں۔''

''بیٹی ایسی باتیں نہیں کرتے ......''

''جانے کیسی باتیں کرتی ہو میں ساری عمر ہی سمجھ نہیں پائی۔''

''زینب میری شادی پر تو آؤ گی نا۔''

''نہیں ...... میں نہیں آسکتی۔''

رشیداں بولیں۔

''کیوں نہیں آسکتی ......؟ میں خود لینے آؤں گی اپنی بیٹی کو۔''

''نہیں خالہ آپ تکلیف نہ کیجیے گا۔''

''اس میں تکلیف والی کونسی بات ہے؟''

''خالہ میں نہیں جاپاؤں گی مجھے لگتا ہے کہ میرے قدم نکلے تو میری جان چلی جائے گی ......''

''بیٹی اگر تمہاری خوشی یہاں رہنے میں ہے تو تم رہو۔ ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔''

اسلم نے نازیہ کو گم سم پاکے پوچھا۔

''نازیہ کہاں کھوگئی ہو؟''

''وہ ...... زینب''

''چلو نازیہ گھر چلیں ...... اگر تم یہاں رہی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔''

اسلم نازیہ کا ہاتھ پکڑ کے اسے کوارٹر سے باہر لے آیا وہ زینب کی تصویر آنکھوں میں لیے اپنے شوہر کے ساتھ چلنے لگی۔

شارح سٹڈی روم میں آنکھیں موندھے بیٹھا تھا کہ دروازہ نوک ہوا اور پھر سلمٰی اندر داخل ہوئی۔

''آپ یہاں بیٹھے ہیں اور میں آپ کو گھر بھر میں تلاش کر چکی ہوں ......''

شارح نے آنکھیں کھول کے بیگم کی طرف دیکھا۔

''اُٹھیں کھانا لگ چکا ہے ...... مجھے بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔''

''تم کھالو میرا جی نہیں چاہ رہا۔''

''آپ کو کھانا تو کھانا پڑے گا ...... چلیں۔''

سلمٰی نے شارح کا بازو پکڑا اور اُسے ڈائننگ روم میں لے آئی۔ کھانے کے دوران شوہر کو پریشان اور اُداس پاتے ہوئے اس نے وجہ جاننا چاہی مگر شارح نے ٹال مٹول کر دی پہلے تو وہ شوہر کو اس صورت حال سے نکالنے کے لیے اپنی دن بھر کی روٹین بتاتی رہی مگر اُسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر اُس سے نازیہ کے متعلق بات کرنے لگی۔ شارح نے اس کی باتوں کا مختصر سا جواب دیا اور کھانا ختم کرنے سے پہلے ہی اُٹھ کر لان میں چلا آیا۔

اُس کو پودے سے محبت تو پہلے بھی تھی مگر اب اس میں اضافہ ہوگیا آج وہ اس کو ایک نئے انداز اور نظر سے دیکھ رہا تھا۔ سلمٰی نے شارح کو لان میں پاکر وہاں آنا چاہا مگر یہ سوچ کے واپس چلی آئی کہ شاید کچھ دیر تنہا رہنے سے وہ ٹھیک ہو جائے۔

شارح کچھ دیر کھڑا اُسے دیکھتا رہا اور پھر زینب کے کوارٹر کی طرف آگیا۔ لائٹ آن کرتے ہی وہ سارے کمرے کو عقیدت و محبت کے انداز میں دیکھنے لگا۔ نظریں سارے کمرے میں گردش کرنے کے بعد الماری پر آرکیں۔

الماری کا ایک پٹ تھوڑا کھلا تھا شارح اسے بند کرنے کو آگے بڑھا تا کہ گرد اندر نہ جاپائے۔ مگر جوں ہی اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اس کی نظر دراڑ سے نظر آنے والی شرٹ پر پڑی۔ وہ اُسے جانی پہچانی لگی تھی اس لیے اُس نے اسے دیکھنے کو جب الماری کے پٹ کھولا تو چونک گیا۔ وہ کسی اور کی نہیں خود اس کی شرٹ تھی۔

''اسے یہاں کون لایا؟''

یہ کہتے ہوئے اس نے شرٹ اُٹھائی تو اس کے نیچے ایک اور شرٹ دکھائی دی دوسری کے اٹھانے پر تیسری پر نظر پڑی اُنہیں بہت احتیاط اور سلیقے سے رکھا گیا تھا انہیں دیکھ کر خود شارح کو بھی ایک منٹ کو لگا وہ کسی نادر شے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسی احتیاط سے اُنہیں پکڑ رہا تھا جس احتیاط سے زینب انہیں پکڑا کرتی تھی۔ اُنہیں دیکھ کر شارح کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ زینب بھی اکثر اداسی اور تنہائی کے حساس کو مٹانے کے لیے انہیں دیکھا کرتی تھی تب وہ شارح کو اپنے بہت قریب محسوس کرتی اور تنہائی کا احساس جاتا رہتا۔

شارح کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک روز سلمٰی نے زینب کو کمرے میں بلوایا اور الماری سے اس کی یہ تینوں شرٹیں نکال کر زینب۔ کو دیں اور بولی۔

"انہیں لے جاؤ اور پرانے کپڑوں میں رکھ دو۔"

زینب نے خاموشی سے اُنہیں پکڑا اور چلی آئی۔

شارح زینب کی روح کو تکلیف نہ دینا چاہتا تھا اس لیے اُس نے انہیں اسی ترتیب سے اُسی جگہ رکھ دیا۔ شرٹس کے قریب ہی کچھ اخبارات اور سی ڈیز رکھی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے اس نے سی ڈیز کو اٹھایا ان میں کوئی بھی سی ڈی ایسی نہ تھی جو اس کے گانوں کی نہ ہو، زینب کے پاس کوئی سی۔ڈی پلیئر نہ تھا مگر پھر بھی وہ انہیں اپنے سرمایہ حیات کی طرح سنبھالے ہوئے تھی۔

اخبارات کی وہاں موجودگی اس کے لیے حیران کن ضرور تھی مگر جب اس نے انہیں کھول کے پڑھا تو ہر اخبار میں یا تو اس کے متعلق کوئی خبر شائع تھی یا وہ اس کے انٹرویو پر مشتمل تھی۔ شارح نے جب انہیں واپس رکھنا چاہا تو اُسے وہاں ایک سفید کاغذ نظر آیا اس نے اخبارات وہاں رکھ دیں اور اس کاغذ کو پکڑ لیا۔ وہ ایک تہہ دار کاغذ تھا شارح نے اس کی تہیں کھولیں تو اس کے اندر پڑے ہزار کے نوٹ کو دیکھ کر کھو گیا۔

شارح عید کی نماز پڑھ کے مسجد سے آیا تو سلمٰی نے زینب کو سویاں ڈائننگ ٹیبل پر لگانے کا کہا زینب جو اس وقت کچن میں کام کر رہی تھی جلدی سے حکم بجا لانے میں سرگرم عمل ہو گئی۔ سویاں رکھنے کے بعد وہ کچن کی جانب جانے لگی تو سلمٰی نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو زینب اپنی عیدی تو لیتی جاؤ۔"

"عیدی" وہ حیرانی سے بولی۔

"ہاں ٹھہرو"

وہ سلمٰی کے دیے ہوئے پیسوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ میمونہ بیگم نے بھی اُسے کچھ پیسے پکڑا دیے۔ وہ انہیں لیے وہاں سے جانے لگی تو شارح کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"زینب"

اس کا سارا جسم لرز گیا اور قدم خود بخود رک گئے وہ اُسی طرح نظریں جھکائے کھڑی تھی کہ شارح نے ہزار کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری عیدی ہے۔"

زینب کھڑی شارح کے بڑھے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی کہ میمونہ بیگم کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"لے لو۔"

سلمٰی نے بھی ساس کی تائید کی۔

"ہاں لے لو...... تمہارے کام آئیں گے۔"

اس نے خاموشی سے ان پیسوں کو پکڑا اور وہاں سے کوارٹر کی طرف آ گئی۔ راستے میں اُسے مالی بابا نظر آیا تو اس نے سلمٰی اور میمونہ بیگم کے دیے ہوئے پیسے اُسے دے دیے۔

"یہ کس لیے بیٹی"

"مالی بابا اپنے پوتا پوتی کو دے دینا"

"اتنے پیسوں کا وہ کیا کریں گے۔"

"تو ان کا میں کیا کروں گی۔"

وہ پیسے پکڑاتی ہوئی کوارٹر میں آ گئی اور ہزار کا نوٹ ایک سفید کاغذ میں لپیٹ کے الماری میں رکھ دیا۔

"فاریہ تم نے مجھے بہت کچھ دیا مگر میں تمہیں کچھ نہ دے سکا۔"

شارح کی آنکھیں بھر آئیں۔

شارح کو الماری میں اپنی استعمال شدہ بہت سی چیزیں نظر آئیں تھیں جن میں پن، مگ، جوتے وغیرہ شامل تھے۔ زینب نے انہیں بہت ترتیب اور صفائی سے رکھا تھا۔ ان پر پڑا ہلکا ہلکا سا گرد اس بات کا عکاس تھا کہ اس نے مرنے سے پہلے ہی انہیں صاف کر کے رکھا تھا۔

شارح کی نظر جب الماری کے تیسرے خانے میں گئی تو اسے پھولوں کا گلدستہ نظر آیا۔ پھول تو مرجھا چکے تھے۔ مگر اس پر ٹیپ سے چسپاں کیا گیا کارڈ نیا تھا۔ شارح نے جب اس کارڈ کو کھولا تو اس پر لکھا تھا۔

"Happy Birthday"

شارح اس لکھائی کو خوب پہچانتا تھا۔

"شارح...... شارح"

"ارے بابا کیا بات ہے؟"

شارح نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف آتے ہوئے کہا جہاں سلمٰی کھڑی اسے بلا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خوبصورت پھولوں کا گلدستہ تھا جس کی بھینی بھینی خوشبو اسے مسحور کر رہی تھی۔ سلمٰی خوشبو سونگھ رہی تھی کہ شارح نے اس کے قریب آ کے کہا۔

"بولو کیا بات ہے؟"

سلمٰی نے پھولوں کا گلدستہ شارح کو پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہیپی برتھ ڈے"

"تھینکس...... بہت خوبصورت پھول ہے کیا تم لائی ہو؟"

"نہیں یہ آپ کے بے نام فین نے بھجوائے ہیں جو کئی سالوں سے پھول بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔"

"حیرت کی بات ہے......"

"حیرت کی نہیں محبت کی بات ہے۔"

"محبت"

"ہاں محبت......لگتا ہے کوئی آپ کو دل و جان سے چاہتا ہے۔"

"So what, I don't care"

"Really"

"یہ کوئی انوکھی بات نہیں فینز یہی سب کرتے ہیں۔"

زینب جو اِن سے کچھ فاصلے پر ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ سلمٰی کو پانی دینے کی غرض سے اِدھر آئی تھی کہ دونوں میاں بیوں کی باتیں سن کر رک گئی۔ اس نے آنسو صاف کیے اور گلاس لے کر سلمٰی کے قریب آ کے بولی۔

"پانی"

سلمٰی نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے پکڑا اور پانی پینے لگی شارح کی جو نظر زینب کی آنکھوں پر پڑی تو اسے لگا وہ ابھی ابھی روئی تھی مگر وہ زینب سے ان آنسوؤں کی بابت کوئی سوال نہ کر سکا اور وہ وہاں سے چلی آئی۔

شارح کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں سمجھ ہی نہ سکا میں نے ہی تمہارا دل دکھایا تھا......تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا موجب میں تھا......کاش! میں یہ جان سکتا تمہاری آنکھوں کو پڑھ سکتا......مگر ایسا نہ ہو سکا۔"

تبھی شارح کو یاد آیا کہ ایک روز وہ گاڑی میں سوار ایک پھولوں کی دوکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر پھول خریدتی ایک لڑکی پر پڑی۔ اُس نے گاڑی روک دی اور اُس سے وہاں آنے کی وجہ جاننے کے لیے دوکان کی طرف گیا مگر جب تک وہ وہاں پہنچا وہ جا چکی تھی ٹریفک کی وجہ سے اُسے سڑک کراس کرنے میں کچھ وقت لگ گیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ زینب

تھی مگر وہ یہاں کیوں آئی تھی وہ اُس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ اُسے وہاں سے غائب پا کر وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر اُسے تلاش کرتا رہا کہ شاید وہ اُسے مل جائے مگر نا کام ہو کر جب وہ گھر پہنچا تو وہاں تھی اُس نے اس کی تلاش میں زیادہ وقت نہ لگایا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ اُس سے پہلے گھر نہ پہنچ پائے گی مگر جب اس نے زینب کو کچن میں اردگرد سے بے نیاز کام کرتے پایا تو اُسے لگا اسے دھوکا ہوا تھا وہ کوئی اور لڑکی تھی جسے اس نے دوکان پر دیکھا تھا کیونکہ زینب تو ہر وقت گھر پر ہی موجود ہوتی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں...... مجھے یقین ہے وہ زینب ہی تھی۔"

شارح ایک عجیب سے الجھن کا شکار ہو گیا۔ زینب نے شارح کو دیکھ لیا تھا اس لیے وہ جلدی سے وہاں سے نکل آئی اور ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچ گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ شارح کو علم ہو کہ اُسے پھول بھجوانے والی وہ تھی۔

اس وقت تو شارح نے اسے اپنا فریب نظر سمجھ کے نظر انداز کر دیا مگر جب شام کو اُسے کوریئر ملا تو پھولوں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"تو کیا زینب مجھے......نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ بھلا یہ سب کیوں کرے گی؟"

شارح کو خود کلامی کرتے سن کر سلمٰی نے پوچھا۔

"کون یہ سب کیوں کرے گا؟"

"کوئی نہیں......بس یوں ہی۔"

شارح نے بات ٹال دی۔ اُسی وقت سلمٰی کی نظر جو ٹیبل پر رکھے پھولوں کے گلدستے پر پڑی تو وہ بولی۔

"آج بھی آپ کے بے نام فین نے پھولوں کا تحفہ بھیجا ہے (پھول کو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بولی) بہت خوبصورت پھول ہیں (پھر انہیں سونگھا) خوشبو بھی زبردست ہے...... آخر یہ ہے کون۔"

"I don't know"

"فرض کریں آپ کو پتہ چل جائے کہ وہ کون ہے تو کیا کریں گے......"

"تو میں......"

شارح کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ شارح نے بہت سراغ لگایا مگر کہیں بھی اُسے زینب کے قدموں کے نشان نہ مل سکے۔ جانے کیوں زینب کو دوکان پر دیکھ کر اس کا جی چاہا تھا کہ اس کا

شک یقین میں بدل جائے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا تو اس نے اس بارے سوچنا چھوڑ دیا۔ وہ ماضی سے نکلا تو خود کو کوستے ہوئے بولا۔

”مجھے یقین ہونا چاہیے تھا...... مجھے ایک بار فاریہ سے پوچھنا چاہیے تھا...... مگر میں نے اُسے ملازمہ جانتے ہوئے یہ ہمت ہی نہ کی۔“

شارح نے ان مرجھائے ہوئے پھولوں کو سونگھا تو اُسے وہی مہک محسوس ہوئی جو وہ اپنے بے نام فین کے گلدستے کو سونگھتے ہوئے محسوس کرتا تھا۔ شارح نے انہیں محبت سے چوما اور واپس رکھنے لگا تو اس کی نظر وہاں رکھے ایک بڑے سے گفٹ پیپر پر پڑی۔ اُس نے اُسے پکڑنا چاہا مگر وزنی محسوس کرتے ہوئے پھولوں کو نچلے خانے میں پڑی شرٹوں پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے گفٹ پیپر اُٹھا کر چارپائی پر رکھ دیا۔

”یہ کیا ہے؟“

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کو اس نے پیپر کو اتارنا شروع کیا ابھی پیپر اترا ہی تھا کہ اسے حیرت و محبت نے گھیر لیا وہاں ایک فریم کی ہوئی تصویر تھی وہ تصویر کو بغور دیکھنے لگا کیونکہ وہ کسی اور کی نہیں خود اس کی تصویر تھی۔ وہی اُسے ایک انویلپ بھی دیکھائی دیا اس سے پیشتر کہ وہ اس کو کھولتا بولا۔

”فاریہ ایک آرٹسٹ بھی تھی...... فاریہ نے یہ کب بنائی؟“

وہ اسی حیرت کا شکار تھا کہ اس کی نظر ہاتھ میں پکڑے ہوئے انویلپ پر پڑی تو نظریں تصویر سے ہٹ گئیں جب اس نے اس کو کھولا تو اندر ایک خط تھا۔

”مجھے یقین تو نہیں مگر اُمید ضرور ہے کہ آپ میرا خط پڑھیں گے۔ میرا شاید اتنا تو حق بنتا ہے کہ آپ سے چند لفظ کہہ سکوں۔ یوں تو میں نے لفظوں کا ادھار اُسی لمحے چھوڑ دیا تھا جب تقدیر نے آپ کو مجھ سے چھین کر کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میں نہیں جانتی میری زبان بولنا کیسے بھول گئی تھی۔ مگر آج ایک بار پھر مجھے لفظوں کا مقروض ہونا پڑا ہے۔“

ہم سب جانتے ہیں کہ دعا دل سے اُٹھتی ہے زبان تو صرف اسے لفظوں کی شکل دیتی ہے اس لیے تو زبان کو تالا لگتے ہی میں نے دل کے گرد بھی ایک موٹی سے فصیل تعمیر کر دی تا کہ وہ اس سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنی جان دے دے لیکن زبان تک نہ آسکے کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ دونوں کسی کا نقصان نہ کر ڈالیں۔ کیونکہ میں کسی سے کچھ چھیننے کو اپنا حق نہیں چوری سمجھتی ہوں۔ اگر آپ میرے ہوتے تو میری گیارہ سالوں کی دعائیں کبھی رائیگاں نہ جاتیں اب میں اپنی آہوں

اور دلاسے سے کسی کا آشیانہ نہیں جلانا چاہتی تھی اس لیے ہمیشہ کے لیے دعا مانگنا چھوڑ دی۔

اس کے باوجود دل آپ کا ہی نام لے کر دھڑکتا رہا آنکھیں آپ کی یاد میں ہر پل رم جھم لگاتی رہیں میں تو انہیں بھی قید کرنا چاہتی تھی مگر یہ دونوں میرے غدار تھے انہوں نے جو علم بغاوت بلند کیا تو میرا لاغر و ناتواں وجود ان کے آگے ہار گیا۔ زندگی کے دس سال میں نے ان کے تیر سہے ان کے سامنے اتنی التجا ضرور کی کہ یہ چاہے مجھے چھلنی کر دیں مگر کبھی آپ کی زندگی میں کوئی طوفان نہ لائیں۔ آخر انہوں نے آج بھی جو قلم اُٹھایا تو انہی کے ہاتھوں مجبور ہو کے ورنہ تو میں خاموشی سے آپ کی اس دنیا کو چھوڑ جانا چاہتی تھی۔ البتہ ان سے عہد ضرور لے لیا کہ وہ ان لفظوں پر آپ کی نظر پڑنے سے پہلے میری سانسوں کی ڈور کاٹ ڈالیں گے تو انہوں نے مجھے خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ وہ تو برسوں سے اس میں لگے ہوئے تھے اور اب تو کچھ ہی دن باقی تھے یہ سب لکھنے کا مقصد آپ سے کوئی شکوہ شکایت کرنا نہیں کیونکہ آپ تو بے قصور ہیں مجرم تو دل اور آنکھیں تھیں اور انہوں نے اپنے جرم کی بہت لمبی سزا کاٹی ہے۔

میں مرنے سے پہلے آپ کے لیے آخری بار تحفہ چھوڑ کے جا رہی ہوں اسے قبول کر لیجیے گا چاہے یہ سمجھ کے کہ فینز تو یہ سب کرتے ہیں۔

شارح خط پڑھتے پڑھتے رک گیا۔

”تو کیا فاریہ نے سب سن لیا تھا۔“

شارح کو دکھ ہوا اس نے ایک نظر تصویر کو دیکھا اور پھر پڑھنے لگا۔

”میں کوئی آرٹسٹ نہیں مگر پھر بھی آپ کا پوٹریٹ بنانا چاہتی تھی زندگی میں پہلی بار ایک اناڑی نے تصویر پینٹ کی ہے جو کہ شاذ کی ہے کیونکہ شارح کو تو میں نے نظر اُٹھا کے دیکھا ہی نہیں وہ تو کسی اور کا تھا البتہ دل کے آئینے میں ہر وقت شاذ کی تصویر ضرور رہتی تھی جسے میں دیکھ سکتی تھی۔“

آخری بات جو میں کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ فروہ نے جانتے بوجھتے جھوٹ بولا تھا وہ جانتی تھی میں آپ کو کبھی نہیں بھلا پاؤں گی مگر اس نے کہا میں آپ کو بھول جاؤں گی جانے میں آپ کو بھول پائی ہوں کہ نہیں بس اتنا جانتی ہوں کہ دل آج بھی آپ کے لیے دھڑکتا ہے اور آنکھ آج بھی آپ کی یاد میں نم رہتی ہے۔ میں آپ سے یہ تو نہیں پوچھوں گی کہ کبھی آپ نے اپنے اردگرد میری محبت کی مہک محسوس کی کیونکہ میں آپ کے انکار کا غم لے کر قبر میں نہیں جا سکتی۔

میری آپ کے لیے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔

شارح نے خط ختم کیا تو آنسوؤں تیزی سے بہنے لگے یوں تو وہ پہلے بھی آنکھوں میں

تیر رہے تھے مگر اب برسات شروع ہو گئی۔ وہ چیخ چیخ کے فاریہ کے کھو جانے کا ماتم کرنا چاہتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر پایا

☆

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے شارح کی نظر سامنے رکھے پھول پر پڑی تھی جسے وہ فاریہ کی قبر پر ڈالنے جا رہا تھا یوں تو اس نے اور بھی پھول خریدے تھے مگر وہ اس پھول کو ان میں نہ رکھ پایا۔ جوں ہی اس کی نظر پھول پر پڑی اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے وہ ان پر کنٹرول پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ موبائل پر رِنگ ہوئی اس کا فون سننے کا بالکل بھی موڈ نہ تھا اس لیے اسے آف کرنے کو ہاتھ بڑھایا تو فروہ کا نمبر دیکھ کر یہ جسارت ہی نہ کر سکا۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی آنسو پونچھتے ہوئے کال ریسیو کی فروہ شارح کو اپنے ٹرسٹ میں ہونے والے میوزک شو میں مدعو کرنا چاہتی تھی لہٰذا دعوت اس نے قبول کر لی۔ فروہ نے جب بھی اسے فون کیا یا وہ اس کے پاس گیا اس نے اسے فاریہ کے بارے بتانے کی کوشش کی مگر وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی خاموش رہا۔ یہ خوف اُسے بولنے ہی نہ دیتا تھا کہ جب فروہ کو علم ہوگا کہ اس کی بہن نے اپنی زندگی کے دس سال ایک ملازمہ کی حیثیت سے گزارے تو نہ صرف اس کے زخم ہرے ہو جائیں گے بلکہ وہ یہ سب سننے کے بعد اپنی زندگی کا بچا کچا چین بھی کھو دے گی۔

شارح نے موبائل آف کرنے کے بعد گاڑی قبرستان کی طرف چلا دی۔ قبرستان کے قریب آ کے اس نے گاڑی روکی اور پھول لیے فاریہ کی قبر پر آ گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کی قبر پر پھول ڈالتا اس کی سوچ اُسے دور لے گئی۔

شارح اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی اسے عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی اس نے سونے کی کوشش کی مگر ناکام ہو کر کچن میں پانی پینے کو چلا آیا مگر پانی پینے کے باوجود اس کی گھبراہٹ میں کمی واقع نہ ہوئی تو وہ کھلی فضا میں کچھ وقت گزارنے کی غرض سے لان میں آ گیا۔ وہاں ٹہلتے ہوئے اس نے کسی کی آواز سُنی۔

"I have lost everthing"

آواز کافی مدھم تھی مگر سناٹے کی وجہ سے وہ اُسے سن پا رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی اُسے یہ تو یقین تھا کہ یہ سلمٰی کی آواز نہ تھی کیونکہ وہ ابھی کمرے سے ہی آ رہا تھا اور وہ بڑے مزے سے سو رہی تھی۔ پھر آواز بھی کوٹھی کے اندر سے ہی آ رہی تھی مگر کون تھا جو بول رہا تھا یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اس نے اس سمت چلنا شروع کیا جہاں سے وہ آواز کو

آتے سن رہا تھا۔ جوں جوں وہ قدم آگے بڑھنے لگا آواز اونچی ہوتی گئی۔

"Except patience ...... but with the departure of this one ...... I am unable to live even for a minute. But, Before dying I want to see him, last time."

شارح نے اتنا ہی سنا تھا کہ آواز رک گئی تو اس کے قدم بھی وہیں جم گئے۔ اب اس کی توجہ اپنے قدموں کی طرف گئی تو خود کو زینب کے کوارٹر سے کچھ فاصلے پر پا کر حیران رہ گیا۔

"تو کیا آواز زینب کے کوارٹر سے آ رہی تھی ...... نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ زینب تو ایک ان پڑھ لڑکی ہے۔ وہ یہ سب کیسے بول سکتی ہے۔"

زینب اپنے کوارٹر میں چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی منتظر نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں امید کے جلنے والے دیے بجھنے لگے اور اُسے اپنا انتظار ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا تو اس کی آنکھوں کے کٹوروں میں تیرنے والے آنسو بہہ اُٹھے۔

شارح نے اپنے قدم واپس موڑنے کا سوچا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی۔

My days were passing in the realm of

وہ رک گیا

Peace, pleasure and Happiness.

اسے یہ لفظ جانے پہچانے لگے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی زینب کے کوارٹر کی طرف چلنے لگا۔

Then, one day this tranquillity,

Became a bygone Story.

شارح نے دروازہ کھولا تو زینب کو دیوار پر نظریں گاڑھے آنسو بہاتے دیکھ کے حیران رہ گیا وہ اس کی آہٹ پر لرز گئی مگر اس نے شارح کی طرف نہ دیکھا بلکہ اُسی طرح بولتی رہی۔

One day the sun of placidity

Set in my realm not to rise again.

شارح کی نظروں کے سامنے وہ لفظ گھوم رہے تھے جو اس نے اپنے موبائل پر پڑھے تھے۔ وہ اسی طرح بول رہی تھی۔ کہ شارح چلتا ہوا اس کے سامنے آ کے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ زینب نے اپنی نظریں دیوار سے ہٹا کر اس کے چہرے پر جما دیں اس کی آنکھوں کی رم جھم اُسی طرح جاری تھی اور وہ بول رہی تھی۔

I was attacked by my rival relations.
Who came to extinguish the wick of my life.
I was ready to live with them
But they can't bear my existence.
So, I have to confront with them for my Survival

Firstly,
Love was in front of me.
He attacked over me with the words.
Have I blindness like him?
I say, yes.

Secondly,
Man God came up against me.
Have I forgiveness like Him?
I say, yes.

Thirdly,
Husband wife asked me
Have I companionship like him?
I say, yes.

Forthly,
Parents' children lay down me.
Have I affection like him?
I say, yes.

Fifthly,
Brother, sister came before me.
Have I sampathy like him?
I say, yes.

Sixthly,
Friendship proudly said to me.
Have I trust like him?
I say, yes.

Seventhly,
Servant master opposed me.
Have I obedience like him?

I say, yes.
Lastly, life death wants to extripateme.
Have I departure like him?
I say, yes.
They all were defeated
I was happy, because I can
see my survival
They all assembled and attacked me.

Suddenly,
They asked Then tell us your name.
This locked my tongue.
They began to smile
This brought tears in my eyes.

زینب شارح کو دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ شارح بھی حیرت سے زینب کو دیکھ رہا تھا۔

They began to roll down on my cheeks.

Becasue I have everything except name.

شارح کو اچھی طرح یاد تھا کہ یہ ان میسجز میں سے ایک تھا جو دس سال پہلے اُسے بھیجے جاتے تھے مگر زینب اس کو کیسے جانتی تھی۔ زینب کون تھی اور پوچھنا چاہ رہا تھا اپنی حیرت کا فور کرنا چاہتا تھا مگر زینب نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

But Now, I have found my identity.

I am Ishaq

I have everlasting life.

زینب کی حالت خراب ہونے لگی اور اسے اپنی سانس اکھڑتی ہوئی محسوس ہوئی تو شارح نے کہا۔

"میں پانی لاتا ہوں۔"
"کہیں مت جائیں...... چند لمحے صرف چند لمحے۔"
"آپ کی طبیعت خراب ہے"
زینب اکھڑتے سانس کو بحال کرتے ہوئے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''زینب آپ......''

شارح اس سے اس کے متعلق پوچھنا چاہ رہا تھا مگر اس کی حالت مزید خراب ہوتے دیکھ کے وہ رک گیا۔

"I am leaving you, but I will ....

live in you heart in your memories"

زینب کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں شارح کے چہرے پر تھیں جن میں سے محبت اور بے بسی آنسو بن کے ٹپک رہی تھی۔ زینب گرنے لگی تو شارح نے اسے تھام لیا وہ محو حیرت تھا کہ زینب کون تھی؟ اس کا اس سے کیا تعلق تھا؟ وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے کیوں دیکھ رہی تھی؟ اس نے یہ نظم "Nameless Relation" کہاں سے سنی تھی؟ اس قسم کے بہت سے سوالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے مگر اس نے زینب کی حالت کے پیش نظر انہیں زبان تک نہ آنے دیا۔ یہ بات بھی اس کے لیے حیران کن تھی کہ زینب کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اُسے تکلیف کیوں دے رہے تھے اسے اُس سے بچھڑنے کا غم کیوں ہو رہا تھا؟

I will live in your heart"

اس نے یہ جملہ مکمل کیا تو اس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی مگر آنکھیں اب بھی اُسی کو دیکھ رہی تھیں جن سے نکلنے والے آنسو اس کی بے پناہ محبت کا ثبوت تھے۔

شارح قبر پر کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے بھی وہی محبت آج آنسو بن کے بہہ رہی تھی۔ اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کی قبر پر پھول ڈالے۔ ہاتھ اُٹھا کر رب کے حضور اس کی مغفرت اور اعلیٰ درجات کی دعا مانگی اور پھر جھک کے اس کی قبر پر پیار ا بھرا ہاتھ پھیرا۔

"Yes' you were right, you are in my heart,"

پھر اس نے زینب کی قبر پر اپنے لان سے لایا ہوا پھول رکھا تو اسے غالب کا وہ شعر یاد آ گیا جو ایک روز اس نے اس کے کوارٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے سنا تھا۔

ہم نے مانا! کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک